قیصر و کسریٰ

نسیم حجازی

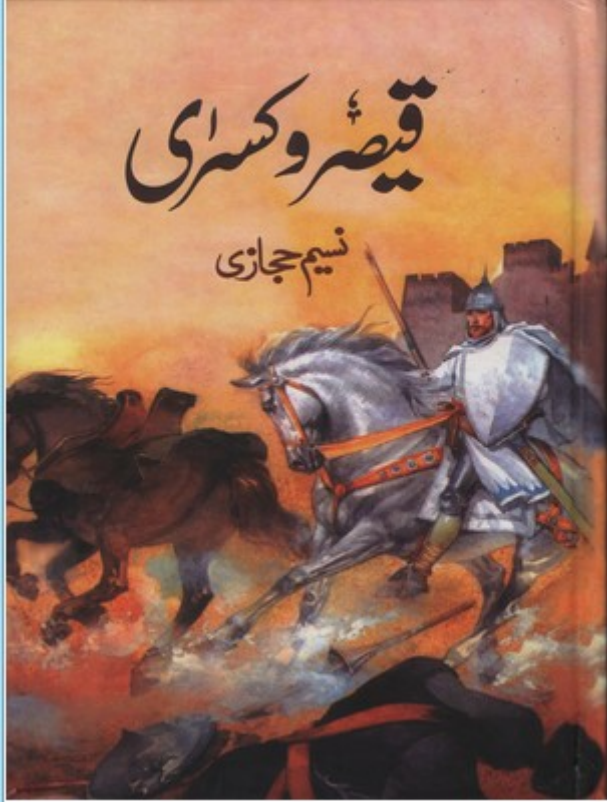

قیصر و کسریٰ

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو
• لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدر آباد • کراچی

پہلا حصّہ

پیاسی ریت

باب (۱)

ایک روز، دوپہر سے کچھ پہلے عاصم اور عباد یروشلم سے کوئی پانچ کوس دور پھر اُس سرائے کے قریب پہنچ چکے تھے، جہاں انہوں نے چند ہفتے قبل دمشق جاتے ہوئے ایک رات قیام کیا تھا۔ اپنی عمر کے لحاظ سے عاصم اُن تندرست اور توانا لوگوں میں سے تھا جو بچوں میں جوان اور جوانوں میں کمسن دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم اُس کا خوبصورت چہرہ ان طوفانوں سے آشنا معلوم ہوتا تھا جو ایک نوجوان کو قبل از وقت سنجیدہ بنا دیتے ہیں۔ اپنے لباس سے وہ ایک عالی نسب عرب معلوم ہوتا تھا اور اس کی سیاہ اور چمکیلی آنکھیں شوخی، ذہانت اور غرور کے علاوہ اُس حوصلے اور خود اعتمادی کی آئینہ دار تھیں جو عمر کا ایک حصّہ ناہموار اور پرخطر راستوں پر گزارنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وہ ترکش کمان اور تلوار سے سجا، ایک خوبصورت کُمیت گھوڑے پر کچھ اس انداز سے بیٹھا تھا کہ اگر اُس کے دائیں بائیں مسلّح دشمن کی صفیں ہوتیں تو بھی اُس کی خود اعتمادی میں فرق نہ آتا۔ یا اگر وہ ایک عرب کی بجائے کسی رومی سپاہی کے لباس میں ہوتا اور اُس کے پیچھے ایک غلام کی بجائے سواروں کی فوج ہوتی تو اُس کی بیباک نگاہیں اس فوج کی فتح کی ضمانت سمجھی جاتیں۔ تاہم اگر یہ نوجوان کسی گزرگاہ پر چند اچھلتے، کودتے اور ہنستے کھلکھلاتے بے فکر لڑکوں کے ساتھ نمودار ہوتا تو تماشائی اُس کے سپاہیانہ انداز کی بجائے اُس کی مسکراہٹیں دیکھتا اور اُس کے قہقہے سننا زیادہ پسند کرتے۔

عباد، اُس کا دراز قامت اور بھاری بھرکم غلام جو عمر میں اُس سے دس بارہ سال بڑا معلوم ہوتا تھا۔ ایک اونٹ پر سوار تھا اور دوسرے اونٹ پر جس کی نکیل عباد کے اونٹ کی دم سے بندھی تھی، سامان

لدا ہوا تھا۔

سرائے کی چار دیواری باہر سے ایک قلعے کی فصیل معلوم ہوتی تھی۔ عباد اور عاصم دروازے کے سامنے اتر پڑے اور اپنے گھوڑے اور اونٹوں سمیت اندر داخل ہوئے۔ سرائے کی دو منزلہ عمارت زیادہ بڑی نہ تھی لیکن صحن خاصا کشادہ تھا۔ برآمدے کے آگے لکڑی کے ستونوں پر کھجور کے تنوں اور پتوں کی چھت کے نیچے عام مسافروں کے لئے ایک طرف چٹائیاں بچھی تھیں اور دوسری طرف چند بوسیدہ میزیں اور تخت پڑے تھے۔ باقی صحن میں جگہ جگہ انجیر اور زیتون کے درخت تھے۔ بائیں ہاتھ کی دیوار کے ساتھ ایک طویل چھپر اصطبل کا کام دیتا تھا جس کے اندر چند گھوڑے اور باہر چند اونٹ بندھے ہوئے تھے اور قریب ہی چند مسافر درختوں کی چھاؤں میں سستا رہے تھے۔

چار یہودی ایک میز کے گرد بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ اُن سے تھوڑی دور ایک قوی ہیکل شامی جو اپنی قیمتی قبا اور عمامے سے کسی قبیلے کا رئیس معلوم ہوتا تھا، شراب پی رہا تھا اور ایک حبشی غلام ادب سے سر جھکائے اس کے قریب کھڑا تھا۔ شامی تلوار اور خنجر سے مسلح تھا اور شراب کے اثر سے اُس کے چہرے کی خشونت درندگی میں تبدیل ہو رہی تھی۔

تیسری میز پر قبرص کے دو عیسائی، جو یروشلم کی زیارت کے لئے آئے تھے، کھانا کھا رہے تھے اور سرائے کا مالک، ایک شگفتہ مزاج مصری، جس کا نام فرمس تھا، اُن سے باتیں کر رہا تھا۔

جب عاصم اور عباد اپنے گھوڑے اور اونٹوں کو درختوں سے باندھ رہے تھے۔ فرمس اچانک اُن کی طرف متوجہ ہوا اور جلدی سے آگے بڑھ کر بولا "آپ یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو ان اونٹوں کو یہاں باندھنے کی بجائے چرنے کو باہر چھوڑ دیں۔ میں ان کی حفاظت کے لئے ایک نوکر بھیج سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا "نہیں ان پر سامان لدا ہے اور ہم یہاں سے ابھی روانہ ہو جائیں گے، میں عرب تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ غطفان اور کلب قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، کئی منزلوں تک میرا اور اُن کا راستہ ایک ہوگا۔ وہ مجھ سے چار دن پہلے روانہ ہو گئے تھے، شاید آپ کو اُن کے متعلق کچھ معلوم ہو۔"

فرمس نے جواب دیا "وہ کل ہی یہاں سے گزرے ہیں اور یروشلم میں ایک دو ہفتے ضرور قیام کریں گے۔"

عاصم نے کہا "نہیں وہ ایک دن سے زیادہ یہاں ٹھہریں گے۔ عرب میں امن کے ایام ختم ہونے کو ہیں اور میری طرح اُن کے لئے بھی کسی تاخیر کے بغیر گھر پہنچنا ضروری ہے۔ میں آج شام تک یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، آپ ہمارے لئے کھانے کا انتظام کر دیجئے۔ اور اگر آپ کا نوکر، جس نے پچھلی مرتبہ میرے گھوڑے کی نعل بندی کی تھی، فارغ ہے تو اُسے بلا دیجئے۔ میں نئے نعل لگوانا چاہتا ہوں اور ایسا کاریگر مجھے راستے میں کہیں اور نہیں مل سکے گا۔"

"یہ کام ابھی ہو جائے گا۔ پہلے یہ بتائیے کہ آپ کا سفر کیسا رہا؟"

عاصم نے جواب دیا "دمشق میں میرے گھوڑے بہت اچھی قیمت پر فروخت ہوئے تھے۔ لیکن جنگ کے باعث وہاں تلواروں کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے میں نے صرف چند تلواریں خریدنے پر اکتفا کیا ہے اور باقی سرمائے سے ریشمی کپڑا خرید لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کپڑے کی تجارت سے مجھے اچھا خاصا نفع ہوگا اور پھر اگر مزید تلواروں کی ضرورت پیش آئی تو ہم موتہ سے سستی قیمت پر منگوا سکیں گے۔"

فرمس نے سنجیدہ ہو کر کہا "میں دعا کرتا ہوں کہ اپنے وطن پہنچ کر تم یہ سنو کہ تمہاری جنگ ختم ہو چکی ہے اور تمہیں مزید تلواریں خریدنے کی ضرورت نہیں۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم واقعی جنگ سے تنگ آ چکے ہیں اور دونوں قبائل کے بیشتر خاندان امن کے خواہش مند ہیں۔ لیکن میرا خاندان اُن میں سے نہیں ہے۔ میرے لئے اِس سے بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اُدس اور خزرج کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے اور میں اپنے باپ اور بھائیوں کے خون کا بدلہ نہیں لے سکتا۔ میرے چچا نے مجھے صرف اس لئے تلواریں خریدنے بھیجا تھا کہ ہمارے قبیلے کے دولت مند لوگ جن کے پاس تلواریں ہیں لڑائی سے منہ پھیر چکے ہیں اور غریب جن کی حمیت ابھی تک زندہ ہے۔ یہودی تاجروں کو تلواروں کی منہ مانگی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ تلواریں حاصل کر لینے کے بعد جب چند آدمی میدان میں نکل آئیں گے تو قبیلے کا کوئی آدمی گھر میں نہیں بیٹھ سکے گا۔"

فرمس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "تم اپنا بہترین گھوڑا واپس لے آئے ہو۔ اگر اب بھی اپنا ارادہ بدل سکو تو میں اسے خریدنے کے لئے تیار ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر اسے فروخت کرنے کی نیت ہوتی تو میں پہلے ہی انکار نہ کرتا۔ آپ کی طرح دمشق میں بھی کئی خریدار اس کی مُنہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے، لیکن یہ میرا بہترین دوست ہے۔"

فرمس نے کہا۔ "بہت اچھا اگر یہ گھوڑا تمہیں اتنا ہی عزیز ہے تو میں اصرار نہیں کرتا۔ آؤ، میں تمہارے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔"

○

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد اُس نے مُڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"آؤ عباد!"

عباد اپنے نوجوان آقا کے ساتھ خاصا بے تکلف تھا، لیکن دوسروں کی موجودگی میں اُسے ایک غلام کی حدود سے تجاوز کرنا پسند نہ تھا۔ اُس نے کہا۔ "نہیں جناب آپ میرا کھانا یہیں بھجوا دیجئے۔"

فرمس نے پوچھا۔ "آپ نے یہ غلام کہاں سے حاصل کیا؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "جب یہ سات آٹھ سال کا تھا، تو اسے میرے والد نے یمن کے ایک یہودی تاجر سے خریدا تھا، اس وقت تک میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔"

فرمس اپنے ایک نوکر کو گھوڑے کی نعل بندی کرانے اور دوسرے کو کھانا لانے کا حکم دے کر عاصم کے ساتھ چھپر کے نیچے بیٹھ گیا۔

عاصم نے کہا۔ "آپ کو یاد ہے، میں ایک مرتبہ پہلے بھی یہاں آیا تھا؟"

"کب؟"

"کوئی چار سال قبل میں نے اپنے والد کے ساتھ یہاں تین دن قیام کیا تھا۔ اس کے بعد ہم ایک قافلے کے ہمراہ دمشق چلے گئے تھے۔ قریباً چھ مہینے وہاں گزارنے کے بعد ہم واپسی پر بھی ایک دن یہاں ٹھہرے تھے۔"

فرمس نے کہا۔ "مجھے یاد نہیں۔ لیکن پچھلی مرتبہ سرسری میں تمہاری گفتگو سننے کے بعد میرا اندازہ تھا کہ تم پہلے بھی ان علاقوں کی سیاحت کر چکے ہو۔"

عاصم نے کہا میں غیر زبانیں سمجھنے کے معاملہ میں خاصا تیز ہوں ——— چنانچہ دمشق میں چھ مہینے بعض یہودیوں سے میل جول کے باعث میں نے اُن کی زبان میں بھی شُدبُد پیدا کر لی تھی۔"

دوسری میز پر جُوا کھیلنے والے یہودیوں میں سے ایک آدمی اُٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر عاصم سے کہا "نوجوان! ہمارے ساتھ قسمت آزمائی نہیں کرو گے؟"

"نہیں، میں نے گھر سے روانہ ہوتے وقت قسم کھائی تھی کہ اپنا عہد پورا کرنے سے پہلے میں جُوا کھیلوں گا، نہ شراب کو ہاتھ لگاؤں گا۔"

"تو پھر تم عرب نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر تمہیں اصرار ہے تو میں تمہارے ساتھ جُوا کھیلے بغیر بھی اپنے عرب ہونے کا ثبوت دے سکتا ہوں۔"

یہودی نے عاصم سے اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔

اچانک شامی رئیس جو شراب کی صراحی خالی کر چکا تھا، اپنی جگہ سے اٹھا اور یہودیوں کے قریب جا کر بولا۔ "میں تمہارے ساتھ قسمت آزمائی کو تیار ہوں۔"

یہودی پریشان ہو کر اس دیو قامت انسان کی طرف دیکھنے لگے، بالآخر اُن میں سے ایک نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "نہیں جناب! ہم غریب یہودی ایک معزز شامی کے ساتھ بازی لگانے کی جسارت نہیں کر سکتے ———"

شامی نے اُس کی گردن دبوچ کر کرسی سے نیچے پھینک دیا اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر تم یہودی ہو تو تمہیں ہمارے برابر بیٹھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

دوسرے یہودی نے کہا۔ "جناب یہ ایک سرائے ہے اور آپ کو یہاں ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیئے ———"

"میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔" شامی نے یہ کہہ کر اُس کے مُنہ پر تھپڑ رسید کیا اور وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح کرسی سے گر پڑا۔ یہودی دو بھاگ کر چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑے ہوئے اور شرابی نے نشے کی حالت میں فحش گالیاں

بلکہ شروع کر دیں۔

"یہ کون ہے؟" عاصم نے دبی زبان میں فرمس سے سوال کیا۔

"یہ ایک شامی قبیلے کا رئیس ہے، یہ میری بدقسمتی تھی کہ میں نے اسے اپنی سرائے میں ٹھہرالیا ہے۔ یہ صبح سے شراب کی دو صراحیاں خالی کر چکا ہے۔ اور وہ مسافر جو سائبان سے دُور بیٹھے ہیں، کئی بار اس کی گالیاں سُن چکے ہیں۔ اگر یہ پڑوس کے ایک خونخوار قبیلے کا رئیس نہ ہوتا تو یہ مسافر اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے۔ میں نے اپنا ایک آدمی یروشلم بھیج دیا ہے، وہاں ایک رُومی افسر میرا دوست ہے، اگر اُس نے کسی سپاہی کو روانہ کر دیا تو اس کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔"

شامی رئیس نے گرے بُوڑھے یہودی کو چند لاتیں رسید کرنے کے بعد واپس آکر خالی صراحی اُٹھائی، اُسے پیالے میں الٹ کر دیکھا اور پھر فرمس کی طرف متوجہ ہو کر چلایا۔ "کیا دیکھ رہے ہو یہ صراحی خالی ہو چکی ہے۔"

فرمس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "جناب آپ بہت پی چکے ہیں۔"

شامی نے گرج کر کہا۔ "کیا بکتے ہو؟"

"جناب میں ..... میں نے یہ کہا ہے کہ شراب ختم ہو چکی ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ میں تمہاری سرائے اور تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" شامی برآمدے کی طرف بڑھا۔ فرمس کے چار نوکروں نے بھاگ کر اُس کا راستہ روکنے کی کوشش کی، لیکن اُس نے اچانک تلوار نکال لی اور وہ بدحواس ہو کر ایک طرف ہٹ گئے۔

فرمس نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا۔ "دیکھئے جناب آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گا؟"

شامی نے اچانک اپنی تلوار سیدھی کر لی اور فرمس سراسیمگی کی حالت میں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا برآمدے کے ستون سے جا لگا۔ شامی جس کی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر تھی، قہقہے لگا رہا تھا۔ فرمس کے نوکر بے بسی کی حالت میں چیخیں مار رہے تھے۔ شامی اور اس کا حبشی غلام جو تلوار نکال کر اپنے آقا کی مدد کے لئے پہنچ چکا تھا، انہیں ڈرا دھمکا کر چند قدم دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فرمس چلایا۔ "خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔ میں ایک غریب الوطن مصری ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی گستاخی نہیں کی۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ زیادہ نشے کی حالت میں آپ کے لئے سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں شراب کا پورا مشکا پیش کرنے کو تیار ہوں۔"

شامی نے تلوار کی نوک اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ذلیل آدمی اپنی زبان بند کرو ورنہ ....." فرمس شامی کے الفاظ سے زیادہ اپنی شاہ رگ پر اُس کی تلوار کا دباؤ محسوس کر کے خاموش ہو گیا، اب شامی کبھی اپنا ہاتھ پیچھے کر لیتا، اور کبھی اپنی تلوار کی نوک اُس کے پیٹ، سینے، گردن یا چہرے کے قریب لے جاتا۔ تماشائی جو پہلے یہ سمجھ رہے تھے کہ فرمس کا آخری وقت آچکا ہے، اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ مہیب صورت انسان صرف اپنی زندہ دلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اچانک برآمدے سے ایک نوعمر لڑکی نمودار ہوئی اور اُس نے چیخیں مارتے ہوئے آگے بڑھ کر شامی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن اس دیو قامت آدمی نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ ایک طرف گر پڑی۔

فرمس چلایا۔ "انطونیہ! انطونیہ! خدا کے لئے یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

لڑکی نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن شامی نے اچانک بائیں ہاتھ سے اُس کے بال پکڑ لئے، ایک عورت جو صورت سے اس لڑکی کی ماں معلوم ہوتی تھی چیخیں مارتی آگے بڑھی اور آس پاس جمع ہونے والے لوگوں کو مدد کے لئے پکارنے لگی۔ شامی دوبارہ اپنی تلوار فرمس کی گردن پر رکھتے ہوئے چلایا۔ "اگر اس عورت نے اپنی زبان بند نہ کی تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

عورت خاموش ہو گئی۔ اچانک عاصم جس کے لئے یہ کھیل ناقابل برداشت ہو چکا تھا، تلوار سونت کر شامی کے قریب پہنچا اور بولا۔ "میں نے آج تک اتنا بزدل آدمی نہیں دیکھا۔"

شامی نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر یہ بزدل نہ ہوتا تو میں پہلے ہی وار میں اس کی گردن اڑا دیتا۔"

عاصم نے کہا۔ "بزدل یہ نہیں، تم ہو۔"

شامی کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اُس نے کہا۔ "تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو؟ یہ جانتے ہو میں کون ہوں؟"

"ہاں میں تمہیں جانتا ہوں تم ایک وحشی ہو، جسے ایک نہتے مرد اور ایک بے بس لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی۔"

شامی نے غضب ناک ہو کر لڑکی کو ایک طرف دھکیل دیا اور پھر پے در پے عاصم پر کئی وار کئے۔ عاصم اُس کے وار تلوار پر روکتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹا۔ لیکن جب اُس نے جوابی حملہ کیا تو شامی کا جوش و خروش پریشانی اور اضطراب میں تبدیل ہونے لگا۔ تماشائی جو کچھ دیر پہلے دم بخود کھڑے تھے اب تحسین کے نعرے لگا رہے تھے۔ شامی کے غلام نے اپنے آقا کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر عقب سے عاصم پر وار کرنے کی کوشش کی لیکن عباد نے بھاگ کر اُس کی گردن پر مُکا مارا اور وہ زمین پر گر پڑا، عباد نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور ایک پاؤں اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔"

تھوڑی دیر بعد جب شامی ایک تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ چھ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے سرائے میں داخل ہوئے اور کسی توقف کے بغیر گھوڑوں سے کود پڑے۔ فرمس بھاگ کر آگے بڑھا اور اُس نے ایک بارعب آدمی سے جو رومی فوج کا بڑا عہدہ دار معلوم ہوتا تھا مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ ذرا دیر سے تشریف لائے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ سے پہلے میری حفاظت کے لئے یہاں ایک فرشتہ پہنچ جائے گا ورنہ میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ اگر یہ شریف عرب یہاں نہ پہنچتا تو اس وقت آپ یہاں میری لاش دیکھتے۔"

رومی افسر جس کی نگاہیں صحن میں داخل ہوتے ہی عاصم اور اُس کے حریف پر مرکوز ہو چکی تھیں، کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا لیکن لڑائی کا رنگ دیکھ کر اُس نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس نہ کی اور اُس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر اُس کے ساتھی بھی تماشائیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

عاصم نے پے در پے حملوں کے بعد شامی کو ہر طرف سے دھکیل کر اُس ستون سے لگا دیا جہاں کچھ دیر پہلے فرمس انتہائی بے بسی اور مایوسی کی حالت میں کسی معجزے کا انتظار کر رہا تھا۔ عاصم نے اُس کے جسم کی بجائے صرف اُس کے لباس کو اپنا ہدف بنانے پر اکتفا کیا تھا۔ چنانچہ شامی کی بیش قیمت قبا کئی جگہ سے چاک ہو چکی تھی، تھکاوٹ اور شراب کے نشے سے چور ہونے کے باعث ہر آن اُس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

عاصم نے اپنی تلوار کی نوک سے اُس کا عمامہ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "شراب کا نشہ گیدڑوں کو شیر نہیں بنا سکتا۔ اگر تم چاہو تو تلوار پھینک کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔"

عاصم کے یہ الفاظ اُس کے حریف کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوئے اور وہ اپنی رہی سہی قوت بروئے کار

لاتے ہوئے ایک مدمست درندے کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا، لیکن یہ ایک اندھے جوش کا آخری مظاہرہ تھا۔ عاصم کو چند قدم پیچھے ہٹانے کے بعد شامی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ چند ثانیے ہوا میں اندھا دھند تلوار گھمانے کے بعد اوندھے مُنہ گر پڑا۔

رُومی افسر جلدی سے آگے بڑھا اور اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "نوجوان! تم نے ایک شریف آدمی کی مدد کی ہے اور میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں ذرا دیر سے پہنچا اور یہ پورا تماشا نہیں دیکھ سکا۔ تم نے ایک مست ہاتھی کو پچھاڑا ہے۔"

عاصم کو قدرے پریشان دیکھ کر فرمس نے رومی افسر کی ترجمانی کردی اور اُس نے سرپانی میں جواب دیا۔ "یہ صرف شراب سے مدہوش تھا اور اسے پچھاڑ کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

فرمس نے کہا۔ "تم اسے نہیں جانتے۔ لیکن میں اس کے متعلق سب کچھ سُن چکا ہوں۔ تیغ زنی میں اس علاقے کے تمام قبائل اس کا لوہا مانتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "تو پھر مجھے اس بات کا افسوس ہونا چاہیئے کہ آج یہ ہوش میں نہیں تھا۔"

رومی افسر نے سرپانی زبان میں کہا۔ "تم بہادر بھی ہو اور شریف بھی، اگر پسند کرو تو ہماری فوج میں تمہیں عزت کی جگہ مل سکتی ہے۔"

"شکریہ لیکن میں اپنے گھر جا رہا ہوں اور وہاں میری زیادہ ضرورت ہے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"میں عرب سے آیا ہوں اور میرا گھر یثرب میں ہے۔"

رومی نے کہا۔ "میرا نام پطیوس ہے۔ اگر تم یروشلم سے گزرتے ہوئے میرے پاس قیام کرو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"شکریہ لیکن میں وہاں نہیں ٹھہر سکوں گا۔ میں بلا تاخیر اپنے گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

رُومی نے کہا۔ "فرمس میرا دوست ہے اور تم نے اِس کی جان بچائی ہے۔ اب مجھے یہ پوچھنا ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

قبرص کے دو مسافروں میں سے ایک نے رومی افسر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جناب اس نے ہم سب کی جان بچائی ہے

ہم قرص سے آئے ہیں اور یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ رومی حکومت نے اِس قسم کے وحشی انسانوں کو اتنی آزادی دے رکھی ہے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک درندہ اپنے پنجرے سے باہر نکل آیا ہے۔"

ایک یہودی نے فریاد کی۔"جناب اِس وحشی نے ایک معصوم لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بھی شرم محسوس نہیں کی۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ شراب کے نشے میں ہم سب کو قتل کر ڈالے گا۔"

تمام مسافر باری باری شامی کے خلاف اپنے غم اور غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ لیکن عباد جس نے شامی کے گرتے ہی اُس کی تلوار چھین لی تھی اب لوگوں کو رومی افسر کی طرف متوجہ دیکھ کر تلوار کی نیام اور خنجر پر قبضہ کر چکا تھا۔ حبشی غلام خوفزدہ ہونے کے باوجود زیادہ دیر اپنے آقا کی بے بسی کا تماشا نہ دیکھ سکا اور جب عباد نے شامی کی قبا کے اندر ہاتھ ڈال کر سکوں سے بھری ہوئی تھیلی بھی نکال لی تو اُس نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن عباد ایک ہی جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑا کر اٹھا اور حبشی کو دھکا دے کر چند قدم پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد حبشی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی تاہم اُس نے شور مچا کر حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"یہ کون ہے؟" رومی افسر نے برہم ہو کر پوچھا۔

فرمس نے جواب دیا۔"جناب یہ اس وحشی کا غلام ہے۔"

حبشی نے عباد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رومی افسر سے فریاد کی۔"جناب اس نے میرے آقا کی تلوار اور خنجر چھین لئے ہیں۔ اِس نے میرے آقا کی تھیلی بھی نکال لی ہے اور میری تلوار بھی چھین لی ہے۔ جناب میرے آقا ہوش میں آتے ہی میری کھال اُدھیڑ دیں گے۔ اُن کی تلوار بہت قیمتی ہے جناب!"

رومی نے جواب دیا۔"تمہارے آقا کو یروشلم کے قید خانے میں ہوش آئے گا۔ اور ہم اِسے رہا کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیں گے کہ تم اُس کے عتاب سے محفوظ ہو۔ اب اگر اس کا گھوڑا یہاں موجود ہے تو اِسے اُس پر لاد دو اور ہمارے ساتھ چلو۔"

حبشی خاموش ہو گیا، لیکن جب عباد تلوار اٹھا کر نیام میں کرنے لگا تو وہ دوبارہ چلاّ اٹھا۔"جناب میرے آقا ہوش میں آتے ہی اپنی تلوار کے متعلق پوچھیں گے۔ یہ بہت قیمتی ہے اور اس نے میری تلوار بھی کہیں چھپا دی ہے۔ اس نے میرے آقا کا خنجر اور تھیلی بھی کہیں غائب کر دی ہے۔"

رومی نے آگے بڑھ کر عباد کے ہاتھ سے تلوار لے لی، اُسے نیام سے نکال کر عباد سے پوچھا۔"تم کون ہو؟"

عباد کی بجائے عاصم نے جواب دیا۔"جناب یہ میرا غلام ہے۔ اور ہمارے ملک میں غلام اپنے آقا کے مغلوب کردہ دشمن کی تلوار پر قبضہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن یہ شامی چونکہ آپ کی رعیت ہے، اس لئے اِس کے سامان کے متعلق آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

رومی نے مسکرا کر عاصم کی طرف دیکھا اور تلوار نیام میں کر کے عباد کو واپس دیتے ہوئے کہا۔"یہ تلوار بہت خوبصورت ہے لیکن میں ایک بہادر آدمی کو اُس کی فتح کے انعام سے محروم نہیں کر سکتا۔"

عاصم نے عباد سے کہا۔"عباد ہمیں صرف تلواروں کی ضرورت تھی۔ تھیلی واپس کر دو۔"

عباد کو مذبذب دیکھ کر فرمس نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس کی اور رومی افسر سے مخاطب ہو کر کہا۔"جناب میرے اصطبل میں ان کے دو خوبصورت گھوڑے بھی بندھے ہوئے ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

رومی نے مسکرا کر جواب دیا۔"گھوڑوں کا مالک بے ہوش ہے اور رومی حکومت ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میری آمد سے قبل اس وحشی کو قتل کیوں نہیں کر دیا گیا تھا۔ لیکن آپ مطمئن رہیں، آئندہ یہ اِس سرائے کا رُخ نہیں کرے گا۔"

شامی کے غلام نے کہا۔"جناب آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ میں اپنے آقا کو گھوڑے پر لاد کر آپ کے ساتھ چلوں۔"

رومی نے جواب دیا۔"تمہارے آقا کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کی ضرورت ہے، جب اسے ہوش آجائے گا تو اس کے لئے یروشلم کے قید خانے تک چلنا مشکل نہیں ہوگا۔"

ایک یہودی چلایا۔"جناب وہ ابھی سے ہوش میں آرہا ہے۔"

تماشائیوں کی نگاہیں اچانک شامی پر مرکوز ہو گئیں، اس نے کروٹ بدلی پھر اٹھا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا کر بیٹھ گیا ـــــ فرمس کا ایک نوکر پانی کا مشکا اٹھا لایا اور اُس کے سر پر انڈیل دیا۔ شامی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اب فرمس کے دوسرے نوکر بھی باری باری پانی کے مشکے لا کر اُس کے سر پر انڈیل رہے تھے اور تماشائی قہقہے لگا رہے تھے۔

فرمس نے رومی افسر سے کہا۔"جناب آپ تشریف رکھئے میں آپ کے لئے اپنی بہترین شراب منگواتا ہوں۔"

رومی افسر ایک میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فرمس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ بھی تشریف رکھئے! میں آپ کے لئے کھانا بھجواتا ہوں۔"

عاصم نے رومی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ یہ دو تلواریں میرے لئے بہت بڑا انعام ہیں۔"

"لیکن میں نے دوسری تلوار نہیں دیکھی۔"

"وہ میرے غلام نے کہیں چھپا دی ہے۔"

"میں نے ایک عرب کو پہلی بار لڑتے دیکھا ہے۔ تمہاری فوج یقیناً بہت اچھی ہو گی۔"

"جناب عرب میں فوج نہیں ہوتی۔"

"عرب میں فوج نہیں ہوتی تو وہاں حکومت کیسے چلتی ہے؟"

"وہاں حکومت بھی نہیں ہوتی۔"

"وہاں فوج بھی نہیں ہوتی۔ حکومت بھی نہیں ہوتی، پھر سلطنت کا کاروبار کیسے چلتا ہے؟"

"جناب عرب کسی سلطنت کا نام نہیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔"

"نہیں۔"

رومی نے سراپا حیرت بن کر سوال کیا۔ "تو پھر وہاں کیا ہوتا ہے؟"

"وہاں صرف قبائل یا خاندان ہیں۔"

"سلطنت، حکومت اور فوج کے بغیر قبائل یا خاندان کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اُن کے درمیان امن کیسے قائم رہ سکتا ہے؟"

"جناب امن کا لفظ ہمارے کانوں کے لئے اجنبی ہے۔ قدرت نے ہمیں صرف مرنے اور مارنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ عرب سے باہر میں نے ایک سلطنت کو دوسری سلطنت سے لڑتے دیکھا ہے لیکن وہاں صرف قبیلوں کے درمیان جنگیں ہوتی ہیں۔ عجم کے بادشاہوں کی جنگیں ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست کے بعد ختم ہو سکتی ہیں لیکن ہماری جنگیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔"

"قبیلوں کی جنگ تو صرف ایک مضبوط حکومت ہی ختم کر سکتی ہے۔"

"لیکن ہم کسی ایسی حکومت کا تصور نہیں کر سکتے جو ہمیں لوٹ مار اور قتل و غارت کی آزادی سے محروم کر دے۔"

"لیکن تم مجھے ایک قاتل یا لٹیرے نظر نہیں آتے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر میرے خاندان کے کسی آدمی کا قاتل یہاں ہوتا تو آپ کو میری صورت بہت مختلف نظر آتی ——"

ایک عمر رسیدہ یہودی جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور اُس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد سوال کیا۔ "جناب محاذِ جنگ سے کوئی تازہ خبر آئی ہے؟"

پطیوس نے قہر آلود نگاہوں سے یہودی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کیسی خبر سننا چاہتے ہو؟"

یہودی نے بدحواس ہو کر جواب دیا۔ "جناب ہم صرف آپ کی فتح کی خوش خبری سننا چاہتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ آرمینیا کی سرزمین ایرانی افواج کا قبرستان ثابت ہو گی۔"

پطیوس نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن محاذِ جنگ کی تازہ ترین خبر یہ ہے کہ ایرانی لشکر جس علاقے میں داخل ہوتا ہے، وہاں کے یہودی اُس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے مستقبل کے لئے کوئی پریشانی نہیں، ہمیں اپنی طاقت پر بھروسا ہے لیکن تم لوگوں کو روم اور ایران کی جنگ سے دلچسپی لینے کی بجائے یہ سوچنا چاہیئے کہ بیرونی حملہ آوروں سے نبٹنے کے بعد جب ہم اپنے داخلی دشمنوں کی طرف توجہ کریں گے تو تمہارا انجام کیا ہو گا۔"

"جناب اگر آرمینیا کے یہودی گمراہ ہو چکے ہیں تو وہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے لیکن آپ جیسے نیک دل حاکم کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ شام کے تمام یہودیوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

یہودی دوبارہ ادب سے سلام کرنے کے بعد الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گیا۔

○

تھوڑی دیر بعد عاصم کھانا کھانے اور رومی افسر پطیوس شراب پینے میں مشغول تھا اور فرمس ان کے قریب بیٹھا تھا۔

پطیوس نے شراب کا ایک جام پینے کے بعد میز سے صراحی اٹھائی اور دوسرا جام بھرتے ہوئے عاصم سے مخاطب ہوا۔ "یہ شراب بہت اچھی ہے۔ اگر تم چند گھونٹ پی لیتے تو تمہاری تھکاوٹ دُور ہو جاتی۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "گھر سے نکلتے وقت میں نے اپنے والد اور بھائیوں کی قبروں پر کھڑے ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں اُن کے قاتلوں سے انتقام لئے بغیر شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں اپنے عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد میں اچھی اور بُری شراب میں تمیز نہیں کروں گا۔"

عاصم اور فرمس سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد بطلیوس نے اُن سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تین سپاہی جنہیں اُس نے شامی رئیس کو یروشلم پہنچانے کا حکم دیا تھا، سرائے میں رک گئے اور باقی دو اُس کے ساتھ چل دیئے۔ یہ تین سپاہی بطلیوس کے باہر نکلتے ہی شراب پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے صراحی خالی کر دی۔ فرمس نے ایک اور صراحی منگوا کر اُن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہارے ساتھیوں کا حصّہ بھی اس میں شامل ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد سپاہی اپنے قیدی کو لے کر چل دیئے۔ لیکن عاصم کو گھوڑے کی نعل بندی کے انتظار میں رکنا پڑا۔ پھر جب اُس نے فرمس سے رخصت چاہی تو اُس نے کہا۔ "دیکھئے اتنی جلدی نہ کیجئے۔ اب شام ہونے والی ہے۔ آپ رات یہیں قیام کریں، میں علی الصباح آپ کو روانہ کر دوں گا۔ اگر آپ میری خاطر یہاں نہیں ٹھہر سکتے تو کم از کم میری بیوی اور بچی کو تو شکریہ ادا کرنے کا موقع دیں۔" عاصم فرمس کی مخلصانہ دعوت رد نہ کر سکا۔

غروب آفتاب کے وقت یروشلم سے غزّہ کی طرف جانے والے مسافروں کا ایک قافلہ آپہنچا اور فرمس عاصم کو سرائے کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں ٹھہرا کر اُن کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ یہ کشادہ کمرہ جو صرف حکام اور رؤسا کے لئے مخصوص تھا عجم کے اُن تکلفات سے آراستہ تھا جن سے ایک عرب کی نگاہیں ناآشنا تھیں۔ عاصم کچھ دیر خوبصورت قالین پر ٹہلنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عباد ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو وہ دو گھوڑے ابھی فروخت ہو سکتے ہیں۔ ایک تاجر اُن کے بدلے دو تلواریں اور ریشم کی چند چادریں دینے کو تیار ہے۔ میں ان گھوڑوں کو ساتھ لے جانا خطرناک سمجھتا ہوں، اگر یروشلم میں اُس شامی کے قبیلے کے کسی آدمی نے اُنہیں پہچان لیا تو ہم مشکل میں پھنس جائیں گے۔ سرائے کے مالک کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر یہ گھوڑے یہیں بک جائیں تو بہتر ہو گا۔"

عاصم نے کہا۔ "آج قدرت ہمارے حال پر بہت مہربان ہے۔ میں ابھی ان گھوڑوں کے متعلق سوچ رہا تھا تم

جاؤ اور انہیں بلا توقف فروخت کر دو، لیکن میں تمہاری ایک بات سے بہت خفا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ رومی افسر، سرائے کے مالک کا دوست نہ ہوتا تو آج تم چوری کے جُرم میں پکڑے جاتے۔ ایک خطرناک آدمی کی تلوار چھین لینے کو تو شاید رومی بھی اتنا بُرا نہ سمجھتے لیکن تمہیں اُس کی جیب خالی کرتے ہوئے بھی کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔"

عباد نے جواب دیا۔ "جناب میں بیوقوف نہیں ہوں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ رُومی افسر کو اُس احمق سے ذرّہ بھر ہمدردی نہیں۔ جب آپ اُس کی قیمتی قبا پر تلوار کی مشق کر رہے تھے تو وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ سرائے کے اندر جتنے آدمی جمع ہیں وُہ سب ہمارے طرفدار ہیں۔ اور اگر رومی افسر میری حرکت پر بگڑ بھی گیا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ مجھے مالِ غنیمت واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن میرے سارے اندازے درست ثابت ہوئے اور مجھے افسوس ہے کہ آپ نے مجھے شاباش نہیں دی۔ آپ نے یہ بھی نہیں پُوچھا کہ اِس تھیلی کے اندر کیا ہے؟"

"اچھا اب بتا دو"

"جناب تھیلی سے تیس سونے کے اور بارہ چاندی کے سکّے برآمد ہوئے ہیں۔ اور میرے ہاتھ ایک اور چیز بھی آگئی تھی جس کا اب تک کسی کو علم نہیں۔"

"وہ کیا ہے؟"

"وہ ایک انگوٹھی ہے جسے اتارنے میں، میں نے اِس قدر ہوشیاری سے کام لیا تھا کہ اُس کے غلام کو بھی پتا نہیں چلا ــــــ"

عاصم نے کہا۔ "اچھا اب تم جاؤ اور فوراً گھوڑے فروخت کر دو۔"

"آپ نہیں آئیں گے؟"

"نہیں مجھے یہ اطمینان ہے کہ اس کام میں تم مجھ سے زیادہ ہوشیار ہو۔ اور سنو! تھیلی اور انگوٹھی تمہاری ہے میرا اُس میں کوئی حصّہ نہیں۔ اب جاؤ!"

عباد مسکراتا ہوا وہاں سے چل دیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اچانک رُک گیا اور مڑ کر بولا۔ "یہ کمرہ تو اِس سرائے کی بجائے کسی محل کا حصّہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ایسا قالین تو ــــــ"

عاصم نے غضب ناک ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "عباد! اگر تم نے اِس کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو میں تمہاری

آنکھیں نکال لوں گا ——— یہاں سے بھاگ جاؤ!"

عباد کمرے سے باہر نکل گیا اور عاصم کرسی سے اُٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ ایک ساعت بعد فرمس کمرے میں داخل ہوا تو عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس نے اُس کا بازو ہلا کر جگایا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

فرمس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو جلدی کھانا نہیں کھلا سکا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آپ کا کھانا تیار کرنے میں دیر لگ گئی۔ میری بیوی اور بیٹی کو اس کا ملال تھا کہ آپ علی الصباح جا رہے ہیں، اس لئے وہ آپ کو اپنی پسند کے تمام کھانے کھلانا چاہتی تھیں ——— چلئے وہ گھر میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔ "وہ گھوڑے فروخت ہو گئے ہیں؟"

"ہاں اُن کا معاوضہ تو بہت کم ملا ہے لیکن آپ کی ایک الجھن دور ہو گئی ہے۔ آپ کا غلام بہت ہوشیار ہے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا اس لئے میں نے اُسے کھانا کھلا دیا ہے۔"

○

عاصم اپنے میزبان کے ساتھ سرائے کے گرد نصف چکر لگانے کے بعد پچھلی طرف ایک چھوٹے سے سکونتی مکان میں داخل ہوا، بلند دیواروں سے گھرے ہوئے ایک تنگ صحن میں فرمس کی بیوی اور بیٹی کھڑی تھیں اور سامنے ایک کمرے کے کھلے دروازے سے روشنی آ رہی تھی۔

انطونیہ نے اپنے باپ کے ہاتھ سے مشعل لے کر دیوار کے سہارے کھڑی کر دی اور وہ کمرے میں داخل ہو کر دسترخوان پر بیٹھ گئے ———

انطونیہ اور اُس کی ماں نے اپنے مہمان کی تواضع کے لئے شام، فلسطین، مصر اور روم کے تمام تکلفات صرف کر دیئے تھے اور عاصم جسے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسے مہذب انسانوں کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا تھا، اپنی کم مائگی کے احساس سے پسا جا رہا تھا۔ انطونیہ جسے اُس نے پہلی بار انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ اب اپنے قیمتی لباس میں ایک شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ کھانے کے دوران میں روم اور ایران کی جنگ اُن کی گفتگو کا موضوع تھی۔ فرمس نے آرمینیا میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں بیان کرنے اور اُس کے بعد انطاکیہ کی تباہی کا حال سنانے کے بعد کہا۔ "اب نہ معلوم یہ

طوفان کہاں جا کر رُکے گا۔ ہم لوگ صدیوں سے مشرق اور مغرب کے ہولناک طوفانوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ مصر اور شام میں ایک ظالم کے پرچم سرنگوں ہوتے ہیں تو دوسرا جابر اپنے جھنڈے گاڑ دیتا ہے۔ آج ہم رومیوں کے غلام ہیں اور کل شاید ہمیں ایرانیوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پڑے۔

نوجوان تم خوش نصیب ہو۔ تم ایک ایسے صحرا میں رہتے ہو۔ جس میں ایرانیوں یا رومیوں کے لئے کوئی کشش نہیں۔ تمہاری تقدیر تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ عرب میں زرخیز وادیاں اور پُررونق شہر نہ سہی لیکن تمہیں یہ خطرہ تو نہیں کہ مشرق یا مغرب سے کوئی عفریت اُٹھے گا اور تمہاری بستیوں اور شہروں کو ہڑپ کر جائے گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہمیں تباہ کرنے کیلئے کسی بیرونی عفریت کی ضرورت نہیں ہماری بستیاں جلانے کیلئے ہمارے اپنے گھروں کی آگ کافی ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں جب عرب کے قبائل کا خون گرم ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کیلئے بھیڑیوں سے زیادہ خونخوار بن جاتے ہیں۔"

فرمس نے کہا۔ "مجھے تمہاری خانہ جنگیوں کا حال معلوم ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تم ہماری طرح بے بس اور مجبور نہیں ہو۔ تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ جب چاہو اپنی تلواریں نیام میں کر لو اور جب چاہو ایک دوسرے کو گلے لگا لو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرح تمہارے وطن کو بیرونی اژدہے اپنی قوت آزمائی کا اکھاڑا نہیں بناتے اور تمہیں یہ خطرہ نہیں کہ وہ تم کو پیس کر رکھ دیں گے۔"

"نہیں"، عاصم نے جواب دیا۔ "ہم آپ سے زیادہ بے بس اور مجبور ہیں۔ ایک عرب اپنی نیام سے تلوار نکال سکتا ہے لیکن اُسے دوبارہ نیام میں کرنا اُس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ جس زمین پر ہمارا خون گرتا ہے وہ ہمیشہ پیاسی رہتی ہے اور اس کی پیاس بجھانے کے لئے مزید خون گرانا ہماری زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کا انتقام لے سکیں اور ہماری آئندہ نسلوں کی خواہش یہ ہو گی کہ وہ ہمارے قاتلوں سے بدلہ لے سکیں۔ اگر رُوم اور ایران کے سپاہی اپنے شہنشاہوں کی فتوحات کے لئے جنگ کرتے ہیں تو ہم اپنے اپنے قبیلے کی طاقت کا لوہا منوانے کے لئے ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔"

فرمس نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ملک کی اس صورت حال سے خوش نہیں ہو۔ اگر عرب کے ہر قبیلے میں تم جیسے چند نوجوان پیدا ہو جائیں تو وہاں ایک خوش گوار انقلاب آ سکتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔"میں صرف اپنے گھر سے کوسوں دور بیٹھ کر ایسی باتیں کر سکتا ہوں، ممکن ہے کہ میرے دل و دماغ پر یہاں کی آب و ہوا کا اثر ہو لیکن عرب کی ہوا میں سانس لینے کے بعد اپنے قبیلے کی عزت کے لئے لڑنا یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کا انتقام لینا میرے لئے زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن جائے گا۔ اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کی روحوں کی بیلیں مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا۔"لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آسکتا کہ تم جیسا رحم دل آدمی جس نے ایک بے بس مصری کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی محض انتقام کے لئے قتل و غارت پر آمادہ ہو جائے گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں بلا وجہ اتنی دو تلواریں خریدنے نہیں آیا تھا۔"

فرمس کی بیوی نے جواب تک خاموشی سے اُن کی گفتگو سُن رہی تھی۔ اپنے شوہر سے کہا۔"آپ ان سے بحث کیوں کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے دشمن کے ہاتھوں نقصان اُٹھایا ہو۔ اور انہیں لڑائی کے سوا تلافی کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ انہوں نے ہم پر احسان کیا ہے اور آپ کو اس وقت صرف یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم ان کے احسان کا کیا صلہ دے سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔"مجھے آپ کی نیک دعاؤں کے سوا کسی صلے کی ضرورت نہیں۔"

فرمس نے کہا۔"اگر ہم آپ کو سونے یا چاندی کے چند سکے پیش کریں تو یہ ہمارے جذبۂ تشکر کی توہین ہوگی۔ لیکن آپ کو تلواروں کی ضرورت ہے اور میری بیوی آپ کے لئے سرائے میں ٹھہرنے والے مسافروں سے دو تلواریں خرید چکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کا یہ تحفہ خوشی کے ساتھ قبول فرمائیں گے۔"

فرمس کی بیوی نے کہا۔"انطونیہ نے آپ کے نوکر کو شامی رئیس اور اُس کے غلام کی تلواریں چھینتے دیکھا تھا اور یہ اُس وقت سے آپ کو دو مزید تلواریں پیش کرنے پر مُصر تھی۔"

عاصم نے کہا۔"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ان دنوں واقعی ہمیں تلواروں سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، انطونیہ برابر کے کمرے سے دو تلواریں لے آئی اور عاصم کو پیش کرتے ہوئے بولی۔"ایک بہادر شخص کے لئے تلوار سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میرا بھائی آج زندہ ہوتا تو میں ایک تلوار اُس کی کمر سے باندھتی اور اس سے کہتی کہ اس شریف آدمی نے ہماری عزت بچائی ہے، اس لئے آج سے اس کے

دوست ہمارے دوست اور اس کے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔ تم اگر میرے بھائی ہو تو احسانمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ جاؤ۔"

انطونیہ پہلی بار اُس سے ہمکلام ہوئی تھی۔ عاصم کچھ دیر ایک طرح کی مرعوبیت کے احساس سے خاموش رہا۔ بالآخر اُس نے تلواریں اپنے پاس رکھ لیں اور کہا۔"اگر آپ کا بھائی زندہ ہوتا تو میں اُس سے کہتا کہ مجھ سے زیادہ تمہاری بہن اور تمہارے والدین کو تمہاری ضرورت ہے۔ اور جو شخص اپنے باپ اور بھائیوں کے خون کا بدلہ نہیں لے سکا اُسے ایک اجنبی کو اپنے مصائب میں حصہ دار بنانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

فرمس نے کہا۔"پچھلے ہفتے مکہ کے جو تاجر یہاں ٹھہرے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں ایک نبی نیکی، رواداری اور عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ لوگ اُس کی تعلیم کا مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم انہیں اس بات کا اعتراف ضرور تھا کہ مکہ کا نبی عرب کے شریف ترین خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور جو چند لوگ اُس کی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں وہ اہلِ مکہ کے ہاتھوں بدترین اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے عقیدے پر قائم ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے اُس کی زندگی کیسی تھی اور وہ یہ کہتے تھے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ اپنی راستبازی، حق گوئی اور دیانتداری کے لئے مشہور تھا اور جن لوگوں کو اُس سے سابقہ پڑا تھا وہ اُس کے صادق اور امین ہونے کی گواہی دیتے تھے ——"

عاصم نے کہا۔"میں نے مکہ کے نبی کے متعلق یہ سنا ہے کہ وہ ہماری قبائلی اور خاندانی عصبیتوں کا مخالف ہے اور ہمارے تمام خداؤں کو جھٹلا کر صرف ایک خدا کی تعلیم دیتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک جادوگر ہے لیکن اگر وہ واقعی نبی ہے تو بھی اہلِ عرب کوئی ایسا دین قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے جو مساوات کی تعلیم دیتا ہو اور اعلیٰ اور ادنیٰ انسانوں کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہو۔ میں نے سنا ہے کہ مکہ کی گلیوں میں اِس نبی کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اُس کے اپنے قبیلے کے لوگ جن کی عصبیت اُس کے لئے سہارا بن سکتی تھی اُس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں۔ اگر چند مفلس اور نادار لوگوں یا دو چار اچھی حیثیت کے آدمیوں پر اُس کا جادو چل گیا ہے تو یہ کوئی کامیابی نہیں۔ میں نے کبھی اس نبی کے متعلق سنجیدگی سے نہیں سوچا اور آپ کو بھی سنی سنائی باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے، عرب کی پیاسی ریت تو بڑے بڑے دریاؤں کو جذب کر لیتی ہے، پھر وہاں ایک ایسا نبی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جس کی تعلیم

کا نقطۂ آغاز ہی اُن عصبیتوں کے خلاف ایک اعلانِ جنگ ہے جو ہمارے لئے اپنے بے شمار خداؤں سے بھی زیادہ مقدس ہیں ــــــ"

فرمس نے کہا "اس دنیا پر آج جو تاریکیاں مسلط ہیں۔ وہ اِس سے پہلے کبھی نہ تھیں۔ انسانی ضمیر کسی نجات دہندہ کو پکار رہا ہے۔ خدا اپنے بندوں کو ہمیشہ کے لئے اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ جس کی آمد کے متعلق ہمارے بزرگانِ دین بار ہا بشارت دے چکے ہیں، ضرور آئے گا۔ وہ دعائیں جو آج سسکتے ہوئے بے بس انسانوں کے دِل سے نکل رہی ہیں، یقیناً مستجاب ہوں گی۔ وہ ضرور آئے گا اور زمین و آسمان کے مالک کی ساری رحمتیں اُس کے ہم رکاب ہونگی۔ اُس کے جمال سے مایوس نگاہوں میں امیدوں کے چراغ روشن ہوں گے اور اُس کے جلال سے قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز اُٹھیں گے۔ ناداروں اور مظلوموں کو اُس کی حمیت میں پناہ ملے گی۔ مجروح اور ستم رسیدہ انسانوں کے سر پہ اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوگا۔ لیکن کاش ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ وہ کب اور کس جگہ مبعوث ہوگا۔"

فرمس کی گفتگو کے دوران میں عاصم کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی نگاہیں انسانی ادراک کی سرحدوں سے آگے کسی خلا کی وسعتوں میں پرواز کر رہی ہیں۔ اُس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھا "آپ قیصر اور کسریٰ دونوں کے مخالف ہیں ــــــ؟"

فرمس مُسکرایا "یہ باتیں ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی" اور عاصم کو یہ مسکراہٹ اُس آدمی کی مسکراہٹ سے یکسر مختلف نظر آئی جسے وہ صرف ایک سرائے کے مالک کی حیثیت سے جانتا تھا۔

علی الصباح جب عاصم اپنے نیک دِل میزبان سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا، فرمس نے کہا "میں آپ سے دو باتیں کہنا چاہتا ہوں، ایک یہ کہ اگر آپ کبھی دوبارہ یہاں آئیں تو میرے گھر کا دروازہ آپ کے لئے کھُلا ہوگا۔ دوسری یہ کہ اگر آپ گرے ہوئے دشمن کی شاہ رگ پر تلوار رکھنے کے بعد اپنا ہاتھ روک لیں تو آپ کو زیادہ تسکین محسوس ہوگی۔"

عاصم نے جواب دیا "مجھے ایک دوست کے گھر کا راستہ ہمیشہ یاد رہے گا، لیکن کسی دشمن کی شاہ رگ پر تلوار رکھنے کے بعد اپنا ہاتھ روک لینا ایک عرب کے بس کی بات نہیں۔"

فرمس نے کہا "لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم گرے ہوئے دشمن پر وار نہیں کر سکو گے۔"

عاصم نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ فرمس کی طرف دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سرائے سے نکلنے کے

بعد اُس کو گزشتہ چند پہر کے واقعات ایک خواب محسوس ہوتے تھے۔ کبھی کبھی انطونیہ کا خیال آتا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی لیکن جب وہ اُس کے خدوخال کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کے ذہن میں فرمس کی بیٹی کا ایک مبہم سا تصور صرف چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی دلکشی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

باب (۲)

وقت کی آندھیاں شاہراہِ حیات پر ماضی کے نشان مٹا رہی تھیں۔ اور حال کے ظلمتکدے میں بھٹکنے والوں کی نگاہوں سے وہ ستارے اوجھل ہو رہے تھے جو رات کے مسافروں کو سحر کی آمد کا پیغام دیتے ہیں۔ انسانیت کا پیرہن خون اور آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

بحیرۂ رُوم کے مشرقی علاقے، جو کبھی مصر کے فراعنہ اور کبھی بابل کے حکمرانوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کیا کرتے تھے، اب کوئی ایک ہزار سال سے ایران اور اُس کے مغربی حریفوں کے درمیان قوت آزمائی کا اکھاڑا بنے ہوئے تھے۔

ولادتِ مسیحؑ سے ساڑھے پانچ سو سال قبل ایران پر سائرس کا تسلّط مشرق کی تاریخ کے ایک نئے دور کی تمہید تھا۔ اس چرواہے حکمران نے بابل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور پھر بلخ سے لے کر آبنائے باسفورس اور بحیرۂ خزر سے لے کر صحرائے سینا تک اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ربع صدی کے اندر اندر ایرانی سلطنت کی حدود پنجاب سے لے کر یونان تک پھیل چکی تھیں اور مصر کی حیثیت اِس عظیم سلطنت کے ایک صوبے سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد قریباً دو سو سال تک مشرق و مغرب میں سائرس کے جانشینوں کا کوئی مدِمقابل نہ تھا۔ پھر اچانک یونان نے انگڑائی لی، مقدونیہ سے ایک نوجوان نمودار ہوا اور ایشیا میں ایران کا پرچم سرنگوں کرتا ہوا پنجاب تک پہنچ گیا۔ مصر، بابل اور نینوا کے تاجداروں نے ماضی کی گزرگاہوں پر جو نشان چھوڑے تھے وہ سکندرِ اعظم کے پاؤں تلے دب چکے تھے۔ پھر جب سکندرِ اعظم کی عظیم سلطنت کا انحطاط شروع ہوا تو یورپ سے ایک نیا اژدہا نمودار ہوا اور اِس کی پھنکار

سن کر زمانے کی نگاہیں روم کو تکنے لگیں۔ رومی افواج ایک طرف مشرق کے پامال راستوں پر دوڑ رہی تھیں اور دوسری طرف یورپ کے اُن ممالک کو مسخر کر رہی تھیں جو ابھی تک مہذب دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ۶۴ء قبل مسیحؑ میں رومیوں نے شام میں سکندرِ اعظم کے جانشینوں کو آخری شکست دی اور یورپ اور ایشیا کی عظیم ترین طاقت بن گئے۔ لیکن محکوم اقوام کے لئے ماضی کے ان گنت انقلابات کی طرح اِس نئے انقلاب کا مفہوم بھی آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہ تھا ——— ملوکیت کی قبا اب بھی انسانیت کے خون سے داغدار تھی۔

مذہبِ عیسوی مجبور اور بے بس انسانوں کے لئے ایک نئی زندگی کا پیغام لے کر آیا۔ لیکن یہ آواز اُن حکمرانوں کے لئے اجنبی تھی جو اپنے بے گناہ قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال کر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ قریباً تین صدی یہ دین رومی شہنشاہوں کے مزاج پر اثر انداز نہ ہو سکا اور اِس عرصہ میں کمزور اور بے بس عیسائی رومیوں کے ہاتھوں بدترین اذیتیں برداشت کرتے رہے۔

چوتھی صدی عیسوی کے ربع اوّل میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اس کے بعد روم کی بجائے قدیم بازنطین کے کھنڈروں پر اپنے نئے دارالحکومت قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی ——— اپنے جغرافیائی محلِ وقوع اپنے فوجی اور اقتصادی وسائل کے لحاظ سے قسطنطنیہ کو نہ صرف روم بلکہ مشرق و مغرب کے تمام اُن شہروں پر فوقیت حاصل تھی جن کے کھنڈروں میں عظیم ترین سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستانیں دفن تھیں۔

۳۹۵ء تک رومی سلطنت کی یہ حالت تھی کہ کبھی قسطنطین کے جانشین اسے متحد کر لیتے اور کبھی یہ رومی اور بازنطینی شہنشاہوں میں تقسیم ہو جاتی۔ بالآخر شہنشاہ تھیوڈوسیس کی موت کے بعد یہ سلطنت مستقلاً دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے بعد قسطنطنیہ میں رومیوں کی مشرقی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور روم میں اُن کی سطوت کے محل بتدریج مسمار ہوتے چلے گئے، بالآخر پانچویں صدی کے نصف آخر میں وسطی یورپ کے وحشی قبائل کا ایک طوفان روم پر چھا گیا اور رومی سلطنت کے مستقبل کی تمام امیدیں قسطنطنیہ کے حکمرانوں کے مستقبل سے وابستہ ہو کر رہ گئیں ———

ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں رومیوں کا نیا دارالسلطنت دنیا کا ایک عظیم ترین شہر اور ایک انتہائی ناقابلِ تسخیر قلعہ بن چکا تھا اور قسطنطین کے جانشینوں کو مشرق کی طرف پیش قدمی کے لئے وہ راستے کھلے دکھائی دیتے تھے، جنھیں کسی زمانے میں سکندر اعظم نے ہموار کیا تھا لیکن زمانے نے ایک نئی کروٹ لی اور صدیوں کے بعد ایران کے آتشکدوں میں دبی ہوئی آگ اچانک بھڑک اٹھی۔ وہ پرچم جو یونانیوں کے ہاتھوں پرسی پولس، سوس اور اسٹخر میں سرنگوں ہوئے تھے، اب دجلہ کے کنارے مدائن کی دیواروں پر نصب کئے جا رہے تھے۔ ایران میں ساسانی خاندان کا عروج تاریخ کے ایک نئے دور کی تمہید تھا۔ قسطنطنیہ کے حکمران پہلی بار ایشیا میں کسی کو اپنا مدِمقابل دیکھ رہے تھے۔

ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر مشرق اور مغرب کے دو مہیب اژدہے تھے۔ اور ۵۲۷ء میں مشرقِ وسطیٰ کی زمین ان اژدھوں کی زور آزمائی کا اکھاڑا بن چکی تھی ——— یہ دو ننگی تلواریں تھیں جو آپس میں ٹکرانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتی تھیں۔ مشرق کی طرف ایران کے سوا اہلِ روم کا کوئی مدِمقابل تھا، نہ مغرب کی طرف روم کے سوا ایرانیوں کا کوئی حریف۔

مجوسی حکمران جب اپنے آتش کدوں سے باہر جھانکتے تو مغرب کی سمت اُن کی نگاہیں فرزندانِ تثلیث کے گرجوں پر مرکوز ہو کر رہ جاتیں اور قسطنطنیہ کے تاجدار جب اپنی مشرقی سرحدوں سے آگے دیکھتے تو مدائن اُن کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا۔ شام، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے باشندے بے بس تماشائیوں کی حیثیت سے آگ اور خون کے اُن طوفانوں کی ہولناکیاں دیکھ رہے تھے جو کبھی مدائن اور کبھی قسطنطنیہ سے اُٹھتے تھے۔ یہ چکی کے دو پاٹ تھے اور اُن کے درمیان پسنے والے انسان صرف اُن ادوار میں اطمینان کا کوئی سانس لے سکتے تھے جب کسی کسریٰ یا قیصر کو اندرونی خطرات اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔

ایسے ممالک میں جہاں ریاست کا ہر قانون، اور اخلاق کا ہر ضابطہ عوام کی بجائے اُن کے حکمرانوں کے تحفظ کے لئے وضع کیا جاتا تھا، تختِ و تاج کے حصول کے لئے سازشیں کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ روم اور ایران میں کئی سرپھرے اقتدار کی اُن مسندوں پر قبضہ کرنے کو تیار رہتے تھے جن پر بیٹھ کر ایک انسان دوسرے انسانوں کے حصے

کی تمام راحتیں چھین سکتا تھا۔ شکست اور ناکامی کی صورت میں تخت و تاج کے لئے جان کی بازی لگانے والوں کے سر قلم کر دیئے جاتے اور رعایا کو اس بات پر جشن منانے کا حکم دیا جاتا کہ دیوتاؤں کے دیوتا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ نے ایک حقیر دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے ہیں۔ امراء ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے آقا کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے اور مذہبی پیشوا اُس کے لئے دعائیں مانگتے۔ لیکن اگر کوئی قسمت آزما اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتا تو یہی اُمراء اُسے اپنی اطاعت اور یہی مذہبی پیشوا اُسے اپنی بہترین دعاؤں کا مستحق سمجھتے۔

سلطنت کے اندر ان انقلابات کے اثرات زیادہ تر اُن امراء اور مذہبی پیشواؤں یا کاہنوں تک محدود رہتے تھے، جنھیں ملک کا قانون، بادشاہ کے بعد رعایا کی ہڈیاں چبانے کی اجازت دیتا تھا۔ اور سلطنت کے باہر انقلابات کے اثرات اُن ہمسایہ ممالک کے باشندوں پر ظاہر ہوتے تھے جن کے خون اور آنسوؤں سے کسی نئے قیصر یا نئے کسریٰ کی فتوحات کی داستانیں لکھی جاتی تھیں۔

مذہب نیکی اور بدی کی کسوٹی یا تہذیب و اخلاق کے ارتقا کے لئے ایک زینے کا کام دینے کی بجائے اُس عمارت کے لئے ایک ستون کا کام دے رہا تھا جس کی بنیاد ظلم و استبداد پر رکھی گئی تھی۔ یہ وہ پل تھا جس کے ذریعے کاہن یا پیشوا عوام کی صفوں سے نکل کر مراعات یافتہ لوگوں کی صف میں جا کر کھڑے ہوتے تھے۔

ایران کے مذہب میں انسانی اخوت اور مساوات کا کوئی تصور نہ تھا۔ زردشت نے اگر نیکی اور بدی کے متعلق کوئی اچھے تصور بھی پیش کئے تھے تو وہ صدیوں کے گرد و غبار میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ اب ایران کے مجوسیوں کا اوّلین مقصد اس معاشرے کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنا تھا جو ابنائے آدم کو ادنیٰ اور اعلیٰ، با اختیار اور بے اختیار طبقوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ایران میں چند خاندان ایسے تھے، جن کے لئے سلطنت کے تمام بڑے عہدے وقف تھے اور انہی خاندانوں کے گٹھ جوڑ کے نتائج کسی اندرونی انقلاب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے۔ جس طرح ہندوستان کے ہندو سماج میں کسی اچھوت کے لئے برہمنوں یا کھشتریوں کے دائرے میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، اسی طرح ایران میں کسی کے لئے عوام کی صف سے نکل کر خواص کے زمرے میں داخل ہو جانا بعید از قیاس تھا۔ ایران کے شہنشاہوں کو اپنی رعایا کے جان و مال پر کلی اختیارات حاصل تھے۔ اقتدار کے دوسرے زینے پر باجگزار ریاستوں کے سربراہ اور شاہی خاندان کے وہ شہزادے براجمان تھے، جن میں سے بعض کو مفتوحہ

علاقوں کی نیم خود مختار سرداری اور بعض کو اعلیٰ سول اور فوجی عہدے مل جاتے تھے۔ اس کے بعد اُن چند خاندانوں کی باری آتی تھی، جن کی وسیع جاگیریں پورے مُلک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان خاندانوں کے سربراہ اپنے لیے جو لگان وصول کرتے تھے اس کے عوض بادشاہ کو بوقت ضرورت سپاہی مہیا کرتے تھے۔ اقتدار کے نچلے زینے پر وہ چھوٹے زمیندار یا دیہات کے سرکردہ لوگ تھے، جو سرکاری واجبات کی وصولی کیلئے کاشتکار عوام اور حکومت کے کارندوں کے درمیان ایک کڑی کا کام دیتے تھے اور یہ کاشتکار عوام وہ تھے، جن کی حیثیت غلاموں کے برابر تھی، جس زمیندار کی زمین میں ہل چلاتے تھے، اس کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور ان کے آقا اپنی جائیداد کے ساتھ انہیں بھی فروخت کر سکتے تھے۔ یہ وہ بھیڑیں تھیں، جن کا گوشت، اون اور ہڈیاں سب دوسروں کے لئے تھیں۔

مزدکیت اِس نظام کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اِس کا مقصد نجی املاک کو ختم کر کے ملک کی دولت میں پوری آبادی کو یکساں حصہ دار بنانا تھا۔ اِس تحریک کے بانی کی انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ اُس نے زمین اور زر کی طرح عورت کو بھی افراد کی بجائے قوم کی ملکیت بنا دیا تھا۔ زندگی کی تمام راحتوں سے محروم اور غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے والے عوام کا اِس تحریک سے متاثر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ ایرانی امراء نے انہیں صرف زر اور زمین سے ہی محروم نہیں رکھا تھا بلکہ عورتوں سے بھی اپنے حرم بھر لئے تھے۔ قباد نے جو اِس زمانے میں ایران کا حکمران تھا، اندرونی اور بیرونی خطرات کے پیشِ نظر عوام کے تعاون کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اِس تحریک کی سرپرستی کی۔ لیکن جب اِس نئے دین کے حامی امراء کی دولت لوٹنے، اُن کے گھر جلانے اور اُن کی بہو بیٹیوں کو زبردستی چھیننے لگے تو قباد کو اُن کی سرپرستی سے دست کش ہونا پڑا۔ اب ملک کی افواج امراء اور مجوسی پیشواؤں کے اشاروں پر اِس تحریک کے حامیوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار رہی تھیں۔ چند سال کے اندر اندر ایران کے طول و عرض میں مزدکیت کی تحریک مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اور مجوسی مذہب پھر ایک بار پہلا مقام حاصل کر چکا تھا۔

روم کے سیاسی حالات ایران سے ـــــ زیادہ مختلف نہ تھے۔ عیسائی مذہب کی تعلیم اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک ایسی ملوکیت کا مزاج بدلنے سے قاصر تھی۔ جس نے قدیم یونان کے صنم خانوں میں آنکھ کھولی تھی۔

شام اور فلسطین میں عیسائیت کا فروغ ایک فطری بات تھی۔ یہ وہ سرزمین تھی جس کے باشندے گزشتہ صدیوں میں مشرق و مغرب کے افق سے اٹھنے والے ان گنت طوفانوں کی ہولناکیاں دیکھ چکے تھے۔ اور یہاں عیسائیت کی تعلیم میں اُن زیر دستوں کی روح کے لئے تسکین کا سامان موجود تھا، جن کے ہاتھوں میں بالادستوں کا وار روکنے کی سکت نہ تھی۔ لیکن رومی حکمرانوں کو اپنے محکوموں کی روحوں پر بھی کسی اور کی حکومت پسند نہ تھی۔ چنانچہ قریباً تین صدی تک عیسائیت کے آغوش میں پناہ لینے والے کمزور اور بے بس انسانوں کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک ہوتا رہا، پھر جب شام اور فلسطین کے عوام کی طرح مشرقی یورپ کے عوام میں بھی یہ دین مقبول ہونے لگا تو حکومت نے بھی اس کے لئے اپنی آغوش کشادہ کر دی۔ قیصر نے اپنا ظاہری لبادہ تبدیل کر لیا لیکن ملوکیت کی جبلت نہ بدل سکی۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں کے سر پر پہلے اپالو کے مندر کے کاہن تاج رکھتے تھے اور اب یہ خدمت کلیساؤں کے اکابر اپنے ذمے لے چکے تھے۔ پہلے وہ اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت اپنے دیوتاؤں سے مدد مانگتے تھے اور اب اُن پر تلوار اُٹھانے سے پہلے صلیب کو بوسہ دے لیا کرتے تھے۔ تلوار وہی تھی صرف نیام تبدیل کر دی گئی تھی۔

عوام میں عیسائیت کی مقبولیت کی وجہ یہ تھی کہ یہ مذہب ظلم و تشدد کے خلاف محبت، رحم اور انکساری کی تعلیم دیتا تھا۔ لیکن اس تعلیم کا عملی نتیجہ رہبانیت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابتدا میں بعض لوگ معاشرے کی اصلاح سے مایوس ہو کر تارک الدنیا ہو گئے اور شہروں اور بستیوں سے نکل کر ویرانوں کو جا بسایا۔ یہ راہب چلے کاٹتے، زمین پر سوتے بھوکے رہتے اور اپنی روح کی تسکین کے لئے ان گنت جسمانی اذیتیں برداشت کرتے تھے، دنیا کے تمام مسائل انہوں نے حکمرانوں کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اہلِ دنیا انہیں خدا رسیدہ سمجھ کر اُن کا پیچھا کرتے۔ کوئی اپنی بیماری سے نجات حاصل کرنے اور کوئی اپنے کاروبار میں برکت کے لئے اُن کی دعاؤں کا طلبگار ہوتا۔ وہ سردی میں ٹھٹھرنے اور دھوپ میں جلنا پسند کرتے لیکن اُن پر سائبان تان دیئے جاتے۔ وہ زندہ رہنے کے لئے سوکھے ٹکڑے کا ایک نوالہ کافی سمجھتے لیکن اُن کے سامنے دنیا کی نعمتوں کے ڈھیر لگا دیئے جاتے۔ وہ نفس کشی اور ریاضت کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے لیکن اہلِ دُنیا اُن کی کرامات کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ غرض جس قدر وہ دنیا سے بھاگتے تھے، اُسی قدر دنیا اُن کا پیچھا کرتی تھی۔ پھر جب اُن میں سے کوئی مر جاتا تو اہلِ دنیا اُس کی قبر پر عظیم الشان خانقاہیں تعمیر کر ڈالتے۔
آہستہ آہستہ یہ رہبانیت عیسائی مذہب کا ایک اہم ترین جزو بن گئی۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں انسان دولت اور اقتدار کے پیمانوں سے ناپا جاتا تھا کسی تہی دست اور نادار آدمی کا مرجع خلائق بن جانا ایک معمولی بات نہ تھی۔ آہستہ آہستہ خانقاہیں راہبوں سے بھر گئیں اور ریاضت اور نفس کشی کے نئے نئے طریقے رائج ہونے لگے۔ بعض راہب سمندر کے کسی ٹاپو کی سنگلاخ چٹان پر ڈیرے ڈال لیتے اور ساری زندگی وہیں گزار دیتے۔ بعض اپنے لئے کسی جنگل یا صحرا میں مینار تعمیر کرتے اور اُس کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنا وقت گزار دیتے۔ بعض لباس سے بے نیاز، سردی یا گرمی برداشت کرنے کی قوت کا مظاہرہ کر کے عوام سے داد و تحسین حاصل کرتے اور بعض لوہے کی اس قدر بھاری زنجیریں اور طوق پہن لیتے کہ اُن کی کمر بوجھ سے دُہری ہو جاتی۔ ابتدا میں ریاضت اور نفس کشی کے یہ ہولناک طریقے اُن لوگوں نے رائج کئے تھے، جن کے نزدیک دُنیا کی ہر خواہش کو مٹانا یا جسمانی اذیتیں برداشت کرنا روحانی نجات کا واحد ذریعہ تھا۔ لیکن بعد میں انفرادی جنون کے یہ مظاہرے مذہب کے اجتماعی فرائض میں داخل ہو گئے۔ یہ خانقاہیں جہاں اب لاکھوں مرد اور عورتیں پناہ لے چکی تھیں، کلیسا کے حصار بن گئیں اور ان کی نگرانی مذہب کے اُن اکابر کے سپرد تھی، جن کی اکثریت ملوکیت کے دوش بدوش کلیسا کے پرچم نصب کرنے کے لئے کوشاں تھی۔ خانقاہوں کے نظم اور راہبوں کی تربیت کے لئے جو اصول و ضوابط وضع کئے گئے تھے، وہ سلطنت کے قوانین سے زیادہ سخت تھے۔

رُومی شہنشاہوں نے اپنے بدترین ادوار میں بھی فرزندانِ تثلیث پر وہ مظالم نہیں کئے تھے جو ان خانقاہوں کے مکین اپنی خوشی سے برداشت کر رہے تھے۔ اب مذہب کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہے۔ اُس کا جسم اُس کی روح کا سب سے بڑا دشمن ہے اور رُوح کی نجات کے لئے جسم کی تذلیل کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ——

غرض خانقاہیں وہ بھٹیاں تھیں جن کی آنچ میں روح کو جسم کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا تھا۔

عام طور پر توہم پرست یا دنیا کے آلام و مصائب کے ستائے ہوئے پریشان حال لوگ ایک بہتر زندگی کی اُمید پر اور اپنے گناہوں پر پشیمان لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کے لئے ان خانقاہوں میں داخل ہوتے تھے لیکن یہاں انہیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا جنھوں نے اُن کی ہڈیوں پر کلیسا کے اقتدار کے محل کھڑے کرنے کا راز معلوم کر لیا تھا۔

خانقاہ میں داخل ہونے کے بعد دنیا کے ساتھ اُن کے ماضی کے تمام رشتے ٹوٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ

ماضی کے متعلق سوچنا بھی ایک گناہ تھا۔ ہر نئے راہب کی نگرانی دو تربیت یافتہ راہبوں کو سونپ دی جاتی تھی۔ یہ دن رات اُس پر پہرا دیتے تھے، کوئی راہب اپنے محافظوں یا پہریداروں کی موجودگی کے بغیر اپنے عزیزوں یا رشتہ داروں سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ ملاقات سے انکار کر دیتا تو اس کا یہ فعل قابل قدر سمجھا جاتا تھا —— ایک طویل عرصہ تک بھوکا پیاسا رہنا یا جاگنا ایک راہب کی تربیت کا ضروری حصّہ سمجھا جاتا تھا —— ہاتھ پاؤں دھونا یا نہانا جسمانی خواہشوں میں شامل تھے، اِس لئے جسم کو انتہائی غلیظ و متعفن رکھنا اور میلے کچیلے، بدبودار چیتھڑوں میں ملبوس یا ننگا رہنا کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا —— خوبصورت چہروں اور جسموں کو مسخ کر دینا بھی ایک نیکی تھی —— چنانچہ کسی خوبصورت راہبہ کی ایک آنکھ نکال دینا یا کسی تندرست و توانا راہب کی ایک ٹانگ یا بازو توڑ دینا بھی ایک معمولی بات تھی۔ خانقاہ کے قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کے جرم کی سزا سو درّے تھی۔ دینا کی کسی شے پر اپنا دعویٰ جتانا ایک جرم تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی راہب بے خیالی میں بھی یہ کہہ دیتا کہ یہ میرا جوتا یا میری قمیص ہے تو اسے اِس جرم کی پاداش میں چھ کوڑے رسید کئے جاتے تھے۔ خانقاہوں کے مکینوں کو ریاست کے قیدیوں سے زیادہ مشقت کرنا پڑتی تھی۔ ان گنت جسمانی اور ذہنی اذیتوں کے بعد نیند اُن کے لئے کسی راحت کا باعث ہو سکتی تھی لیکن اُن کی روحوں کے محافظ جہاں انہیں فاقہ کشی میں مبتلا رکھنا ضروری سمجھتے تھے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ آرام کی نیند سے اُن کی رُوح پر جسم کی آلائشیں غالب نہ آجائیں۔

ان بدنصیب لوگوں کو ہر سزا کے بعد یہ یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ سب اُن کی بہتری کے لئے ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہوش و حواس اور عقل و شعور کھو بیٹھتے تھے اور ان ناقابل برداشت اذیتوں میں بھی ایک تسکین محسوس کرتے تھے۔ رات کی تاریکی اور بسا اوقات دن کی روشنی میں بھی انہیں چاروں طرف ابلیس کی ان گنت صورتیں دکھائی دیتیں۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا کہ وہ گناہوں کے سمندر میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ خیالی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے وہ اپنی ارواح کے محافظوں سے مزید سزاؤں کے طلبگار ہوتے، بعض اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر ڈالتے بعض گناہوں کے مستقل خوف سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے۔[1]

---

[1] چھٹی صدی عیسوی میں اس قسم کے پاگلوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی۔ کہ یروشلم میں دماغی امراض کا ہسپتال تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

راہب یا راہبہ بن جانے کے بعد کسی کے لئے جیتے جی اپنی خانقاہ سے بھاگ نکلنا ممکن نہ تھا، جو راہب اپنی خوشی سے ذہنی اور جسمانی اذیتیں برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے، انہیں مجبوراً نفس کشی کے تمام مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔

ابتدائی ادوار میں یہ خانقاہیں عام طور پر صرف اُن مفلوک الحال لوگوں سے آباد ہوتی تھیں جن کے لئے دنیاوی زندگی میں کوئی کشش نہ تھی لیکن جب رہبانیت نے مسیحی معاشرے میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا تو خوشحال لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ طبقہ اعلیٰ کے وہ نوجوان جن کے لئے رومی فوج میں بھرتی ہونا ضروری تھا، اپنی جان بچانے کے لئے خانقاہوں میں پناہ لیتے تھے۔

با اثر لوگوں کی شمولیت نے رہبانیت کی توقیر میں اور اضافہ کردیا ——— اور خانقاہوں کے بشپ عوام کی بجائے خواص کو ترجیح دینے لگے۔ یہ لوگ خوشحال تاجروں یا حکومت کے عہدہ داروں کے پاس جاکر اُن سے اپیلیں کرتے کہ تم اپنے فلاں بیٹے یا بیٹی کو دین مسیح کی خدمت کے لئے وقف کردو تو تم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوگے۔ اور اگر تم نے اُسے نجات کے راستے سے روکنے کی کوشش کی تو اُس کے زندگی بھر کے گناہوں کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوگا۔ ان راہبوں کی تقریریں اِس قدر پرجوش اور مؤثر ہوتیں کہ والدین اپنے بچوں کو اُن کے حوالے کردیتے۔ لوگوں کے دلوں پر خانقاہوں کا رعب جمانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بعض راہبوں کی کرامات کے متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور کردی جاتی تھیں۔

ہر خانقاہ ایک چھوٹی سی سلطنت تھی، جہاں اختیارات ادنیٰ اور اعلیٰ عہدہ داروں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ اور جس طرح رعایا سلطنت کا حکم ماننے پر مجبور ہوتی ہے اسی طرح عام راہب بااختیار راہبوں کا حکم مانتے تھے۔ خانقاہ کا حاکم اعلیٰ یا راہب اپنے اختیارات میں صرف اُن آزمودہ کار راہبوں کو شریک کرتا تھا جو نفس کشی اور ریاضت کے اُن گنت مراحل سے سرخرو ہوکر نکلتے تھے۔ ان خانقاہوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دولت کی کمی نہ تھی۔ لوگ یہاں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نذرانے لے کر آتے تھے۔

توہم پرستی اور اذیت پسندی نے ان راہبوں کو انتہائی متعصب اور تنگ نظر بنادیا تھا۔ یہ لوگ اپنی ذات سے متنفر تھے اس لئے دوسروں کے ساتھ محبت یا رواداری سے پیش آنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنے تنگ و

تاریک راستوں کے سوا انہیں کوئی دوسرا راستہ پسند نہ تھا۔ عقائد کے معاملے میں ذرہ بھر لچک اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اُن کی خانقاہوں میں نفس کشی کے جو طریقے رائج تھے اُن پر نکتہ چینی کرنا یا انہیں معقولیت کی کسوٹی پر کسنا ایک ایسا گناہ تھا جس کی کوئی بخشش نہ تھی۔ مختلف فرقوں کے درمیان اعتقادات یا عبادات کے طریقوں کا معمولی سا اختلاف انہیں قتل و غارت پر آمادہ کرسکتا تھا اور وہ اپنے مخالفین پر بھوکے درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ کسی کے قتل کر دینے یا زندہ جلادینے سے انہیں یہ تسکین ملتی کہ انہوں نے مقتول کی روح پر احسان کیا ہے۔ اور کسی کے ہاتھوں قتل ہوتے وقت انہیں یہ اطمینان ہوتا کہ ان کی رُوح کو جسم کی نجاست سے نجات حاصل ہوگئی ہے۔

رومی حکومت اپنے تمام جاہ و جلال کے باوجود کلیسا کے معاملات میں مداخلت سے اجتناب کرتی تھی۔ اگر کسی بات پر دنیاوی اور روحانی حکمرانوں کے درمیان ٹھن جاتی تو رومی سپاہی یہ محسوس کرتے کہ کلیسا کے تقدس کے محافظ اُن سے کہیں زیادہ نڈر اور خونخوار ہیں۔

بادشاہی اور کلیسا کے علاوہ سلطنت کی تیسری قوت سینیٹ تھی جو رومی حکومت کو کسی حد تک جمہوریت کا رنگ عطا کرتی تھی۔ لیکن سلطنت کے معاملات میں سینیٹ کی مداخلت حکمرانوں کے مزاج پر منحصر تھی۔ ایک کمزور حکمران کبھی سینیٹ کے ارکان اور کبھی کلیسا کے اکابر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتا تھا اور ایک طاقتور بادشاہ کے لئے اپنے اختیارات میں معمولی مداخلت بھی ناقابلِ برداشت ہوتی تھی۔

اصنام پرست یونانیوں کی بعض قدیم رسوم روم کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پہنچ چکی تھیں۔ رتھوں کی دوڑ کو ایتھنز اور روم کی طرح یہاں بھی ایک قومی کھیل کا درجہ حاصل تھا۔ اور بازنطینی حکمران ایک مذہبی رسم کی طرح اِس کھیل کی سرپرستی کرتے تھے۔

ابتدائی ادوار میں یہ کھیل ایک تفریحی مشغلہ تھا لیکن آگے چل کر تفریح ایک مستقل فساد کا ذریعہ بن گئی۔ رتھوں کی دوڑ میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کے مختلف گروہ آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ اور بازنطینی معاشرے میں انہیں مذہبی فرقوں کی سی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ کھلاڑیوں کے جس گروہ کو شہنشاہ کی سرپرستی نصیب ہوتی، اُس کے مخالفین پر عرصہ حیات تنگ ہوجاتا تھا۔ یہ لوگ رات کے وقت مسلح ہوکر گھروں سے نکلتے اور شہر کی گلیوں اور بازاروں میں لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کردیتے۔ اُن کے مظالم اپنے مخالفین یا اُن کے حامی عوام تک ہی محدود نہ رہتے تھے

بلکہ یہ درندے اُن بے گناہ لوگوں کے گھروں میں بھی جا گھستے تھے۔ جنھیں اُن کی دوستیوں یا دشمنیوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ دولت مندوں کی دولت چھین لی جاتی، خاوندوں اور بھائیوں کے سامنے اُن کی بیویوں اور بہنوں کی عصمت لُوٹی جاتی، والدین کی گود سے اُن کے خوبصورت بچے چھین لئے جاتے لیکن انہیں احتجاج کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر کوئی ان درندوں کو دیکھ کر اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیتا تو مکان کو آگ لگادی جاتی۔

قسطنطنیہ کو ان ہولناکیوں سے بچانے کے لئے قانون، مذہب اور اخلاق کے تمام ضابطے ناکام ہو چکے تھے۔ عوام کے گھروں کی طرح گرجے اور خانقاہیں بھی وحشت اور بربریت کی اِس آندھی سے محفوظ نہ تھیں۔

حکومت کی فوج اور پولیس یہ المناک مناظر دیکھتی لیکن ملوکیت کا رعب وجلال ادائے فرض کے راستے میں حائل ہو جاتا۔ اگر کوئی فرض شناس حاکم یا دیانت دار جج عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کی جرأت کرتا تو اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ان کھلاڑیوں کے جس فریق کے سرپر شہنشاہ کا ہاتھ ہوتا اُس کے بدترین مظالم کے خلاف ملک کے قانون کی زبان گنگ ہو جاتی۔ پھر جب کوئی نیا حکمران کسی دوسرے فریق کا سرپرست بن جاتا تو ظالم مظلوم ہو جاتے اور مظلوم ظالم۔

رومی حکمرانوں کا یہ سلوک کسی بیرونی دشمن کے ساتھ نہیں، اُس رعایا کے ساتھ تھا جو انہیں اپنا محافظ سمجھتی تھی۔ جس کی مذہبی عبادت گاہوں میں ان کی عزت اور سربلندی کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

یہ وہ دور تھا جب مشرق ومغرب کے چوسٹھ صوبوں، نوسو پینتیس شہروں اور بے شمار بستیوں کے عوام پر قیصر کا حکم چلتا تھا۔ اور اگر ان صوبوں، شہروں اور بستیوں میں سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے والے انسان آباد تھے تو ہمارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ شاہراہ حیات کے ان بھٹکے ہوئے مسافروں کی رات کتنی تاریک، کتنی بھیانک اور کتنی صبرآزما تھی۔ پھر ہمارے لئے یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کہ روم اور ایران کے تصادم کا نیا دور فرزندان آدم کے لئے کس قدر ہولناک تھا۔

یہ اُن شہنشاہوں کا تصادم تھا جنھیں خدا کی زمین پر اپنے سوا کسی اور کا سانس لینا گوارا نہ تھا۔ اور یہ اُن قوموں کا معرکہ تھا جو یکساں بے رحم، توہم پرست اور تنگ نظر تھیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انسانی تاریخ کے اُس دور میں روم اور ایران ہی وہ عظیم سلطنتیں تھیں جن سے مشرق ومغرب کی اقوام تہذیب واخلاق کا درس لے سکتی تھیں۔ یہی وہ گدلے پانی کے چشمے تھے جن کی طرف بے آب وگیاہ صحراؤں میں بھٹکنے والے قافلے رجوع کر سکتے تھے۔

ایشیا اور یورپ کے شمالی اور وسطی ممالک میں جہالت اور پسماندگی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ یہ ممالک اُن خانہ بدوش اور وحشی قبائل کی شکارگاہیں تھیں جو مختلف ادوار میں منگولیا سے نکل کر یورپ اور ایشیا کے میدانوں میں پھیل جایا کرتے تھے۔ زرخیز خطوں پر قبضہ جمانے کے بعد جب یہ خانہ بدوش نسبتاً متمدن زندگی کے عادی ہو جاتے اور کھیتی باڑی کی بدولت وسائل حیات کی فراوانی اُن کی بدویانہ خصوصیات بدل ڈالتی تو وسط ایشیا سے وحشت اور بربریت کے طوفان کی ایک اور لہر اُٹھتی اور ان ترقی یافتہ وحشیوں کو اپنے انتہائی پسماندہ اور خونخوار بھائیوں کے لئے جگہ خالی کرنی پڑتی۔ سیتھین، ہُن اور ونڈال جن کی وحشت اور بربریت کبھی مشرق میں سلطنت ایران اور کبھی مغرب میں سلطنتِ روما کے لئے خطرۂ عظیم بن جاتی تھی۔ انہی قبائل کی شاخیں تھیں جو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے منگولیا کی چراگاہوں کو ناکافی پاکر نئی چراگاہوں کی تلاش میں نکل پڑتے تھے۔

○

عرب، روم اور ایران کی عظیم سلطنتوں کا ایک گمنام اور حقیر ہمسایہ تھا۔ لیکن اس ملک کے باشندے اپنے ہم جوار ممالک کے اچھے یا بُرے اثرات سے محفوظ تھے۔ مشرق یا مغرب سے اگر کوئی طوفان نمودار ہوتا تھا تو اُس کی لہریں اِس صحرا کی ریت میں گم ہو کر رہ جاتی تھیں۔ اہل عرب مدنیت کے شعور کی اُس منزل سے صدیوں پیچھے تھے جہاں افراد یا قبائل کے اتحاد سے قوم یا ملّت معرضِ وجود میں آتی ہے اور زمین کے خطے ایک سلطنت کے اجزا بن جاتے ہیں۔

یہاں بیرونی تہذیبوں کے خفیف سے اثرات صرف اُن بستیوں اور شہروں تک محدود تھے جو یمن اور شام کے درمیان قدیم تجارتی شاہراہ پر آباد تھے۔ سلطنت کا تصور جزیرہ نمائے عرب کے اُن بیرونی اور نسبتاً زرخیز علاقوں تک محدود تھا جہاں مستقل آبادی اپنے وسائل حیات کے تحفظ کے لئے کسی طاقتور خاندان کی سیادت قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ صحرائی آبادی اُن خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی جو اونٹ کے بالوں یا بکریوں کی کھالوں کے خیموں میں رہتے تھے۔ اُن کے نزدیک بھیڑ بکریاں، اونٹ یا گھوڑے پالنا اور شکار کھیلنا ہی مردانہ کام تھے۔ جنوب کے زرخیز علاقے میں سلطنتیں بنی اور ختم ہو گئیں لیکن بے آب وگیاہ وادیوں کے مکین ان انقلابات سے محفوظ رہے۔ پانی کی کمیابی، خوراک کی قلت اور جھلس دینے والی گرمی کے باعث بیرونی حملہ آوروں کے لئے اس خطۂ

زمین میں کوئی کشش نہ تھی لیکن اس کے باوجود یہ صحرا نشین امن وسکون سے ناآشنا تھے۔ وہ بیرونی جارحیت سے تو محفوظ تھے لیکن جہالت کا عفریت جسے وہ اپنی مخصوص تہذیبی اور اخلاقی روایات کا محافظ سمجھتے تھے اُن کے لئے روم وایران کی استبدادی قوتوں سے زیادہ خطرناک بن چکا تھا۔ وہ باہر کی آندھیوں سے محفوظ تھے لیکن اپنے گھر کی آگ سے اُن کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

اُن کے ماضی کی تاریخ خاندانی جھگڑوں یا قبائلی جنگوں تک محدود تھی۔ یہ جنگیں عام طور پر افراد سے شروع ہوتی تھیں جو کبھی کسی پانی کے چشمے، یا چراگاہ پر قبضہ کرنے اور کبھی ایک دوسرے کی مویشی چھیننے کے لئے آپس میں الجھ پڑتے تھے، پھر تمام کے تمام قبیلے میدان میں آجاتے اور برسوں تک لوٹ مار، قتل وغارت اور انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب ایک نسل کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک بہ نکلتا تو نئی نسل میدان میں آجاتی۔ اُن کے خطیب اور شاعر نفرت وانتقام کے جہنم کیلئے تازہ ایندھن مہیا کرتے تھے، اُن کا بیشتر شعروادب اُن قصائد اور ہجویات پر مشتمل تھا جس کی بدولت وہ اپنی پرانی عداوتیں زندہ رکھ سکتے تھے۔

قبائلیت بدوی سوسائٹی کی بنیاد تھی۔ ایک فرد کی زندگی کا اوّلین مقصد اپنے قبیلے کی انا کی تسکین کا سامان مہیا کرنا تھا۔ اپنے قبیلے کے کسی فرد کے قاتل کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ ایسا مجرم فرار ہو کر ہی قبیلے کے انتقام سے بچ سکتا تھا۔ لیکن ہمسایہ قبائل کے خلاف انتہائی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بھی قابل تحسین سمجھا جاتا تھا۔

کمزور قبائل کو اپنی سلامتی کے لئے کسی طاقتور قبیلے کی پناہ لینا پڑتی تھی اور اس کے بدلے وہ خراج ادا کرتے تھے۔ بعض اوقات ایک غیر جانبدار قبیلہ فریقین کے درمیان کود پڑتا تو ایک عارضی مدت کے لئے صلح بھی ہو جاتی تھی لیکن تصفیہ کا اصول یہ تھا کہ جنگ میں جس قبیلے کے کم آدمی مارے جاتے تھے اُسے اپنے حریف کی زائد اموات کا خوں بہا دینا پڑتا تھا۔

قبائل صرف پیدائشی اور نسلی رشتوں ہی سے نہیں بنتے تھے بلکہ ایک اجنبی کسی کے گھر کا کھانا کھانے اور اُس کے خون کی چند بوندیں چکھنے کی رسم ادا کرنے کے بعد اُس کے قبیلے میں داخل ہو سکتا تھا۔ بعض اوقات ایک چھوٹے اور کمزور قبیلے کے تمام افراد اپنی بقا کے لئے کسی بڑے اور طاقتور قبیلے میں جذب ہو جاتے تھے،

اور اس طرح انہیں اپنی قوت میں اضافہ کرنے کے بعد اپنے دشمنوں کے مظالم کا حساب چکانے کا موقع مل جاتا تھا۔

عرب جس قدر جاہل تھے اُسی قدر ضدّی، خونخوار اور مغرور تھے۔ صحرا کی آب وہوا نے انہیں اونٹ کی طرح جفاکش اور کھجور کے درختوں کی طرح سخت جان بنا دیا تھا لیکن یہ جفاکشی کسی صحت مند معاشرے کی بجائے انہیں اپنے ماحول کی تاریکیوں میں ثابت قدم رکھنے کے کام آرہی تھی۔ اپنے اسلاف کی بدترین روایات پر قائم رہنا اُن کے نزدیک بہادری اور اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا اُن کے نزدیک بزدلی اور بے غیرتی کے مترادف تھا۔

مکہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ لیکن شرک کی آندھیاں یہاں توحید کا چراغ بجھا چکی تھیں۔ اور خدا کا یہ گھر ایک بتکدہ بن چکا تھا۔ عرب اب بھی خانہ کعبہ کو اپنا روحانی مرکز سمجھتے تھے لیکن صدیوں کی جہالت کی طغیانیوں میں دینِ ابراہیمؑ کی تعلیم، چند مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔

——— خال خال ایسے لوگ تھے جن کے دلوں کی گہرائیوں میں دین ابراہیمؑ کی لَو جھلملا رہی تھی لیکن ظلمت کے طوفانوں کے آگے چند ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ عرب سے باہر مجروح انسانیت کو اپنے زخموں کا احساس تھا۔ وہاں بھٹکے ہوئے قافلے کسی راہنما کے جویا ہو سکتے تھے۔ بالخصوص شام میں عیسائی اور یہودی مذاہب کے پیشوا جب اپنے گردوپیش سے مایوس ہوتے تھے۔ تو ان کی نگاہیں فلسطین کی وادیوں میں اُس نجات دہندہ کو تلاش کرتی تھیں جس کی آمد کی بشارت اُن کے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی ——— اگر وہ تاریکی میں بھٹک رہے تھے تو انہیں کسی روشنی کا انتظار تھا۔ اگر وہ جبر واستبداد کی چکی میں پس رہے تھے تو انہیں عدل وانصاف اور رحم وکرم کی طلب تھی۔ لیکن عرب کا ضمیر اُس روشنی سے محروم ہو چکا تھا جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتی ہے۔ انہیں اپنے اندوہناک ماضی پر فخر تھا، وہ اپنے حال کی پستیوں پر مغرور تھے۔ اُن کے مقدر کی ظلمتوں کو کسی روشنی کی احتیاج نہ تھی وہ جس ڈگر پر چل رہے تھے اُسی پر چلتے رہنا چاہتے تھے ——— کوئی نیا راستہ جس پر اُن کے اسلاف کے نشان قدم موجود نہ تھے اُن کے لئے قابل قبول نہ تھا ——— کوئی بُرائی جو انہیں ورثے میں ملی تھی قابلِ نفرت نہ تھی۔ اور کوئی نیکی جسے اُن کے آباؤ اجداد ٹھکرا چکے تھے اُن کے نزدیک قابل التفات نہ تھی ——— اُن کا وجود زندگی کی

ہر سعادت کی نفی کرتا تھا ـــــ وہ اپنے ظلمتکدے کو اس صبح کی روشنی سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے جس کے انتظار میں امن و سکون کے جویاؤں کی نگاہیں پتھرا گئی تھیں۔ لیکن یہی وُہ ظلمتکدہ تھا جو روشنی کے جویاؤں کی نگاہوں کا مرکز بننے والا تھا ـــــ یہی وہ بنجر اور سنگلاخ زمین تھی جسے قدرت نے اپنے انعامات کی بارش کے لئے منتخب کیا تھا ـــــ اور یہی وُہ افق تھا جس کی بھیانک تاریکیاں، آفتابِ رسالتؐ کی ضیا پاشیوں کی اوّلین مستحق سمجھی گئی تھیں یہ داستان فرزندانِ آدم کی تاریخ کے اُس دور سے تعلق رکھتی ہے، جب مکّہ میں ایک نئی صبح کی روشنی نے تاریک رات کے مسافروں کو چونکا دیا تھا۔

باب (۳)

ایک دن یثرب کے یہودیوں کا ایک بااثر سردار کعب بن اشرف کھجوروں کے باغ سے گھرے ہوئے اپنے قلعہ نما مکان سے نمودار ہوا، اور شمعون اور اُس کے خاندان کے آٹھ آدمی جو کھجوروں کی چھاؤں تلے، چٹائیوں پر بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

کعب نے شمعون سے پوچھا "بصیرہ ابھی تک نہیں آیا؟"

شمعون نے جواب دیا "جناب میرے غلام نے اُسے آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور اُس نے بہت جلد آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ وُہ ایک بدمزاج آدمی ہے۔ آپ ذرا سختی سے بات کریں۔ ان لوگوں کی یہ جرأت نہیں ہونی چاہیئے کہ ہمارے مقروض ہو کر ہمیں کو آنکھیں دکھائیں۔ پچھلے مہینے میں اُس کے پاس گیا تھا تو وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا تھا۔"

پانچ عرب، باغ سے مکان کی طرف آنے والے راستے پر نمودار ہوئے اور کعب نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھو! وہ آ رہا ہے۔ تمہیں اُس سے بات کرتے ہوئے ذرا تدبر سے کام لینا چاہیے۔ اوس اور خزرج کو ایک طویل جنگ نے تھکا دیا ہے اور اُن کے کئی سرکردہ لوگ درپردہ مصالحت کے لئے کوشاں ہیں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ اگر اُن کی لڑائی ختم ہو گئی تو وہ کسی دن ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے، ہمیں کسی فریق کو بھی اس قدر آزردہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ مایوسی اور بے بسی کی حالت میں اپنے دشمن سے مصالحت کرنے پر آمادہ ہو جائے ـــ"

ہبیرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قریب آتے دیکھ کر یہودی خاموش ہو گئے۔ ہبیرہ کی ڈاڑھی کے نصف بال سفید ہو چکے تھے تاہم اُس کے بھاری جسم اور بارعب چہرے سے تندرستی اور توانائی مترشح تھی۔ اُس کا دایاں بازو کہنی کے اوپر سے کٹا ہوا تھا اور پیشانی اور بائیں گال پر پرانے زخموں کے نشان تھے۔ اُس کے بائیں ہاتھ میں ایک مضبوط لاٹھی تھی۔ باقی چار افراد جن میں سے دو کی عمر پندرہ اور اٹھارہ برس کے درمیان معلوم ہوتی تھی اور دو ہبیرہ کے ہم عمر تھے، تلواروں سے مسلّح تھے۔

یہ لوگ کعب کے اشارے سے یہودیوں کے قریب بیٹھ گئے۔ اور کعب نے اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہبیرہ میں حیران ہوں کہ تم امن کے دنوں میں بھی مسلّح آدمیوں کے پہرے میں گھر سے باہر نکلتے ہو۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ خالی ہاتھوں کے مقابلے میں تلواریں امن کی بہتر ضمانت ہو سکتی ہیں۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "احتیاط بُری چیز نہیں، پوسوں بنو خزرج کے تین آدمی، ہتھیار بند شہر میں پھر رہے تھے۔"

کعب نے کہا۔ "ہبیرہ! شمعون کو شکایت ہے کہ تم نے اُس سے بدعہدی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آپس میں تصفیہ کر لو۔"

ہبیرہ کا چہرہ غصّے سے تمتما اُٹھا، اُس نے قہر آلود نگاہوں سے شمعون کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں نے اِس کے ساتھ کوئی بدعہدی نہیں کی۔"

شمعون نے کہا۔ "جناب اِس نے میرا قرض ادا کرنے کی بجائے، اپنے گھوڑے کہیں باہر بھیج دیئے ہیں۔"

ہبیرہ نے شمعون کے بدلے کعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "جناب میں نے اِس کا قرض ادا کرنے سے انکار نہیں کیا۔ صرف چند ماہ کی مہلت مانگی تھی۔"

شمعون نے کہا۔ "اگر تم اپنے گھوڑے دوسروں کے ہاتھ بیچنا چاہو تو میں تمہیں مہلت کیوں دوں، میں اُس دن کا انتظار کیوں کروں جب تم اپنا باغ، جانور اور گھر کا تمام اثاثہ بیچ کر کہیں بھاگ جاؤ۔"

ہبیرہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا اور کعب نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "شمعون تمہیں ایک معزز آدمی سے اِس طرح بات نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ہبیرہ کو جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا ایک ایک درہم ادا کر دے گا۔"

ہبیرہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "میں نے جو رقم اس سے لی تھی اُس سے تین گنا سود ادا کر چکا تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ اگر میں اسے اپنے آٹھ بہترین گھوڑے دے دوں تو بھی صرف سود کی بقایا رقم ہی پوری ہو سکے گی۔ اور میں یہ چاہتا تھا کہ اِس کا پورا حساب چکا دیا جائے، پچھلے دنوں شام میں گھوڑوں کی بہت مانگ تھی اس لئے میں نے گھوڑے وہاں بھیج دیئے تھے۔"

کعب نے کہا۔ "اگر تمہارا یہ خیال تھا کہ شمعون تمہارے گھوڑوں کی قیمت کم لگاتا ہے تو یہاں کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہوتے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "اگر وہ تمام گھوڑے میرے اپنے ہوتے تو میں شاید یہی کرتا۔ لیکن اُن میں میرا بھتیجا عاصم بھی حصّہ دار تھا۔ اور وہ انہیں یہاں بیچنے کی بجائے شام لے جانے پر مصر تھا، اُس کے اصرار کی وجہ یہ تھی کہ یہاں اسلحہ کی بے حد ضرورت تھی۔ عاصم شام میں گھوڑے بیچنے کے بعد تلواریں خرید کر لائے گا۔ اور ہم یہاں اپنی ضرورت سے زائد تلواریں اپنے قبیلے کے لوگوں کے ہاتھ منگنی قیمت پر فروخت کر سکیں گے۔ پھر میرے لئے شمعون کا قرضہ اتارنا مشکل نہ ہوگا۔ شمعون مجھ پر بدعہدی کا الزام لگاتا ہے لیکن آپ اِس سے پوچھئے کیا اِس نے ہمارے خاندان کے آدمیوں سے بیس تلواریں مہیا کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد ہمیں دھوکا نہیں دیا اور وہ تلواریں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ فروخت نہیں کیں؟"

شمعون نے کہا۔ "جب قبیلۂ خزرج کے لوگ مجھے زیادہ قیمت دیتے تھے تو میں تم سے سودا کیوں کرتا؟"

ہبیرہ نے کہا۔ "پھر تمہیں یہ شکایت کیوں ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے سستے داموں تمہارے ہاتھ فروخت کیوں نہیں کئے؟"

شمعون نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ تم میرے مقروض ہو۔"

ہبیرہ نے طیش میں آکر کہا۔ "تمہاری تمام دولت ہمارے خون اور پسینے سے نچوڑی ہوئی ہے اور اب تم ہمیں مقروض ہونے کا طعنہ دیتے ہو۔؟"

کعب نے کہا۔ "دیکھو! جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں نے تمہیں اِس لئے بلایا ہے کہ تمہارا تصفیہ کرا دیا جائے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "آپ جو کہیں میں ماننے کو تیار ہوں، لیکن شمعون کو مجھ سے بدکلامی کرنے کا کوئی حق نہیں ہیں نے آج تک اِس سے کوئی بدعہدی نہیں کی لیکن اس نے ہمیشہ میری مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مجھ سے پہلے اِس نے میرے بھائی کو قرض دیتے وقت جو شرائط منوائی تھیں وہ انتہائی تکلیف دہ تھیں لیکن ہم نے مجبوری کی حالت میں سب کچھ برداشت کیا۔ میرے بھائی کو اپنا نصف باغ اور چشمے سے اپنے حصّے کا نصف پانی اِس کے پاس رہن رکھنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ پانی رہن شدہ باغ کی آبیاری کے لئے استعمال ہونا چاہیئے تھا، لیکن جب میرا بھائی قرضے کی نصف سے زائد رقم ادا کر چکا تو اِس کی نیت میں فتور آگیا اور اِس نے پانی اپنے نئے باغ کو دینا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مزید تین سال گزرنے کے بعد جب میرے بھائی نے پوری رقم ادا کر کے اپنا باغ چھڑایا تو اُس کے بیشتر درخت سوکھ چکے تھے۔"

شمعون نے کہا۔ "لیکن تم یہ بات بھول گئے ہو کہ تمہارے بھائی نے اپنے ایک بیٹے کو بھی میرے پاس رہن رکھا تھا اور ہمارا معاہدہ یہ تھا کہ قرضے کا آخری درم ادا ہونے تک وہ میرے پاس رہے گا۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "اگر تم اُسے اپنے پاس نہیں رکھ سکے تو اِس میں میرا یا میرے بھائی کا کیا قصور تھا؟ کیا یہ درست نہیں کہ جب وہ تمہاری بدسلوکی سے تنگ آکر گھر بھاگ آیا تھا تو ہم اُسے پکڑ کر تمہارے پاس لے گئے تھے لیکن تم نے خود ہی اُسے اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔؟"

شمعون نے کعب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جناب آپ ہی انصاف کریں کہ میں نے عاصم کے ساتھ کیا بدسلوکی کی تھی۔ میں نے اُسے کام کا آدمی بنانے کے لئے اُس کی تعلیم کا انتظام کیا، لیکن جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا تو الٹا میرا دشمن بن گیا۔ اُس نے تین دفعہ میرے بڑے لڑکے کو پیٹا۔ چوتھی بار میرے چھوٹے لڑکے کو ایک سرکش گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا کر چھوڑ دیا۔ میرے پاس بنو خزرج کے ایک معزز شخص عدی کا لڑکا عمیر بھی رہن تھا، عاصم کی اس سے بھی نہیں بنتی تھی۔ ایک دِن اِس نے عمیر بن عدی کو اتنا پیٹا کہ اُس کے منہ اور ناک سے خون بہنے لگا۔ میرے نوکروں کی مداخلت سے عمیر جان چھڑا کر گھر پہنچا تو اُس کے خاندان کے بوڑھے اور جوان میرے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ عاصم کو ہمارے حوالے کر دو۔ یہ عاصم کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میری پناہ میں تھا ورنہ عدی کے بیٹے سے یہ سلوک کرنے کے بعد اُس کا ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو بجھا بجھا کر رخصت کیا۔

چند دن بعد مجھے معلوم ہوا کہ اوس اور خزرج پھر کھلے میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں مجھے ڈر تھا کہ اوس، خزرج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے اس لئے میں نے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ عاصم کا خیال رکھیں چنانچہ لڑائی سے ایک دن قبل ہم نے اُسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ میرا قیاس درست نکلا، اِس لڑائی میں بنو اوس کا بہت نقصان ہوا۔ ہبیرہ کا ایک بیٹا اور اِس کے بھائی کے دو بیٹے مارے گئے اور میری وجہ سے عاصم کی جان بچ گئی، لیکن اُس نے مجھے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ جب اُس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا گیا تو وہ باہر نکلتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ یہ دیکھئے!" شمعون نے اپنا منہ کھول کر دانتوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔ "میرے تین دانت اب بھی ہلتے ہیں۔"

ہبیرہ نے فخریہ انداز میں کہا۔ "یہ تم سے کس نے کہا تھا کہ میرا بھتیجا موت سے ڈرتا ہے۔ تم تو بنو خزرج کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ لڑائی کے دن تم نے ہمارے ایک شیر کو باندھ رکھا تھا۔ تمہیں اس بات کا دکھ ہے کہ اُس نے عمیر بن عدی کو پیٹ ڈالا تھا لیکن تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ آگ اور پانی ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ پھر تمہارے بیٹوں کے دماغ میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ وہ میرے بھتیجے سے افضل تھے۔ ہم نے تم سے قرضہ لیا تھا بھیک نہیں مانگی تھی۔"

شمعون نے کہا۔ "جناب! میں نے عاصم کو اپنے بچوں کی طرح گھر میں رکھا تھا۔ لڑائی کے دن میں نے اُسے صرف اس ڈر سے کمرے میں بند کر دیا تھا کہ وہ ابھی تلوار اٹھانے کے قابل نہیں ہوا۔ اگر وہ میدان میں چلا جاتا تو اُس کا انجام اپنے بڑے بھائیوں سے مختلف نہ ہوتا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ اس نیکی کا یہ اجر ملے گا ——

بات دراصل یہ تھی کہ جب عاصم کے دو بھائی جنگ میں مارے گئے تو اِس کے باپ نے اُسے اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس کی، پہلے اُس نے یہ کہا کہ میں تجارت کے سلسلے میں شام جا رہا ہوں اور عاصم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اُسے چند مہینے کے لئے آزاد کر دو۔ لیکن جب میں ادائے قرض سے پہلے اُسے چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا تو اُس نے عاصم کو میرے خلاف بھڑکا کر ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ میں اُسے واپس کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

ہبیرہ نے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر ہماری نیت بُری ہوتی تو ہم عاصم کو

دوبارہ تمہارے پاس لے کر نہ آتے۔"

شمعون نے کعب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جناب! اُسے دوبارہ میرے پاس لانے سے ان کا مقصد صرف میرا مذاق اڑانا تھا۔ ایک طرف یہ مجھ سے مصالحت کی باتیں کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ لڑکا میرے بیٹے کے کان میں کہہ رہا تھا کہ اگر اب مجھے یہاں رہنا پڑا تو میں سب سے پہلے تمہیں قتل کروں گا اور اس کے بعد تمہارے باپ اور بھائیوں کی باری آئے گی۔"

ہبیرہ نے کعب سے کہا۔ "جناب! آپ اسی بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں عاصم کے ساتھ ان لوگوں کا سلوک کیسا تھا۔ ایک کمسن لڑکا بلاوجہ اس قدر مشتعل نہیں ہو سکتا۔"

کعب نے قدرے درشت ہو کر کہا۔ "ہبیرہ ہم تمہارے کسی آدمی کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہمارے بچوں کو پیٹے۔ تم بنو خزرج کے مقابلے میں اپنی ناکامیوں کا انتقام یہاں کے یہودیوں سے نہیں لے سکتے، میں تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ہم سے بگاڑ کر تم ایک دن کے لئے بھی یثرب کی وادیوں میں نہیں رہ سکتے۔ میں نے انتہائی ضبط سے کام لے کر تمہاری باتیں سُنی ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارا یہ رویہ دانشمندانہ نہیں، تمہیں قدم قدم پر ہماری ضرورت پڑے گی۔"

ہبیرہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں کعب کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "آپ شمعون کی غلط بیانی سے متاثر ہوئے ہیں۔ عاصم نے کسی بچے پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، اس کا چھوٹا لڑکا اُس کا ہم عمر ہے اور باقی دونوں اُس سے بڑے ہیں۔ آپ شمعون سے یہ پوچھئے کہ اس کے لڑکوں نے عاصم سے کیا کہا تھا؟"

شمعون بولا۔ "تم خود ہی بتا دو نا؟"

" انہوں نے کہا تھا کہ آئندہ ہم قرضہ مانگنے والوں سے لڑکوں کی بجائے لڑکیاں رہن رکھنے کا مطالبہ کیا کریں گے۔ عدی کا بیٹا بے غیرت تھا اور وہ یہ برداشت کر گیا، لیکن عاصم اُس سے مختلف تھا۔"

شمعون نے کہا۔ "یہ بالکل غلط ہے۔ بات یہ تھی کہ لڑکے عُمیر کے ساتھ مذاق کر رہے تھے اور عاصم نے پہلے اُسے بے غیرتی کا طعنہ دے کر اکسانے کی کوشش کی تھی لیکن جب وہ اُس کی باتوں میں نہ آیا تو اُس نے بذاتِ خود میرے لڑکوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ میرے لڑکوں سے اُلجھنے کے لئے کسی بہانے کی تلاش

میں رہتا تھا اور عُمیر سے اُس کی عداوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ میرے بیٹوں کے خلاف اُس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "جناب آپ خود ہی انصاف کریں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شمعون کے بیٹوں نے بنو خزرج کے ایک لڑکے سے مذاق کیا ہو اور عاصم کو طیش آ گیا ہو۔ بات دراصل یہ تھی کہ انہوں نے ان دونوں کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ عمیر نے اپنے خاندان کی توہین برداشت کر لی لیکن عاصم برداشت نہ کر سکا۔ اُس وقت اُس کی عمر بارہ یا تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن شمعون آج تک ہم سے انتقام لے رہا ہے۔"

شمعون نے برہم ہو کر کہا۔ "کیسا انتقام؟"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "تم نے پہلے میرے بھائی کا نصف باغ ویران کر دیا۔ اس کے بعد ہماری بجائے ہمارے دشمنوں کے ہاتھ تلواریں فروخت کیں۔ پھر ابھی چار مہینے کی بات ہے کہ ہمارے گھر میں میرے بھائی کی لاش پڑی تھی اور تم رقم ادا کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ عاصم کا اولین فرض اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا تھا، لیکن اُس پر تمہاری باتوں کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے باپ کو دفن کرتے ہی گھوڑے لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا، تاکہ کسی تاخیر کے بغیر تمہاری رقم ادا کرنے کا بندوبست کر دیا جائے لیکن اب تم کچھ دن بھی صبر نہیں کر سکتے۔"

کعب نے کہا۔ "شمعون میں ہبیرہ کو مدت سے جانتا ہوں یہ ایک با اصول آدمی ہے تمہیں اس کے وعدے پر اعتماد کرنا چاہیئے۔"

شمعون نے جواب دیا۔ "میں اس کے وعدے پر اعتماد کر سکتا ہوں لیکن اوّل تو مجھے اس کے بھتیجے سے یہ توقع نہیں کہ وُہ واپس آ جائے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ راستے ہی میں سب کچھ گنوا بیٹھے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "میرا بھتیجا اس سے پہلے بھی شام کا سفر کر چکا ہے اور مجھے اُس کی فراست پر اعتماد ہے لیکن اگر اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا تو قرضے کی رقم کے عوض میں اپنا آدھا باغ تمہارے پاس رہن رکھ دوں گا۔"

کعب نے کہا۔ "شمعون! اب تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ اور ہبیرہ! تم کو بھی یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ہم سے تمہارے تعلقات خراب نہ ہوں۔ آئندہ اگر تمہیں کوئی دشواری پیش آئے تو میرے پاس آ جانا۔"

ہبیرہ نے اٹھ کر احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ موجودہ حالات میں ہمارے لئے آپ سے اعانت طلب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ لڑائی میں ہمارا ساتھ دینا پسند نہ کریں تو بھی ہمیں اتنا قرضہ ضرور دے دیا کریں کہ ہم بنو خزرج سے برابر کی ٹکر لے سکیں۔ ہمارے قبیلے کے معززین کا ایک وفد آپ کے پاس آنے والا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ انہیں مایوس نہیں کریں گے۔"

کعب نے جواب دیا۔ "تم اطمینان رکھو۔ ہم نے پہلے بھی تمہیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ اور اب بھی اس شکایت کا موقع نہ دیں گے کہ ہم بنو خزرج کو بنو اوس سے افضل سمجھتے ہیں۔"

"اور ہم بھی کبھی آپ کو یہ کہنے کا موقع نہ دیں گے کہ بنو اوس احسان کا بدلہ دینا نہیں جانتے۔" ہبیرہ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ کعب کچھ دیر ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اُن کی طرف دیکھتا رہا اور جب وہ نخلستان میں غائب ہو گئے تو شمعون سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "شمعون اب تم سچ بتاؤ کیا یہ درست ہے کہ تمہارے بیٹوں نے صرف عمیر بن عدی سے مذاق کیا تھا اور عاصم کو اس پر بلاوجہ غصہ آگیا تھا؟"

"ہاں میں نے اپنے بیٹوں کے علاوہ عمیر سے بھی تصدیق کی تھی۔"

"اور عمیر نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ عاصم نے اُسے تمہارے بیٹوں کے خلاف لڑائی پر اُکسایا تھا؟"

"ہاں۔!"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عاصم اوس اور خزرج کے عام لڑکوں سے مختلف ہے۔"

"جی ہاں! وہ جس قدر ذہین ہے اُسی قدر خطرناک بھی ہے، ایک دن اُس نے میرے منہ پر کہا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب اوس و خزرج ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی بجائے، متحد ہو کر یہودیوں کے خلاف لڑیں گے۔"

"پھر تم نے ایسے خطرناک لڑکے کو تعلیم کیوں دلوائی؟"

شمعون نے جواب دیا۔ "جناب جب وہ میرے پاس آیا تھا تو اُس کی عمر زیادہ نہ تھی۔ وہ باتوں سے بیحد ذہین معلوم ہوتا تھا، میرا خیال تھا کہ وہ بڑا ہو کر میرے کاروبار میں ایک اچھا معاون ثابت ہوگا اور شاید واپس جانا نہ پسند کرے۔ پھر مجھے یہ بھی اُمید تھی کہ اُس کا باپ میرا قرضہ نہیں اُتار سکے گا، اور اُسے مجبوراً میرے پاس رہنا پڑے گا۔"

کعب نے کہا۔ "تمہاری پہلی غلطی یہ تھی کہ تم نے ایسے ہوشیار لڑکے کو اپنے گھر میں رکھا۔ دوسری یہ کہ تم نے اُسے تعلیم دلوائی اور تیسری یہ کہ جب وہ بڑا ہو کر لڑائی میں حصہ لینا چاہتا تھا تو تم نے اُسے کوٹھڑی میں بند کر دیا۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "جناب! اوس کے ایک معمولی خاندان کا لڑکا ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا اوّل تو وہ خزرج کے کسی نوجوان کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا ورنہ ہم اُس سے نبٹ لیں گے۔"

کعب نے جواب دیا۔ "میں اُس کے متعلق پریشان ہوں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر اوس کے ایک نوعمر لڑکے کے دماغ میں ایسے خیالات پرورش پا سکتے ہیں تو ممکن ہے کہ کچھ دن میں اور بھی کئی لوگ ہمارے متعلق اسی طرح سوچنے لگیں۔ یثرب کے یہودیوں کی نجات اسی میں ہے کہ اوس و خزرج ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا ہو جائیں۔ عربوں میں صلح کی نوبت اُس وقت آتی ہے جب ایک شکست خوردہ فریق ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے نقصانات کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ گزشتہ لڑائیوں میں اوس کی حالت کمزور ہو چکی ہے اور خزرج کی اکثریت بھی لڑائی جاری رکھنا نہیں چاہتی۔ اب ہمارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ بنو اوس کے حوصلے قائم رکھیں اور درپردہ اُن کی اتنی مدد ضرور کرتے رہیں کہ وہ اپنی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہ جانے تک لڑتے رہیں۔ ہمیں خزرج کو بھی یہی احساس دلانا چاہیئے کہ ہم اُن کے دوست ہیں۔ اوس اور خزرج کی صلح یا اتحاد ہمارے لئے بہت خطرناک ہوگا، کیونکہ اس صورت میں اُن کی توجہ ہماری طرف مبذول ہو جائے گی۔ اگر ہم خود لڑنے کی بجائے صرف پیسہ دے کر اوس کے ہاتھوں خزرج اور خزرج کے ہاتھوں اوس کے آدمیوں کو قتل کرا سکتے ہیں تو ہمیں نخل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ پھر ہمارا پیسہ بھی رائگاں نہیں جائے گا۔ اگر ہم انہیں چند سال ایک دوسرے سے لڑاتے رہیں تو اُن کے باغات اور مال مویشی ہمارے قبضے میں آجائیں گے ——— شمعون! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی قوم کے مفاد کے لئے تم ذرا حوصلے سے کام لینے کی کوشش کرو۔"

شمعون نے جواب دیا۔ "جناب! آپ کا مشورہ ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اُسے مزید قرض دینے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن آپ کو اس بات پر پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ اوس اور خزرج کے درمیان صلح ہو سکتی ہے۔ جب تک اُن کی صفوں میں ہبیرہ جیسے لوگ موجود ہیں وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں گے اہل عرب جس مٹی پر ایک مرتبہ خون گراتے ہیں، اُس کی پیاس برسوں نہیں بجھتی۔ آپ بسوس اور فجار کی لڑائیوں کے

حالات جانتے ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اِن لڑائیوں میں حصّہ لینے والے قبائل یہودیوں کے اثر و رسوخ سے بہت دُور تھے۔"

کعب نے اٹھتے ہوئے کہا۔"یہ صحیح ہے کہ اُن قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے میں یہودیوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا لیکن اگر اُن کے درمیان یہودی موجود ہوتے تو ان جنگوں کی شدّت اور طوالت میں مزید اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اوس اور خزرج کی لڑائیوں سے براہ راست ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اِس لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس سے وہ اپنی تلواریں نیام میں کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارا کام ہبیرہ جیسے تند مزاج لوگوں کو مایوس کرنا نہیں بلکہ اُن کی پیٹھ ٹھونکنا اور اُن کے حوصلے قائم رکھنا ہے۔"

ایک یہودی نے کہا۔"جناب! آپ مطمئن رہیں ہم اوس اور خزرج میں سے کسی کا جوش ٹھنڈا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ درست ہے کہ اُن کے بیشتر خاندان لڑائی سے تنگ آچکے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ عاصم کے واپس آنے پر جو تلواریں اُس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوں گی وہ زیادہ عرصہ نیام میں نہیں رہ سکیں گی۔"

کعب نے کہا۔"شمعون! تم ایک ہوشیار تاجر ہو لیکن تمہیں اِس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ تمہارا مستقبل یثرب کے باقی یہودیوں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہودیوں کو مستقبل کے خطرات سے بچانے کی واحد صورت یہی ہے کہ اوس اور خزرج کے درمیان مصالحت کے امکانات پیدا نہ ہونے پائیں۔ اگر ہبیرہ جیسے لوگ بجھتی ہوئی آگ کے لئے نیا ایندھن مہیا کر سکتے ہیں تو ہمیں دل شکنی کی بجائے اُن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے ——— اِس مقصد کے لئے اگر ہمیں انہیں مُفت بھی تلواریں دینی پڑیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہوگا؟"

شمعون نے جواب دیا۔"جناب! آپ اطمینان رکھیئے! میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اوس اور خزرج زیادہ عرصہ امن سے نہیں رہ سکیں گے۔"

باب (۴)

یروشلم سے آگے، بنو کلب اور بنو غطفان کے تاجروں کے ہمراہ ایک طویل سفر کے بعد عاصم کا راستہ جُدا ہو گیا اور پھر ایک روز، غروب آفتاب کے وقت، وہ سنگلاخ چٹانوں اور ریت کے ٹیلوں کے درمیان، ایک تنگ وادی سے گزر رہا تھا۔ صحرا کی ہوا بتدریج خنک ہو رہی تھی۔

عاصم نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر عباد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اب ہم آگے نہیں جا سکتے، میرا گھوڑا بہت تھک گیا ہے۔ ہمارے لئے راستے سے ہٹ کر اس وادی کے دوسری طرف قیام کرنا بہتر ہوگا۔ تم یہیں ٹھہرو، میں کوئی موزوں جگہ دیکھ کر ابھی آتا ہوں۔"

عباد نے کہا۔"میں خود آپ سے یہی کہنے والا تھا کہ ہمیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آج سے کوئی بیس سال پہلے جب میں پہلی مرتبہ آپ کے والد کے ساتھ شام کے سفر پر گیا تھا تو واپسی پر ایک رات یہیں قیام کیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُس وقت بھی ہم شام میں گھوڑے بیچ کر آئے تھے۔ لیکن اُس وقت ہم تنہا نہ تھے، ہمارے ساتھ یمن کے تاجروں کا ایک قافلہ تھا۔ وہ دن بہت اچھے تھے۔ ہمارے ساتھ قبیلۂ خزرج کے چند آدمی بھی سفر کر رہے تھے اور یہیں ایک دوسرے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ جب ہم دمشق سے واپس روانہ ہوئے تھے تو....."

عباد کے ذہن میں ایک پوری داستان کا مواد آچکا تھا لیکن عاصم نے اچانک باگ موڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور آن کی آن میں، بائیں ہاتھ، ریت کے ایک ٹیلے پر جا پہنچا۔ وہاں سے دوسری طرف ایک اور تنگ وادی کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے ہاتھ اونچا کر کے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ اُس طرف چل پڑا۔ عاصم گھوڑے

سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر ٹیلے سے نیچے اترنے لگا۔ نشیب میں ایک جگہ ببول کی چند جھاڑیاں تھیں۔ عاصم نے اُن کے قریب پہنچ کر گھوڑے کا ساز اتارا اور اُس کے گلے کا رسّا کھول کر ایک جھاڑی سے باندھ دیا۔ خورجی سے کچھ جَو نکال کر چمڑے کے توبڑے میں ڈالے اور انہیں چھاگل کے پانی سے تر کرنے کے بعد توبڑے کو ایک طرف رکھ دیا۔ گھوڑے نے توبڑا دیکھتے ہی ہنہنانا اور اچھلنا شروع کر دیا۔ عاصم نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو تھپکیاں دیتے ہوئے کہا۔ "دوست مجھے معلوم ہے تم بہت بھوکے ہو لیکن ابھی تھوڑی دیر انتظار کرو۔" پھر وہ جھاڑیوں کی طرف بڑھا اور اُن کی سوکھی ٹہنیاں توڑ کر ایک جگہ جمع کرنے لگا۔ اتنی دیر میں عباد بھی پہنچ گیا اور اُس نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر اُترتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں یہاں سردی اتنی نہیں ہوگی کہ ہمیں رات کے وقت آگ جلانے کی ضرورت پیش آئے۔" عاصم نے جواب دیا۔ "خیال تو میرا بھی یہی ہے تاہم احتیاطاً یہ ایندھن جمع کر لیا ہے۔ اگر سردی زیادہ ہوگئی تو آگ جلا لیں گے۔ تم پانی کا مشکیزہ اور کھانے کا سامان اتار لو اور اونٹوں کو ان جھاڑیوں سے باندھ دو۔ باقی سامان اتارنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ چاند ہم گھر پہنچ کر دیکھیں۔ مشکیزے میں پانی کافی ہے تم کچھ گھوڑے کو پلا دو۔ میں نے توبڑے میں جَو بھگو دیئے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد رات ہو چکی تھی۔ اونٹ ببول کی ٹہنیاں نوچ رہے تھے اور گھوڑا توبڑے میں منہ ڈالے، جو چبا رہا تھا۔ عاصم نے عباد کے ساتھ بیٹھ کر پنیر سے جَو کی روٹی کے چند نوالے کھائے اس کے بعد پانی پیا اور ٹھنڈی ریت پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہمیں آگ کی ضرورت نہیں۔ تم اطمینان سے سو جاؤ میں آدھی رات تک پہرا دوں گا۔"

عباد کی آنکھیں پہلے ہی نیند سے بوجھل تھیں وہ فوراً لیٹتے ہوئے بولا۔ "دیکھئے، جب آپ کو نیند آنے لگے، تو مجھے ضرور جگا دیں۔ رات کے وقت ہم میں سے ایک کو پہرا ضرور دینا چاہیئے۔"

"تم میری فکر نہ کرو، میں نے کل رات خاصا سو لیا تھا۔ اب اگر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو بھی اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد عباد خراٹے لے رہا تھا اور عاصم چت لیٹا ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے خیالات مختلف سمتوں میں پرواز کر رہے تھے، کبھی وہ شام کے شہروں کی پُر رونق گلیوں اور بازاروں کا طواف کر رہا تھا اور کبھی یثرب کے نخلستانوں کی سیر کر رہا تھا۔ وہ تقریباً چار مہینے کے طویل سفر کے بعد اپنے گھر جا رہا تھا اور راستے کی تمام

دشواریوں کے باوجود اُس کا یہ سفر اس کی توقع سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔

○

امن کے دنوں میں، عرب کی حدود کے اندر، عاصم اپنے آپ کو نسبتاً محفوظ سمجھتا تھا۔ تاہم قافلے سے جدا ہونے کے بعد اُس نے احتیاطاً راستے کی صرف اُن بستیوں سے گزرنا مناسب سمجھا جن میں رہنے والے قبائل اہلِ یثرب سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اُسے اِس بات کا شدید احساس تھا کہ اُس کا بخیر و عافیت گھر پہنچنا، اُس کے خاندان کی عزت کا مسئلہ ہے۔

اور اب وہ کسی ناخوش گوار حادثے سے دوچار ہوئے بغیر اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب وہ سوچتا کہ میں صرف کپڑا فروخت کر کے اپنے چچا کا تمام قرضہ چکا سکوں گا، اور دمشق کی خوبصورت تلواریں دکھا کر قبیلہ اوس کے ہر نوجوان سے داد و تحسین حاصل کر سکوں گا تو اُس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی لیکن جب اُسے اپنے گھر کا خیال آتا تو وہاں کے مناظر اِس دشت کی تنہائی سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتے۔ اُس کی ماں اُسے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ اُس کے دو بھائی جن کی شجاعت و جواں مردی پر سارے قبیلے کو فخر تھا، وہ لڑائی میں کام آچکے تھے، اُس کا باپ اپنے کسی عزیز کی، ایک مدّت تیمارداری کرنے کے بعد گھر واپس آرہا تھا کہ کسی نے بے خبری کی حالت میں پیچھے سے حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اب عاصم کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لینا تھا۔ اُس کے بھائیوں، اُس کے باپ اور اُس کے ابنِ عم کی روحیں پیاسی تھیں اور یہ پیاس صرف بنو خزرج کے خون سے بجھائی جا سکتی تھی —— ہبیرہ اُس کا چچا اپنے دائیں ہاتھ سے محروم ہونے کے باعث تلوار اٹھانے کے قابل نہ تھا۔ ہبیرہ کے چھوٹے بیٹے سالم کی عمر ابھی چودہ سال سے بھی کم تھی۔ اور اُس کی بہن سعاد اُس سے کوئی دو سال چھوٹی تھی۔ ان حالات میں اپنے گھرانے کے زندہ افراد کے حوصلے قائم رکھنے اور مرنے والوں کی روحوں کو آسودہ کرنے کی ساری ذمہ داری عاصم پر عائد ہوتی تھی۔

وہ فطرتاً ظالم یا خونخوار نہیں تھا لیکن اُس نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی تھی جس میں خاندانی یا قبائلی حمیت پر جان دینا ایک نوجوان کا اولین فرض سمجھا جاتا تھا۔ اپنے معذور چچا اور اُس کے کمسن بچوں کی بے بسی سُر

کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ شام کی طرف روانہ ہوتے وقت اُس نے ہبیرہ، سالم اور سعاد کے سامنے منات کی قسم کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ "جب میں واپس آؤں گا تو تم لوگ فخر سے سر اٹھا کر یہ کہہ سکو گے کہ ہم اپنے دشمنوں سے انتقام لے چکے ہیں اور شمعون بھی ہمیں اپنا مقروض ہونے کا طعنہ نہیں دے سکے گا ـــــ آپ کو اِس بات کا ملال نہیں ہونا چاہیئے کہ ہمارے قبیلے کے سرکردہ لوگ لڑائی سے اکتا چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اُن کی غیرت کو زندہ کر سکوں گا۔" اور اب وہ صحرا کی ٹھنڈی ریت پر لیٹا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ نئی تلواریں جو اُس نے شام سے حاصل کی ہیں عنقریب اُن جوانوں کے ہاتھ میں ہوں گی جو قبیلے کے ایک ایک مقتول کا انتقام لینے کا عہد کریں گے پھر کوئی عرب ہماری آئندہ نسلوں کو یہ طعنہ نہیں دے گا کہ تمہارے اسلاف اس قدر بے حمیت تھے کہ وہ دشمن کے خون سے اپنے عزیزوں کی روحوں کی پیاس نہ بجھا سکے۔ لیکن اِس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا ہمارے انتقام لے چکنے کے بعد یہ جنگ ختم ہو جائے گی؟ نہیں، یہ جنگ ختم نہیں ہوگی! ہماری غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے عزیزوں کی روحوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے دشمنوں کا خون پیش کریں۔ اور یہی حال بنو خزرج کا ہے۔ ہم دونوں اِس جنگ کو جاری رکھنے پر یکساں مجبور ہیں۔ یہ انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کب تک جاری رہے گا؟

عاصم کے ذہن میں اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا وہ ذہنی الجھاؤ کی حالت میں دیر تک بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ پھر حال اور مستقبل کے تلخ حقائق سے منہ پھیر کر، ماضی کے سپنوں میں پناہ لینے لگا۔ اُسے بچپن کے وہ دن یاد آ رہے تھے جب اوس اور خزرج پر امن ہمسایوں کی طرح رہتے تھے اور وہ خزرج کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اُس زمانے میں یثرب کے نخلستان کتنے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ اُن دنوں بستیوں میں کتنی چہل پہل ہوتی تھی۔ اپنے بچپن کے ساتھیوں کی شوخیوں اور شرارتوں کے تصوّر سے عاصم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

صحرا کی ہوا اب خاصی سرد ہو چکی تھی، وہ آگ جلانے کے ارادے سے اُٹھا۔ اچانک اُسے دور سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا، کچھ دیر بعد وہ اِسے اپنا وہم سمجھ کر لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا لیکن چند اور آوازیں آئیں اور اُس نے جلدی سے اپنی کمان اور ترکش اٹھانے کے بعد عباد کو جگاتے ہوئے کہا "عباد، ذرا ہوشیار ہو جاؤ میں نے اس ٹیلے کے اُس طرف، کچھ آوازیں سُنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی قافلہ گزر رہا ہو میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں۔"

عباد اٹھ کر اپنے ہتھیار سنبھالنے لگا اور عاصم تیزی سے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ چوٹی پر پہنچ کر اُسے کچھ فاصلے پر الاؤ کی روشنی میں چند آدمی اور گھوڑے دکھائی دیئے۔ یہ لوگ الاؤ کے گرد بیٹھے ہونے کی بجائے کھڑے ہو کر کسی بات پر تکرار کر رہے تھے۔ عاصم احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور ٹیلے سے نیچے اتر کر، چلنے کی بجائے زمین پر رینگنے لگا۔ کوئی بلند آواز میں چلّا رہا تھا "میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا، میں منات اور عزّیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ بہتان ہے، یہ جھوٹ ہے۔ سوتے میں کسی کے ہاتھ پاؤں جکڑ دینا بہادری نہیں۔"

اس کے بعد دوسری آواز سنائی دی "تم جھوٹے ہو اور تمہارے منات اور عزّیٰ بھی جھوٹے ہیں۔"

"میں تمہارے خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ موسیٰ کے خدا کی قسم۔ ٹھہرو! میری بات سنو! میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اُسے ایک غلام کے ساتھ شرمناک حالت میں دیکھا تھا۔ اِس لئے اُس نے مجھ پر الزام لگا دیا ہے۔"

"تم جھوٹے اور مکّار ہو۔"

"یاد رکھو، میرا قبیلہ یثرب کے تمام یہودیوں سے انتقام لے گا۔"

دو آدمیوں نے جھک کر جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں۔ اُس کے بعد پے در پے ضربوں کی آواز اور مضروب کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔

عاصم کے لئے یہ تمام واقعہ ایک معمّا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے وہ صرف اتنا سمجھ سکا کہ جس شخص کو زدوکوب کیا جا رہا ہے وہ جکڑا ہوا ہے۔ اور زدوکوب کرنے والے یہودی ہیں۔ چند ثانیئے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ ایک طویل اور کٹھن سفر کے بعد، اپنی منزلِ مقصود کے قریب، اُسے بلاوجہ کسی خطرے کا سامنا کرنا گوارا نہ تھا۔ لیکن ایک بے بس انسان کی کرب انگیز چیخیں سُن کر اُس کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے اچانک ایک آدمی کے پاؤں کا نشانہ باندھ کر تیر چلا دیا۔ زخمی ہونے والے نے "ہائے" کہہ کر لکڑی پھینک دی اور عاصم نے کمان میں دوسرا تیر چڑھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا "بزدلو، خبردار! تم ہماری زد میں ہو اور اب ہمارے تیروں کا نشانہ تمہارے دل ہوں گے۔"

فضا میں ایک ثانیئے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر ایک آدمی بھاگا اور اچھل کر اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے ہوئے چلّایا "بدّو آ گئے! یہاں سے بھاگو!"

آن کی آن میں چاروں آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے اور عاصم الاؤ کی طرف دوڑا۔ وہاں رسیوں میں جکڑا ہوا ایک آدمی جس کا چہرہ خاک اور خون میں لت پت تھا بے ہوش پڑا تھا۔ اور بھاگنے والوں کے پانچ گھوڑے اور سامان سے لدے ہوئے دو اونٹ جھاڑیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ الاؤ کے قریب ہی پانی کا ایک مشکیزہ اور کھانے کے چند برتن پڑے تھے۔

عاصم نے جلدی سے پانی کا مشکیزہ اٹھا کر زخمی کے منہ پر چھینٹے مارے۔ اُس نے کچھ دیر کراہنے کے بعد آنکھیں کھولیں اور وحشت ناک آواز میں چلّایا "میں بے قصور ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں کھول دو، مجھے جانے دو"

عاصم نے اُس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا "تمہارے دشمن بھاگ گئے ہیں، اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں"

زخمی نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ عاصم نے قریب پڑے ہوئے برتنوں میں سے مٹی کا ایک پیالہ اٹھایا اور پانی سے بھر کر اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ زخمی نے آنکھیں کھولے بغیر پانی کے چند گھونٹ پی لئے۔ اُس کے سر اور کنپٹیوں سے خون بہ رہا تھا۔ عاصم نے اُس کی قبا پھاڑ کر زخموں پر پٹیاں باندھیں اور پھر اپنا خنجر نکال کر اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اِس کے بعد اُس نے ایک دھجی پانی سے تر کی اور اُس کے چہرے اور پیشانی سے خون صاف کرنے لگا۔

زخمی نے جلدی سے اُس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں، میرے دوست میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا"

زخمی نے کہا "تم نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں بروقت نہ پہنچ سکا۔ تم کون ہو اور وہ لوگ کون تھے۔؟"

زخمی اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولا "تم نے کہا ہے کہ مجھے اب کوئی خطرہ نہیں"

"ہاں تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے"

عاصم نے بھیگے ہوئے کپڑے سے زخمی کا چہرہ پونچھتے ہوئے کہا "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا تم کون ہو؟"

زخمی نے آنکھیں کھولیں اور جواب دیا "تم جانتے ہو! میں کون ہوں؟"

عاصم نے الاؤ کی روشنی میں غور سے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے دل میں اضطراب، نفرت اور حقارت کا ایک طوفان محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ عمیر بن عدی تھا جس کا خاندان اور قبیلہ اُس کے خاندان اور قبیلے کے خون کا پیاسا تھا۔ عاصم بے حس و حرکت کھڑا، یہ محسوس کر رہا تھا کہ عُمیر کے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کی روحیں اُس کے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کی روحوں کا مذاق اڑا رہی ہیں اور وہ اپنے قبیلے سے بدعہدی کا مرتکب ہو چکا ہے۔

عمیر نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُس کے پاؤں پر رکھ دیا اور التجا آمیز لہجے میں بولا "عاصم تم مجھے پناہ دے چکے ہو"

اور عاصم اِس طرح مضطرب ہو کر پیچھے ہٹا جیسے کوئی زہریلا سانپ اُس کے پاؤں پر رینگ رہا ہو۔

عباد نے چند قدم کے فاصلے سے آواز دی "عاصم! عاصم تم ٹھیک ہو نا؟"

"میں ٹھیک ہوں" اُس نے جواب دیا "تمہیں وہیں رہنا چاہیئے تھا"

عباد نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا ہوا، یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ اور یہ نوجوان کون ہے؟"

عاصم نے جھک کر اپنی کمان اٹھاتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہیں۔ آؤ چلیں"

عمیر نے دردناک لہجے میں کہا "عاصم! تم اگر چاہو تو مجھ سے انتقام لے سکتے ہو۔ میں ان یہودیوں کی بجائے تمہارے ہاتھوں قتل ہونا بہتر سمجھتا ہوں"

عاصم کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا اور عباد ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس کے پیچھے ہو لیا۔ عمیر اٹھ کر چلّایا "عاصم ٹھہرو! مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہاں رات کے وقت بھیڑیئے مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔ عاصم! عاصم!"۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا لیکن چند قدم چلنے کے بعد مُنہ کے بل گر پڑا۔

عاصم رک گیا۔ اُس نے عباد کی طرف دیکھا اور کہا "عباد! یہ عمیر ہے عدی کا بیٹا۔ اور میں اِسے ایک مظلوم و بے بس انسان سمجھ کر پناہ دے چکا ہوں۔ اب میں اِس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا لیکن اِس کی مدد کرنا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اِسے مارنے والے کون تھے؟ تم جانوروں کو لے آؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا"

عباد نے کہا "اگر آپ اسے پناہ دے چکے ہیں تو اتنا ضرور یاد رکھیئے کہ آپ ہبیرہ کے بھتیجے اور سہیل کے بیٹے ہیں

"تم جاؤ!" عاصم نے برہم ہو کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ہم فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں، اب مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔"

عباد چلا گیا اور عاصم واپس آ کر عمیر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ عمیر مُنہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ عاصم نے قدرے توقف کے بعد اُسے آواز دی "عمیر! عمیر!" عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ عاصم جھک کر اُس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ وہ زندہ تھا۔ عاصم نے اُسے اُٹھایا اور الاؤ کے قریب لٹا دیا۔ الاؤ میں جلنے والی لکڑیاں انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ عاصم نے ایک اونٹ کا پالان اتارا اور انگاروں کے اوپر رکھ دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تو عمیر کی طرف متوجہ ہوا۔

عمیر نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اپنی نظریں عاصم کے چہرے پر گاڑ دیں اور نحیف آواز میں کہنے لگا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے اِس بیچارگی کی حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے، تمہیں یاد ہے ایک دفعہ تم نے شمعون کے سامنے کہا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب بنو اوس اور بنو خزرج متحد ہو کر یہودیوں کے خلاف لڑیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دِن اب دُور نہیں۔"

عاصم نے روکھے انداز میں کہا۔ "مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں مارنے والے کون تھے؟"

"وہ خیبر کے یہودیوں میں سے شمعون کا کوئی رشتہ دار تھا اور باقی اُس کے نوکر تھے۔ میں تمہیں اپنی پُوری سرگزشت سناتا ہوں۔ مجھے پانی دو!"

عاصم نے اٹھ کر اُسے پانی پلایا اور عمیر نے اپنی سرگزشت شروع کی۔ "یہ یہودی خیبر سے گھوڑے خریدنے آیا تھا۔ اور شمعون کا مہمان تھا۔ جب اُس نے گھوڑے خرید لئے تو شمعون نے مجھ سے کہا کہ تم اِسے خیبر تک پہنچا آؤ۔ میرا باپ شمعون کا رہا سہا قرضہ چکانے کا انتظام کر چکا تھا اور میں اِسی ہفتے اُس سے رہائی پا کر اپنے گھر جانے والا تھا۔ لیکن شمعون نے اتنا اصرار کیا کہ میں خیبر کے یہودی کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گیا۔ یہودی نے اپنی طرف سے مجھے ایک معقول معاوضے کا لالچ بھی دیا تھا۔ یہ فیصلہ رات کے وقت ہوا تھا اور میں چاہتا تھا کہ روانگی سے پہلے اپنے

گھر ہو آؤں لیکن ہمارا قافلہ پچھلے پہر روانہ ہو گیا اور مجھے اپنے گھر والوں کو یہ بتانے کا موقع بھی نہ ملا کہ میں خیبر جا رہا ہوں۔ یہ جگہ ہماری دوسری منزل تھی۔ ہم یہاں غروب آفتاب کے بعد پہنچے۔ کھانا کھانے کے بعد یہودی نے مجھ سے کہا۔ "تم سو جاؤ، پہلے پہر میرے آدمی پہرا دیں گے اِس کے بعد تمہیں جگا دیا جائے گا۔ میں الاؤ کے پاس سو گیا۔ کچھ دیر بعد مجھے کسی نے پاؤں کی ٹھوکر سے جگایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے اور یہودی اور اُس کے نوکر میرے چاروں طرف کھڑے تھے۔ یہودی نے مجھے گالیاں دیں، اور اُس کے نوکر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔"

عاصم نے پوچھا۔ "خیبر کے یہودی کو تم سے کیا دشمنی تھی؟"

عمیر نے جواب دیا۔ "اُسے مجھ سے کوئی دشمنی نہ تھی لیکن شمعون مجھے کسی بہانے گھر سے دور بھیج کر قتل کرانا چاہتا تھا اور مجھے روانہ ہوتے وقت یہ بات معلوم نہ تھی۔ میں آپ کو پورا واقعہ سناتا ہوں۔ شمعون نے اپنی بیوی کی موت کے بعد خیبر کی ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی۔ اِس بدقماش لڑکی نے شمعون کے غلام سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے، ایک رات میں نے انہیں مکان سے باہر باغ میں پکڑ لیا۔ وہ میرے پاؤں پر گر پڑے مجھے اِس عورت سے زیادہ غلام کی بے کسی پر رحم آگیا اور میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر آئندہ تم نے کوئی شرمناک حرکت نہ کی تو میں تمہارا راز افشا نہیں کروں گا۔ اِس کے بعد چند دن خیریت سے گزر گئے، لیکن پھر شمعون کی بیوی مجھ پر ڈورے ڈالنے لگی۔ ایک دن شمعون اور اُس کے لڑکے شہر گئے ہوئے تھے اور میں باغ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کو بھیج کر مجھے بلایا لیکن میں نے شمعون کی غیر موجودگی میں اندر جانے سے انکار کر دیا۔ رات کے وقت میں ڈیوڑھی کے باہر سو رہا تھا کہ وہ میرے پاس آگئی۔ پاس ہی دو اور نوکر سو رہے تھے۔ میں بے عزتی کے خوف سے بھاگا اور سیدھا گھر چلا گیا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ میں اب شمعون کے گھر نہیں رہنا چاہتا اِس لئے آپ بلا تاخیر اُس کا قرضہ چکا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اِسی ہفتے قرضہ چکا دوں گا۔ لیکن اس وقت تم واپس چلے جاؤ۔ مجھے اندیشہ تھا کہ شمعون کی بیوی مجھ سے انتقام لینے کے لئے کوئی تہمت تراشے گی۔ وہ مجھے اِس قسم کی دھمکیاں دے بھی چکی تھی۔ اس لئے میں اپنے باپ کے اصرار کے باوجود واپس نہ گیا۔ لیکن دو دن بعد شمعون خود مجھے لینے آگیا اور اُس کی باتوں سے میرے خدشات دور ہو گئے۔ میرے والد نے مجھے شمعون کے ساتھ روانہ کرتے ہوئے اِس بات کا تسلی

دی کہ میں بہت جلد باقی رقم ادا کر کے تمہیں واپس لے آؤں گا۔"

اِس کے بعد تیسرے دن مجھے اِس سفر پہ بھیج دیا گیا۔ اس جگہ جب ان لوگوں نے مجھے گالیاں دینا شروع کیں تو میں سمجھ گیا کہ اس قدر اصرار کے ساتھ مجھے ان کے ہمراہ بھیجنے سے شمعون کا اصل مقصد کیا تھا۔ یہ یہودی بار بار مجھ پر الزام لگا رہا تھا کہ میں نے اُس شخص کی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے جس نے مجھے اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ یہودی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ وہ مجھے قتل کر کے راستے سے دور کسی جگہ دفن کر دیں۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا تھا کہ تم میری جان بچانے کو یہاں پہنچ جاؤ گے۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ منات اور عزیٰ جھوٹے ہیں اور منات اور عزیٰ نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیج دیا۔ عاصم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھے یہاں مرنے کے لئے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور عمیر نے مایوسی کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی بالآخر عمیر نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔ "شمعون کو یقین ہو گا کہ میں مر چکا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے اچانک غائب ہو جانے کے متعلق وہ کس قسم کے قصّے مشہور کرے گا۔ وہ مجھ پر کوئی ایسا الزام لگائے گا کہ میرے قبیلے کے لوگ مجھ پر لعنت بھیجیں گے۔ مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ، اپنے ہاتھوں سے میرا کام تمام کر دو اور میری لاش کو کسی ایسی جگہ چھپا دو کہ کسی کو سراغ نہ مل سکے۔ میں تمہاری مدد کے بغیر گھر نہیں پہنچ سکتا۔ اس ویرانے میں میری موت یقینی ہے۔"

عاصم نے عمیر کی طرف دیکھا اور اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔ اور وہ یہ کہ تم کسی سے میرا ذکر نہیں کرو گے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے قبیلے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" عمیر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

عاصم نے پوچھا۔ "تم گھوڑے پر سواری کر سکو گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" عمیر نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا سر پھٹ رہا ہے۔ اور میرا جسم سن ہو رہا ہے لیکن میں کوشش کروں گا۔"

"ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ کہیں آس پاس چھپ کر ہمیں دیکھ رہے ہوں گے۔"

عاصم اور عمیر کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اتنے میں عباد گھوڑا اور اونٹ لے کر پہنچ گیا۔

عاصم نے کہا۔ "عباد! میں عمیر کو جلد از جلد اس کے گھر پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم ان میں سے ایک گھوڑا پکڑ لاؤ۔"

"ٹھہریئے! میرا گھوڑا شاید یہیں ہو میں اُسی پر سواری کروں گا۔" عمیر یہ کہہ کر اُٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبائے، لڑکھڑاتا ہوا جھاڑیوں سے بندھے ہوئے گھوڑوں کی طرف بڑھا۔

عباد نے عاصم سے پوچھا۔ "آپ یہ باقی گھوڑے اور اونٹ یہیں چھوڑ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "نہیں یہ غنیمت کا مال ہے، ان کی رسیاں کھول دو، یہ خود بخود ہمارے پیچھے بھاگیں گے لیکن اگر کوئی جانور پیچھے رہ جائے تو تمہیں اُس کی فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں صبح تک ایک منزل ضرور طے کر لینی ہے۔ جب دھوپ تیز ہو جائے گی تو ہم کسی جگہ چند گھڑی سستا لیں گے۔ پھر، اگر راستے میں اِس کی حالت زیادہ خراب نہ ہو گئی تو ہم کل رات گھر پہنچ جائیں گے۔"

○

آفتاب غروب ہو چکا تھا اور عدی کے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں چراغ جل رہا تھا۔ سمیرا ایک نو عمر، صحت مند اور خوبصورت لڑکی چراغ دان کے قریب بیٹھی کپڑے سینے میں مصروف تھی۔ عدی کا چھوٹا لڑکا نعمان جس کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اُس کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ عدی کا دوسرا لڑکا حلیم کمرے میں داخل ہوا اور نعمان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سمیرا، تم دو دن سے اِس میں لگی ہوئی ہو یہ قمیص کب ختم ہو گی۔؟"

سمیرا نے جواب دیا۔ "مجھے وقت ہی کہاں ملتا ہے۔ سارے دن گھر کے کام میں مصروف رہتی ہوں۔"

نعمان نے کہا۔ "اخی! سمیرا نے ہماری قمیصیں کبھی اتنے شوق سے نہیں سیں۔"

"بس، ختم ہو گئی۔" سمیرا نے جلدی جلدی چند ٹانکے لگانے کے بعد دانتوں سے دھاگا توڑا اور سوئی پاس ہی ایک طاقچے میں رکھ دی، پھر اُس نے قمیص پھیلا کر اپنے بھائیوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "کیوں ٹھیک ہے نا؟"

عقبہ نے اپنے کشادہ چہرے پر ایک شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو بالکل پسند نہیں۔ شاید عمیر کو پسند آجائے۔ اب ہمیں کھانا دو بھوک لگ رہی ہے۔"

"نہیں پہلے مجھے یہ قمیص پہن کر دکھائیے۔"

عقبہ نے کہا۔ "بہت اچھا، لیکن اگر مجھے پسند آگئی تو میں اتاروں گا نہیں۔"

سمیرا نے بے چین ہو کر کہا۔ "جلدی کیجئے، وہ آنے والے ہیں۔"

نعمان نے کہا۔ "اخی! ابا جان کو بہت دیر ہو گئی ہے ہمیں معلوم کرنا چاہیئے۔"

"وہ آرہے ہونگے۔" عقبہ نے یہ کہتے ہوئے اپنی قمیص کے اوپر نئی قمیص پہن لی۔

نعمان نے کہا۔ "ارے یہ تو بہت ڈھیلی ہے۔"

سمیرا نے جواب دیا۔ "لیکن عمیر کے بالکل ٹھیک آئے گی، اُس دن وہ آئے تھے تو میں نے اُن کا ناپ لے لیا تھا۔"

عقبہ نے کہا۔ "سمیرا! تم عمیر کا بہت خیال رکھتی ہو۔"

سمیرا نے بگڑ کر جواب دیا۔ "کیوں نہ رکھوں، کیا ہمارے خاندان پر اُس کا احسان سب سے زیادہ نہیں؟ اُس نے ہماری خاطر اتنے سال ایک ذلیل یہودی کی نوکری میں گزار دیئے ہیں۔"

عقبہ نے کہا۔ "ارے، تم تو خفا ہو گئیں۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ خاندان پر اُس کا احسان نہیں۔"

باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سمیرا نے مضطرب ہو کر کہا۔ "وہ آرہے ہیں۔ آپ جلدی سے قمیص اُتار دیں۔"

عقبہ نے قمیص اتار کر اُسے دے دی۔ عدی کمرے میں داخل ہوا۔

سمیرا نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا۔ "ابا! آپ اکیلے آئے ہیں، بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

عدی جواب دینے کی بجائے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ اور سمیرا اور اُس کے بھائی اُس کے تیور دیکھ کر سہم گئے۔

چند ثانیئے کمرے میں خاموشی طاری رہی، بالآخر سمیرا نے کہا۔ "کیا ہوا آپ پریشان کیوں ہیں؟"

عدی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے عمیر سے یہ توقع نہ تھی۔"

عقبہ نے پوچھا۔ "ابا جان! عمیر نے کیا کیا؟ کیا گھر آنے سے انکار کر دیا؟"

"اگر وہ گھر آنے سے انکار کر دیتا تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن اُس نے مجھے دنیا کے سامنے ذلیل کر دیا۔ اب کوئی یہودی ہمارا اعتبار نہیں کرے گا۔"

سمیرا نے کرب انگیز لہجے میں پوچھا۔ "ابا جان بتائیے تو سہی، اُس نے کیا کیا۔"

"وہ شمعون کے گھر سے دو سو دینار چوری کر کے بھاگ گیا۔؟"

عقبہ نے کہا۔ "نہیں ابا جان! یہ بات ناقابل یقین ہے۔ عمیر چوری نہیں کر سکتا۔ اُس کے بدترین دشمن بھی اُسے چور ہونے کا الزام نہیں دیں گے۔"

"پھر وہ بھاگا کیوں؟" میں نے اتنی مصیبتوں سے شمعون کا قرضہ چکایا تھا۔ صرف بیس دینار باقی تھے اور وہ بھی میں آج لے کر گیا تھا۔ اب یکایک اُس کے غائب ہو جانے سے شمعون کا ہر الزام صحیح سمجھا جائے گا۔"

عقبہ نے کہا۔ "ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی اس الزام کو درست تسلیم نہیں کرے گا۔"

عدی نے جواب دیا۔ "ہمارے قبیلے کے آدمیوں کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یثرب کے یہودی شمعون کی بات رد نہیں کریں گے۔ وہ انہیں ہمارے خلاف بھڑکائے گا اور اگر یہودیوں نے ہم سے لین دین بند کر دیا تو اس کی ساری ذمہ داری میرے خاندان پر ہوگی۔"

عقبہ نے پوچھا۔ "عمیر کب سے غائب ہے؟"

"اُسے غائب ہوئے تین دن ہو چکے ہیں۔"

"تین دن؟ اور شمعون نے آپ کو آج اطلاع دی ہے؟"

عدی نے جواب دیا۔ "شمعون کہتا ہے کہ گھر میں نقدی کے صندوق کی کنجیاں اکثر اُس کے پاس رہتی تھیں۔ پرسوں اُس نے مجھے کنجیاں واپس دیتے ہوئے کہا کہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ تمہارے قرضے کی باقی رقم دو چار دن کے اندر اندر ادا ہونے والی ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دیجئے۔ میں نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن اُس نے اس قدر اصرار کیا کہ میں نے اُسے زبردستی روکنا مناسب نہ سمجھا۔"

سمیرا نے کہا۔ "وہ یہودی یقیناً جھوٹ بولتا ہے اگر عمیر نے اُس کے گھر میں چوری کی ہوتی تو وہ اُسی وقت

بھاگتا ہوا آپ کے پاس آتا۔"

عدی نے جواب دیا۔"لیکن شمعون یہ کہتا ہے کہ چوری کے متعلق اُسے ابھی معلوم ہوا ہے۔ میرے وہاں پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے کوئی اُس سے قرض مانگنے آیا تھا۔ اُس نے نقدی کا صندوق کھولا، تو معلوم ہوا کہ دو سو دینار کی ایک تھیلی غائب ہے۔"

عتبہ نے کہا۔"ابا جان! یہ سراسر جھوٹ ہے۔ عمیر کہا کرتا تھا کہ شمعون اپنے بیٹوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔ یہ اُس کی شرارت ہے۔ اگر میرے بھائی کو بھاگنا تھا تو اُس نے ایک ہی تھیلی کیوں اٹھائی، پورا صندوق خالی کیوں نہیں کیا؟ پھر وہ گھر کے سوا جا کہاں سکتا تھا؟"

عدی نے کہا۔"بیٹا مجھے بھی یقین نہیں کہ عمیر ایسی حرکت کر سکتا ہے لیکن ایک بات شمعون کے حق میں جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عمیر غائب ہے۔ وہ نہ شمعون کے گھر میں ہے اور نہ یہاں آیا ہے۔ کوئی باشعور آدمی یہ نہیں مانے گا کہ وہ بلاوجہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ جب تک اُس کا پتا نہیں چلتا ہم کسی سے آنکھ اُٹھا کر بات نہیں کر سکتے۔ تم فوراً اُس کی تلاش شروع کر دو، وادی میں اُس کے جتنے دوستوں کو تم جانتے ہو، اُن کے پاس جاؤ۔ ممکن ہے کہ وہ شرم و ندامت کی وجہ سے کسی کے گھر چھپا ہوا ہو۔ نعمان تم بھی جاؤ۔ شمعون نے مجھے آٹھ پہر کی مہلت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر اس عرصے میں مجھے چوری کا مال واپس نہ ملا تو میں یہ واقعہ تمام وادی میں مشہور کر دوں گا۔ میں شہر جاتا ہوں ممکن ہے وہ شراب کے نشے میں چور کہیں پڑا ہو۔ یا کسی جواری کے ہتھے چڑھ کر سب کچھ گنوا چکا ہو اور اب شرم سے مُنہ چھپائے پھرتا ہو۔ نوکروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور دیکھو کسی کو یہ نہ بتانا کہ شمعون نے اُس پر الزام لگایا ہے۔ پوچھنے والوں سے صرف یہ کہنا کہ وہ گھر سے روٹھ کر کہیں چلا گیا ہے۔ پہلے اپنے تمام رشتہ داروں کے پاس جاؤ اس کے بعد اُس کے دوستوں سے معلوم کرو۔"

عدی اُٹھ کر باہر جانے لگا تو سمیرا نے کہا۔"ابا جان مجھے یقین ہے کہ میرا بھائی بے قصور ہے لیکن اگر اُس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اُس پر سختی نہ کیجئے گا! اُس نے برسوں سے زندگی کی کوئی خوشی نہیں دیکھی اور آج اُسے گھر آنا تھا۔"

عدی نے جواب دیا۔"مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں، تم دعا مانگو کہ وہ ہمیں زندہ سلامت مل جائے۔"

باب (۵)

عدی اور اُس کے بیٹوں کو گھر سے نکلے ایک پہر گزر چکا تھا اور سمیرا چراغ کی روشنی میں تنہا بیٹھی انتہائی درد اور خلوص کے ساتھ یہ دعا مانگ رہی تھی۔"اے منات! تجھ سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ عمیر کہاں ہے؟ اُسے مصیبت سے بچا۔ اگر اُس نے چوری کی ہے تو اُس کی پردہ پوشی کر، اور اگر شمعون نے اُس پر تہمت لگائی ہے تو اُسے ذلیل و خوار اور رسوا کر۔ اگر عمیر واپس آگیا تو میں مرتے دم تک تیرا احسان نہ بھولوں گی۔ میں ہر سال تیرے لئے نذرانہ لے کر قدید جایا کروں گی۔ لیکن اگر تو نے اِس مصیبت میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، تو میں تجھ سے روٹھ جاؤں گی اور تیری جگہ لات، ہبل اور عزیٰ کی پوجا کیا کروں گی۔ میں گھر گھر جا کر یہ اعلان کروں گی کہ تجھ سے کسی بھلائی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ اے منات! اگر تو نے ہماری مدد نہ کی تو لوگ تیرا مذاق اڑائیں گے۔"

سمیرا چند بار یہ کلمات دہرانے کے بعد دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اچانک اُسے ایک آہٹ سنائی دی اور وہ بھاگ کر باہر نکل آئی۔ صحن میں پہنچ کر اُس نے محسوس کیا یہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز ہے۔ اُس کا باپ اور بھائی گھر سے پیدل گئے تھے اور انہیں رخصت کرنے کے بعد اُس نے صحن کا پھاٹک بند کر دیا تھا، تاہم اُسے خیال آیا کہیں عمیر نہ ہو اور وہ دوڑتی ہوئی پھاٹک کی طرف بڑھی۔ گھوڑا پھاٹک کے قریب رُکا اور سمیرا نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔"کون ہے؟"

کسی نے باہر سے دریافت کیا۔"یہ عدی کا گھر ہے؟"

"ہاں!" اُس نے مضطرب ہو کر جواب دیا۔"تم کون ہو؟"

باہر سے آواز آئی "دروازہ کھولیئے۔ میں عُمیر کو لے کر آیا ہوں یہ زخمی ہے۔"

ایک بہن کی محبت اچانک ہر خوف پر غالب آگئی اور سمیرا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

عاصم گھوڑے پر سوار تھا اور اُس نے عمیر کو اپنے آگے ڈال رکھا تھا۔

"کہاں ہے میرا بھائی؟" سمیرا نے کرب انگیز لہجے میں سوال کیا۔

"گھبرائیے نہیں یہ بے ہوش ہے لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں۔ آپ کسی آدمی کو بلائیے۔"

سمیرا نے کہا۔ "اِس وقت یہاں کوئی نہیں آپ اسے اندر لے چلیں۔"

عاصم اندر داخل ہوا اور مکان کے دروازے کے سامنے گھوڑا روکتے ہوئے بولا۔ "ذرا اسے سہارا دیجئے۔"

سمیرا نے دونوں ہاتھوں سے عمیر کو سہارا دیا اور عاصم گھوڑے سے اتر کر اُسے اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ "آپ اس کے لئے بستر بچھائیے۔"

سمیرا بھاگ کر کمرے میں چلی گئی اور عاصم عمیر کو اٹھائے اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

سمیرا نے جلدی سے ایک تخت پر بچھونا بچھا دیا اور عاصم نے عمیر کو لٹا دیا۔ چراغ کی روشنی میں عمیر کے خون آلود کپڑے دیکھ کر سمیرا کچھ دیر سکتے کے عالم میں کھڑی رہی اور پھر یکایک عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"انہیں کس نے زخمی کیا ہے؟ آپ انہیں کہاں سے لائے ہیں؟ یہ کب سے بے ہوش ہیں؟ آپ کون ہیں؟"

پھر وہ عمیر کے دونوں بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔ "بھائی جان! بھائی جان!"

عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ کے بھائی کو ابھی ہوش آجائے گا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔؟" سمیرا نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔"

سمیرا نے کمرے کے کونے سے ایک چوکی گھسیٹ کر عمیر کے بستر کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ بیٹھ جائیں۔"

وہ بیٹھ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ "ابھی ان کے سر کے زخم سے خون رِس رہا ہے۔ آپ پٹی باندھنے کے لئے کوئی صاف کپڑا لے آئیے۔"

سمیرا بھاگ کر دوسرے کمرے سے ایک چادر لے آئی اور یکے بعد دیگرے دو ٹکڑے پھاڑ کر عاصم کے سامنے رکھ دیئے۔ جب وہ تیسری پٹی پھاڑنے لگی تو عاصم نے کہا۔ "بس یہ کافی ہیں اور کپڑا ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔"

عاصم عمیر کے سر سے خون آلود پٹیاں کھولنے لگا تو سمیرا نے کہا۔ "زخم داغنے کی ضرورت ہے تو آگ جلا دوں۔"

"نہیں زخم گہرے نہیں صرف اوپر کی جلد پھٹ گئی ہے۔"

"تو میں ایک دوا لاتی ہوں اُس سے خون بند ہو جاتا ہے۔" سمیرا یہ کہہ کر طاقچے سے چمڑے کی ایک تھیلی اُتار لائی۔ عاصم نے پٹیاں کھولیں اور سمیرا نے تھیلی سے ایک سفوف نکال کر زخموں پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد عاصم نے نئی پٹیاں باندھ دیں۔

عمیر نے آہستہ آہستہ کراہنے کے بعد چند گہرے سانس لئے اور نحیف آواز میں پانی مانگا۔ سمیرا پانی کا کٹورا لے آئی۔ عاصم نے گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر عمیر کو اٹھایا اور سمیرا نے پانی کا کٹورا اُس کے منہ سے لگا دیا۔ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد عمیر نے آنکھیں کھولیں۔ اور عاصم نے آہستہ سے اُس کا سر تکیئے پر رکھ دیا۔ عمیر کچھ دیر عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں پر نظر دوڑائی اور بالآخر اپنی نگاہیں سمیرا کے چہرے پر گاڑ دیں۔ سمیرا نے مسکرانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

"بھائی جان! بھائی جان! میں ابھی آپ کے لئے دُعا مانگ رہی تھی۔"

عمیر نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور سمیرا نے اپنا سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"ابا جان، کہاں ہیں؟" اُس نے پیار سے سمیرا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔" سمیرا نے ہولے ہولے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔

"عقبہ اور نعمان؟"

"وہ بھی آپ کو ڈھونڈنے گئے ہوئے ہیں۔"

عمیر نے آنکھیں بند کر لیں

"بھائی جان" سمیرا قدرے توقف کے بعد بولی۔ "آپ کہاں چلے گئے تھے؟ آپ نے ہمیں کیوں نہ

بتایا کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔؟ مجھے یقین ہے کہ آپ چوری کر کے نہیں بھاگے، شمعون نے آپ پر بہتان باندھا ہے۔ لیکن آپ تھے کہاں؟ آپ خاموش کیوں ہیں؟ بھائی جان! آپ کو مجھ سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔ آپ یثرب کے تمام یہودیوں کو لوٹ لیں تو بھی آپ میرے بھائی ہیں۔ ابا جان بہت خفا تھے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں میں انہیں منالوں گی۔"

عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا نے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"یہ پھر بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

اُس نے جواب دیا۔"تمہارے بھائی کو آرام کی ضرورت ہے۔ کچھ دودھ ہے تو لے آؤ۔"

"دودھ بہت ہے، میں ابھی لاتی ہوں۔" سمیرا یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

○

عاصم کا خیال تھا کہ وہ عمیر کو اُس کے گھر پہنچاتے ہی واپس چلا آئے گا۔ اور راستے میں اُس کے لئے سب سے بڑی ذہنی الجھن یہ تھی کہ عدی اور اُس کے خاندان کے افراد اُس کے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے۔ اگرچہ ابھی امن کے دن ختم نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بنو خزرج کے کسی گھر کی چار دیواری میں قدم رکھنا اُس کے نزدیک ایک غیر متوقع بات تھی۔ اگر عمیر بے ہوش نہ ہوتا، تو آبادی کے قریب پہنچتے ہی اُن کے راستے جُدا ہو جاتے، وہ یہ سوچ کر اس گھر کے دروازے تک پہنچا تھا۔ کہ میں عمیر کو اُس کے باپ اور بھائیوں کے حوالے کرتے ہی لوٹ جاؤں گا۔ اگر کسی نے پوچھا کہ تم کون ہو تو میں جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دوں گا اور وُہ عمیر کو اِس حالت میں دیکھ کر میری طرف زیادہ توجہ بھی نہ دیں گے۔ لیکن اب وہ کسی ندامت یا پریشانی کا احساس کئے بغیر اپنے دشمن کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک خواب تھا، ایک ناقابل یقین خواب۔ اور سمیرا کو دیکھنے کے بعد اِس خواب کے تلخ اور اضطراب انگیز پہلو بتدریج اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ سمیرا کا چہرہ فطرت کے اُن مظاہر کی دلکشی کا آئینہ دار تھا جن کی ایک ہلکی سی جھلک سے دیکھنے والوں کی نگاہوں کے زاویے بدل جاتے ہیں۔

عاصم کو دشمن کے مقابلے میں انتہائی سنگدلی کا ثبوت دینے کی تربیت دی گئی تھی اور عمیر کی اعانت کے ہر مرحلے میں اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی قبائلی اور خاندانی روایات سے غداری کر رہا ہے۔ لیکن اب اُس کی ذہنی کیفیت میں ایک غیر متوقع تبدیلی آ رہی تھی۔ جب اُس نے سمیرا کو کرب و اضطراب کی حالت میں دیکھا تھا تو اُس کے ذہن میں تکلیف کی ایک ہلکی سی لہر اٹھی تھی۔ اور عمیر کے ہوش میں آنے پر سمیرا کی مسکراہٹوں سے اُسے ایک طرح کی تسکین اور راحت محسوس ہوئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول چکا تھا کہ سمیرا اُس کے دشمن کی بیٹی ہے اور وہ ایک چھت کے نیچے جمع ہونے کے لئے پیدا نہیں ہُوئے۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ وہ لمحات، جو اُسے ماضی کے تلخ ایام پر حاوی محسوس ہوئے تھے، گزر گئے اور یہ تمام واقعات اُسے ایک خواب سے زیادہ بے حقیقت محسوس ہونے لگے۔ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا، کہ سمیرا دودھ کا برتن اور پیالہ لئے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے کہا۔"میں آپ کا گھوڑا اصطبل میں باندھ کر اُس کے آگے گھاس ڈال آئی ہوں۔ میں نے اُس کی زین بھی اُتار دی ہے۔ میں آپ کے لئے بھی دودھ لے آئی ہوں۔ میں نے اُس میں شہد ڈال دیا ہے۔ بھائی جان شہد بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ انہیں اٹھائیں۔"

عاصم نے عمیر کا بازو ہلایا اور اُس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔"مجھے سونے دو۔"

"بھئی تمہاری بہن دودھ لائی ہے، تھوڑا سا پی لو۔" عاصم نے اُسے زبردستی سہارا دے کر بٹھا دیا۔ عمیر نے غنودگی کی حالت میں آنکھیں کھولیں۔ سمیرا کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لیا اور بڑے بڑے گھونٹ بھرنے کے بعد دوبارہ لیٹ گیا۔

سمیرا نے کہا۔"بھائی جان ایک پیالہ اور پی لیجئے۔"

"نہیں نہیں، مجھے تنگ نہ کرو۔" عمیر نے آنکھیں بند کر کے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

سمیرا نے دودھ کا پیالہ بھر کر عاصم کو پیش کیا لیکن اُس نے جواب دیا۔"نہیں نہیں مجھے اِس کی ضرورت نہیں۔"

"آپ دودھ نہیں پیا کرتے؟" سمیرا نے معصومانہ انداز میں سوال کیا۔

"پیتا ہوں لیکن اِس وقت مجھے اشتہا نہیں۔"

وہ بولی۔"یہ غلط ہے میں بچپن سے اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے کھانا پکاتی ہوں اور میرا تجربہ ہے کہ

مرد خواہ عمر کے کسی حصّے میں ہوں، اُن کی بھوک اُن کے چہرے سے نظر آجاتی ہے۔ آپ کی صورت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مجھے کچھ کھانے کو چاہیئے۔"

عاصم نے سمیرا کی طرف دیکھا، وہ مسکراتے ہوئے بولی "لیجئے، آپ کے لئے کھانا بھی موجود ہے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔"

عاصم کو سمیرا کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی التجا حکم سے زیادہ مؤثر محسوس ہوئی اور اُس نے قدرے تذبذب کے بعد اُس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ سمیرا اپنے بھائی کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئی۔

عاصم نے دودھ پی کر پیالہ واپس کرتے ہوئے کہا "آپ کو میرے گھوڑے کی زین نہیں اُتارنی چاہیئے تھی۔ میں صرف آپ کے بھائی کو پہنچانے یہاں آیا تھا اور اب واپس جانا چاہتا ہوں۔"

سمیرا نے دودھ کا ایک اور پیالہ بھر کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لیجئے! مجھے آپ کا چہرہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اور شاید کئی راتوں سے نہیں سوئے۔ اِس لئے میں نے دوسرے کمرے میں آپ کا بستر بھی بچھا دیا ہے ـــــ مجھے ایک بات پر ندامت ہے۔ میں اِس سے پہلے یہ نہ دیکھ سکی کہ آپ بھی زخمی ہیں۔ میں بھائی جان کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔"

"میں زخمی نہیں ہوں۔"

"لیکن سینے پر آپ کی قمیص خون سے بھری ہوئی ہے۔"

"یہ آپ کے بھائی کا خون ہے۔ میں بیشتر راستہ اسے اپنے ساتھ چمٹا کر لایا ہوں۔"

"میں خوش ہوں کہ آپ زخمی نہیں ہیں۔ لیجئے نا۔"

"آپ اصرار نہ کریں، میں کافی پی چکا ہوں، اب مجھے اجازت دیجئے۔"

سمیرا نے پیالہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "مہمان آدھی رات کے وقت ہمارے گھر سے رخصت نہیں ہوتے۔ اور میرے بھائی کی جان بچانے والا کوئی معمولی مہمان نہیں ہو سکتا۔ آپ ابّا جان سے ملے بغیر نہیں جا سکتے وہ مجھ پر خفا ہوں گے۔"

"میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" عاصم نے اٹھ کر کہا۔

"کیوں ـــــ؟"

"آپ کے بھائی کو معلوم ہے۔"

سمیرا نے بددلی کے لہجے میں کہا۔ اگر آپ کا جانا ضروری ہے تو میں آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ لیکن آپ نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا "آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ اور میرے بھائی جان آپ کو کہاں ملے تھے؟"

عاصم نے جواب دیا "مجھے آپ ایک بھٹکا ہوا مسافر سمجھ لیجئے۔"

سمیرا مسکرائی "رات کے بھٹکے ہوئے مسافروں کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیے۔ دیکھئے اگر مجھے اپنے بھائی کے متعلق اطمینان ہوتا تو میں آپ کو مجبور نہ کرتی، میں گھر میں اکیلی ہوں اور ممکن ہے کہ رات کے وقت مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔"

عاصم نے جواب دیا "آپ کے بھائی کو صرف آرام کی ضرورت ہے، چند گھنٹے سونے کے بعد اِس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ ہاں! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔ شمعون نے آپ کے بھائی پر کیا الزام لگایا ہے؟"

"آپ شمعون کو جانتے ہیں؟"

"ہاں ـــــ"

"اُس نے کہا ہے کہ میرا بھائی چوری کر کے بھاگا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ آپ اپنے باپ کو تسلی دے سکتی ہیں کہ عمیر نے چوری نہیں کی۔"

سمیرا کی آنکھیں مسرّت سے چمک اٹھیں اور اُس نے کہا "مجھے یقین تھا کہ شمعون جھوٹا ہے۔ لیکن یہ یکایک غائب کہاں ہو گئے تھے؟"

"میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ شمعون نے اسے یہاں سے دور بھیج کر قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"اور آپ نے اس کی جان بچائی ہے؟"

"یہ محض اتفاق تھا کہ میں اُسی راستے سے آرہا تھا اور انہیں زدوکوب کرنے والے مجھے دیکھ کر بھاگ گئے۔ لیکن آپ کسی کو یہ نہ بتائیں کہ رات کے وقت ایک اجنبی نے آپ کے بھائی کو گھر پہنچایا ہے۔"

"کیوں ——— ؟"

"آپ کا بھائی آپ کو بتا سکے گا کہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ اور دیکھئے جب انہیں ہوش آئے تو میری طرف سے کہہ دیجئے کہ جو جانور ہمیں راستے میں ملے تھے ان میں نصف آپ کے حصے میں آئے ہیں۔ آپ جس وقت چاہیں گے انہیں آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہریئے! میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" سمیرا نے یہ کہہ کر ایک دیا اٹھایا اور اُسے جلتے ہوئے چراغ کی لَو سے روشن کر کے عاصم کے ساتھ چل پڑی۔ کشادہ صحن کے ایک کونے میں ایک چھپر کے نیچے تین اور گھوڑوں کے ساتھ عاصم کا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور پاس ہی اُس کی زین پڑی تھی۔ عاصم گھوڑے کو لگام دینے کے بعد زین کسنے لگا تو سمیرا نے کہا۔ "آپ کہیں دور جا رہے ہیں، اگر کوئی دشمن آپ کا پیچھا کر رہا ہے تو آپ کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ ابا جان آپ کو پناہ دے سکیں گے۔ ہمارا تمام قبیلہ آپ کی مدد کرے گا۔"

یہ معصوم الفاظ عاصم کے دِل کی گہرائیوں میں اتر گئے اور اُس نے فوراً گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا نام سمیرا ہے۔"

"ہاں! آپ کو کیسے معلوم ہوا۔؟"

"ابھی عمیر نے تمہیں اِس نام سے پکارا تھا۔"

سمیرا نے کہا۔ "میں آپ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ اگر میرا بھائی بے ہوش نہ ہوتا تو مجھے آپ کو اندر بلانے کی جرأت نہ ہوتی۔ پہلی بار چراغ کی روشنی میں آپ کو دیکھ کر بھی مجھے کچھ خوف محسوس ہوا تھا لیکن اب..... مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا۔"

عاصم زین کس چکا تھا۔ اُس نے رسا کھول کر گھوڑے کی گردن میں لپیٹتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ایک اجنبی کی صورت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ ممکن ہے وہ آپ کا دشمن ہو۔"

سمیرا نے جواب دیا۔ "اگر آپ ہمارے دشمن ہوتے تو بھی آپ کی صورت دیکھنے کے بعد مجھے کوئی خوف

محسوس نہ ہوتا ———۔"

عاصم گھوڑے کی باگ پکڑ کر چھپر سے باہر نکلا اور سمیرا اُس کے آگے آگے چل پڑی۔ اچانک ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ گیا اور صحن میں تاریکی چھا گئی، سمیرا نے چراغ نیچے رکھ دیا اور دونوں کچھ کہے بغیر پھاٹک کے قریب پہنچ گئے۔ عاصم جو چند لمحات قبل وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا اب تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ سمیرا نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی مجبوریاں کیا ہیں؟ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میرے گھر والوں کو اس بات کا افسوس ہوگا کہ وہ آپ کے احسان کا بدلہ نہ دے سکے۔ آپ دوبارہ ہمارے گھر نہیں آئیں گے؟"

"نہیں ———۔"

"کیوں ———۔"

عاصم نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ "ہر سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہوتا۔"

"تو میں آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس گھر کے مکین احسان فراموش نہیں ہیں۔ ہمارا دروازہ آپ کے لئے ہمیشہ کھلا رہے گا۔"

عاصم کا دل پسیجا جا رہا تھا۔ اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "اب میں جانے سے پہلے تمہاری الجھن دُور کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، لیکن یہ باتیں صرف تمہارے کانوں کے لئے ہیں۔ میں قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتا ہوں اور ہمارے درمیان خون کی ندیاں اور آگ کے پہاڑ حائل ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ تاریک رات کے مسافر کو صبح ہونے کا انتظار کرنا چاہیے، لیکن ہم جس بھیانک رات کے مسافر ہیں وہ شاید ہماری زندگی میں ختم نہیں ہوگی۔"

سمیرا کچھ دیر سر جھکائے کھڑی رہی بالآخر اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جائیے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر بھاری بھاری قدم اٹھاتا، پھاٹک سے باہر نکلا اور مڑ کر صحن کی طرف دیکھنے لگا۔ سمیرا بے حس و حرکت اپنی جگہ کھڑی تھی۔ عاصم پاؤں رکاب میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو سمیرا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹھہریئے!" وہ رک گیا۔ سمیرا چند قدم آگے بڑھی، رُکی اور پھر بھاگ کر اُس کے قریب آگئی۔

سمیرا نے کہا۔ "مجھے اس سے سروکار نہیں کہ آپ کون ہیں؟ لیکن اپنے بھائی کی اعانت کے لئے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ اگر آپ قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم پر آپ کے احسان کا بوجھ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "اب تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم زندگی میں دوبارہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن میں تمہاری رفاقت کے یہ چند لمحے زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ اس وقت مجھے یہ اعتراف کرتے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اگر تم عدی کی بیٹی یا میں سہیل کا بیٹا نہ ہوتا تو تمہارا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے ایک حکم کا درجہ رکھتا۔"

"مجھے فخر ہے کہ میں عدی کی بیٹی ہوں لیکن آج کے بعد سے، میں آپ سے نفرت نہیں کر سکوں گی، چلئے میں آپ کو باغ کے باہر چھوڑ آتی ہوں۔"

وہ چل پڑے۔ عاصم نے کہا۔ "تم یہ جاننے کے بعد بھی مجھ سے خوف محسوس نہیں کرتیں کہ میں سہیل کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں" اُس نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر اس باغ سے درندوں کا لشکر نکل آئے تو بھی آپ میری حفاظت کریں گے۔ کاش! آپ کی صورت ایسی ہوتی کہ مجھے دیکھ کر خوف آ سکتا۔"

وہ باغ کے آخری کنارے پہنچ کر رُک گئے۔

عاصم نے کہا۔ "اب زمانۂ امن کے صرف چند دن باقی ہیں۔ اس کے بعد اوس اور خزرج اپنی تلواریں تیز کرنے میں مصروف ہو جائیں گے۔"

سمیرا نے جواب دیا۔ "امن کے دن ختم ہو جانے کے بعد، میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ آپ اپنی تلوار تیز نہ کریں۔ اوس اور خزرج اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ لیکن اس وقت آپ کو بار بار مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ میرے دشمن ہیں۔"

"تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں یہ بات بار بار کیوں یاد دلا رہا ہوں؟ سنو! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم بے خیالی میں، چند لمحات کے اندر ایک خطرناک راستے کی کئی منزلیں طے کر چکے ہیں۔ قدرت نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے اور تمہیں اس مذاق کو انتہا تک پہنچانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ جاؤ، سمیرا! جب تم سنجیدگی کے ساتھ سوچو گی تو یہ تمام واقعات تمہیں بھی ایک مذاق ہی محسوس ہوں گے۔ تم میری حماقت پر ہنسو گی لیکن میں شاید ہنس بھی نہ سکوں۔"

لیکن سمیرا اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی اور عاصم تاریکی

میں بھی اُس کی آنکھوں کی چمک محسوس کر سکتا تھا۔

وہ بولی۔ "تو آپ کو عدی کی بیٹی سے نفرت نہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ سہیل کے بیٹے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں سہیل کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی ایک انسان ہوں اور کوئی انسان تم سے نفرت نہیں کر سکتا لیکن میرے نفرت کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ آج کے بعد ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے، خون کی جو ندیاں ہمارے درمیان حائل ہیں وہ بتدریج وسیع ہوتی جائیں گی۔"

"بعض اوقات انسان اپنے دشمن کو دیکھنے کے لئے بھی بے چین ہو جاتا ہے۔"

"ہاں ——!"

"تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی دن مجھے دیکھنے کے لئے بے چین ہو جائیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر تم اسے اپنی فتح خیال کرتی ہو تو مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کہ میں ہمیشہ تمہیں دیکھنے کے لئے بے چین رہوں گا۔ میں اُس وقت بھی تمہیں دیکھنا چاہوں گا۔ جب میری تلوار تمہارے بھائیوں کی تلواروں سے ٹکرا رہی ہو گی۔"

سمیرا نے جواب دیا۔ "تمہاری تلوار میرے بھائیوں کی تلوار سے نہیں ٹکرائے گی۔"

"تم مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ نہیں دے سکتیں۔"

"اگر تم بزدل ہوتے تو میرے بھائی کو اٹھا کر ہمارے گھر نہ لاتے۔ تم خون کی ندیاں اور آگ کے پہاڑ عبور کر کے یہاں آئے ہو اور اس کے لئے ایک مرد کے حوصلے کی ضرورت تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے۔ لیکن اگر میں اپنے بہادر دشمن کو دوبارہ دیکھنے کے لئے بے چین ہو گئی تو اُس کا انتظار کیا کروں گی۔ اُدھر دیکھو۔" سمیرا نے نخلستان کے باہر ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اُس پہاڑی کی چوٹی پر کتنا تابناک ستارہ نمودار ہو رہا ہے۔ آئندہ ہر مہینے کی چاند رات کو یہ ستارا نمودار ہونے کے بعد میں اُس پہاڑی کے دامن میں تمہاری راہ دیکھا کروں گی۔ اور اگر تم نفرت کی آگ کا سمندر عبور کرنے پر مجبور ہو جاؤ، تو ضرور آنا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر میں اگلے مہینے تک زندہ رہا اور ایک حسین دشمن کو دیکھنے کی خواہش پر قابو نہ پا سکا تو ضرور آؤں گا۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟"

"مجھے معلوم نہیں! میں منات، عزیٰ اور ہبل سے یہ دعا کیا کروں گی کہ وہ مجھے آپ کو دیکھنے کے لئے بے چین نہ ہونے دیں۔ لیکن آپ ضرور آئیں، ممکن ہے میری دعائیں قبول نہ ہوں۔"

عاصم گھوڑے پر سوار ہو گیا اور کچھ دیر خاموشی سے سمیرا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ منات اور عزیٰ سے میری دعائیں کیا ہوں گی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر اس طرف نہ آسکا تو بھی یہ راستہ نہیں بھولوں گا۔"

"میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا۔"

"میرا نام عاصم ہے۔ عاصم بن سہیل۔ لیکن تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم کسی سے میرا ذکر نہ کرو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اُس تاب ناک ستارے کے سوا کسی سے آپ کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"اگر اُس ستارے کی زبان ہوتی تو وہ تم سے یہ کہتا کہ عاصم تمہارے باپ، تمہارے بھائیوں، اور تمہارے قبیلے کا دشمن ہے۔ اُس کے لئے تمہارے دل میں نفرت اور حقارت کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہیئے۔" عاصم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سمیرا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گھر کی طرف چل دی۔ راستے میں وہ یہ بار بار کہہ رہی تھی ——— "کاش، تم سہیل کے بیٹے نہ ہوتے! کاش، تم یہاں نہ آتے!"

عاصم اپنے مکان کی چار دیواری کے قریب پہنچا تو عباد باہر کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ نے بہت دیر لگا دی۔" وہ آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔

عاصم نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ "تمہیں آرام کرنا چاہیئے تھا۔"

عباد نے شکایت کے لہجے میں جواب دیا۔ "یہاں آرام کون کر سکتا ہے، آپ کے چچا نے آسمان سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ وہ تین بار مجھے گالیاں دے چکے ہیں۔"

"تم نے انہیں کچھ بتایا تو نہیں؟"

"نہیں! میں نے ان کی تسلی کے لئے کہہ دیا تھا کہ ہمارا ایک گھوڑا کہیں بھاگ گیا ہے اور آپ اُسے

تلاش کر رہے ہیں۔ آپ جلدی سے اندر جائیں، وہ بہت پریشان ہیں۔"

عاصم تیز تیز قدم اٹھاتا صحن میں داخل ہوا۔ اُس کے قدموں کی چاپ سُن کر ایک لڑکا کمرے سے باہر نکلا اور بھاگ کر اُس سے لپٹ گیا۔ یہ اُس کا چچا زاد بھائی سالم تھا۔

"ابا جان! بھائی عاصم آگئے!" اُس نے پکار کر کہا۔

ہبیرہ اور اُس کی بیوی لیلیٰ کمرے سے باہر نکلے۔ عاصم نے سالم کو ایک طرف ہٹا کر اپنی چچی کو سلام کیا اور اس کے بعد ہبیرہ سے بغل گیر ہو گیا۔

ہبیرہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "عاصم آج تم نے مجھے بہت پریشان کیا۔ اگر تم تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میں تمہاری تلاش میں نکلنے والا تھا۔ وہ گھوڑا مل گیا؟"

"نہیں! وہ بستی کے قریب پہنچتے ہی اچانک ایک طرف بھاگ گیا اور مجھے اُس کا سراغ نہ مل سکا۔"

"تمہیں اتنے کامیاب سفر کے بعد ایک گھوڑے کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ چلو اندر چلیں!"

"سعاد کہاں ہے؟"

"وہ کھڑی ہے۔" لیلیٰ نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

سالم نے کہا۔ "بھائی جان! سعاد آپ سے روٹھ گئی ہے، وہ کہتی ہے کہ آپ نے بہت دیر لگائی ہے۔"

عاصم نے آگے بڑھ کر سعاد کو چمٹا لیا اور اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میری ننھی بہن مجھ سے خفا ہے تو میں ابھی واپس چلا جاؤں گا!"

سعاد مسکرائی۔ "سالم جھوٹ کہتا ہے۔"

وہ ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے اور چٹائی پر بیٹھ گئے۔ عاصم نے کہا۔ "سعاد! میں تمہارے لئے دمشق سے کپڑے اور یروشلم سے انگوٹھی لایا ہوں۔ اور چچی جان! آپ کے لئے بھی!"

لیلیٰ نے کہا۔ "سعاد اپنے بھائی کے لئے کھانا لاؤ!"

سعاد دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ہبیرہ نے کہا۔ "بیٹا! میں اس کامیاب سفر پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ تلواریں بہت اچھی ہیں۔ صرف کپڑا بیچ کر ہم شمعون کا سارا قرضہ اتار سکیں گے لیکن یہ گھوڑے اور اونٹ

تمہیں کیسے مل گئے ؟"

" چچا جان یہ آوارہ پھر رہے تھے اگر چند دن تک ان کا وارث نہ آیا تو یہ ہمارے ہیں۔"

ہبیرہ نے کہا۔"بیٹا! لوگ اپنے جانور یونہی راستے میں نہیں چھوڑ جاتے، تم مجھ سے کوئی بات چھپا تو نہیں رہے ؟"

" نہیں چچا جان۔" عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ہبیرہ نے کہا۔"اب ہمارے قبیلے کا ہر آدمی یہ تلواریں حاصل کرنے کی کوشش کرے گا لیکن ہم صرف اُن لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے جو دشمن سے لڑنے کا عہد کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"چچا جان! میرا کام تلواریں لانا تھا۔ یہ آپ بہتر جانتے ہیں کہ ان کا حق دار کون ہے۔"

ہبیرہ نے کہا۔"امن کے دن ختم ہونے کے بعد تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیئے۔ تمہاری اس کامیابی کے بعد بنوخزرج حسد کی آگ سے جل اٹھیں گے۔"

" آپ میری فکر نہ کریں۔ میں اپنی حفاظت کر سکوں گا۔"

سعاد نے کھانا لاکر عاصم کے سامنے رکھ دیا اور ہبیرہ نے کہا۔"بیٹا تم کھانا کھاتے ہی سو جاؤ۔ صبح اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

" عابد کھانا کھا چکا ہے ؟" عاصم نے سوال کیا ؟

" ہاں۔" ہبیرہ نے جواب دیا۔

○

رات کے پچھلے پہر شمعون کے نوکر نے اُسے جگایا اور اطلاع دی کہ داؤد واپس آگیا ہے اور اسی وقت آپ سے ملنے پر مصر ہے۔

شمعون بدحواس ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلا اور آنکھیں ملتا ہوا مہمان کے کمرے میں داخل ہوا۔

داؤد اندر بیٹھا تھا۔ شمعون نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ کیا ہوا تم واپس کیوں آ گئے ؟"

" ہم پر راستے میں کسی نے حملہ کر دیا تھا۔"

"عمیر کا کیا بنا ؟"

" ہم اُسے ادھ موا کر چکے تھے لیکن میں یقین کیساتھ نہیں کہہ سکتا، کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ رات کے وقت کسی نامعلوم دشمن کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ ہمیں سب کچھ چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ وہ میرے دو اونٹ اور پانچ گھوڑے لے گئے ہیں۔"

" بدو ہوں گے ؟"

" نہیں! میرے گھوڑے اور اونٹ شیرب کی طرف آئے ہیں۔ ہم نے اُن کے نشان دیکھے ہیں۔ اگر راستے میں رات نہ ہو جاتی تو ہم ڈاکوؤں کے گھر تک پہنچ جاتے۔ اگر وہ آگے نہیں نکل گئے تو میرے آدمی صبح ہوتے ہی اُن کا کھوج لگا لیں گے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو یہیں سے ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔"

شمعون مضطرب ہو کر بولا۔"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، مجھے تمام واقعات سناؤ!"

داؤد نے کہا۔"ہم کل رات عمیر کو رسیوں میں جکڑ کر زدوکوب کر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے اچانک حملہ کر دیا۔ ایک تیر میرے غلام کو لگا اور ہمیں بھاگنا پڑا۔ تاریکی میں ہم یہ نہ دیکھ سکے کہ حملہ آور کون ہیں اور انکی تعداد کتنی ہے۔ وہاں سے کوئی سات کوس دور بدوؤں کی ایک بستی تھی، ہم وہاں پہنچ گئے۔ بدوؤں کا سردار ہمارا واقف نکلا۔ اُس نے میرے زخمی نوکر کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور ہماری مدد کے لئے بیس آدمی ساتھ کر دیئے لیکن جب ہم واپس اُس جگہ پہنچے تو میرے گھوڑے اور اونٹ غائب تھے۔ ہم باقی رات اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے اور صبح کی روشنی میں اونٹوں اور گھوڑوں کے تازہ نشان دیکھ کر شیرب کی طرف چل پڑے۔ بدوؤں نے دن بھر ہمارا ساتھ دیا لیکن غروب آفتاب کے وقت یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ اگر ڈاکو شیرب کے رہنے والے ہیں تو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میں اپنے نوکروں کو تلاش جاری رکھنے کا حکم دے کر آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ اگر صبح تک پتا چل گیا تو شاید اپنا مال چھڑانے کے لئے مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت پڑے۔"

" لیکن عمیر کا کیا بنا۔ ؟" شمعون نے سوال کیا۔

" مجھے معلوم نہیں! ہم نے رات کے وقت اپنے پڑاؤ میں آگ جلائی تھی۔ لیکن جب ہم بدوؤں کو ساتھ لے کر واپس پہنچے تو آگ بجھ چکی تھی۔"

شمعون نے تلخ ہو کر کہا "تم نے رات کی تاریکی میں صرف یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ تمہارے اونٹ اور گھوڑے غائب ہیں اور تمہیں اس بات کا خیال نہ آیا کہ میرے لئے عمیر کا مسئلہ خیبر کے تمام گھوڑوں اور اونٹوں سے زیادہ اہم ہے، اگر وہ زندہ ہے تو یثرب کے طول و عرض میں میرے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھے گی"۔

داؤد نے جواب دیا "یہ درست ہے کہ ہم نے عمیر کو وہاں نہیں دیکھا۔ اور میں نے اسے رات کے وقت اِدھر اُدھر تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مر چکا ہوگا"۔

"لیکن تم کہتے ہو کہ تم نے اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ کیا اب میں اس بات پر یقین کر لوں کہ مرنے کے بعد وہ اپنی رسیاں کھول کر بھاگ گیا ہے؟"

"ممکن ہے کہ ڈاکوؤں نے اُسے کہیں دفن کر دیا ہو!"

"میں نے آج تک لاوارث لاشوں کو ٹھکانے لگانے والے ڈاکو نہیں دیکھے۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ وہ زندہ ہو اور ڈاکو اُسے اپنے ساتھ لے آئے ہوں اور صبح تک بنو خزرج کے سینکڑوں آدمی میرے گھر کے سامنے جمع ہو جائیں۔ اگر یہ صورت ہوئی تو تمہیں اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کا مسئلہ اس قدر اہم نظر نہیں آئے گا۔ تم اتنے بیوقوف اور بزدل تھے کہ ایک آدمی رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور تم بھاگنے سے پہلے اُسے موت کے گھاٹ نہ اتار سکے!"

داؤد نے کہا "اگر مجھے ملامت کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں احتجاج نہیں کروں گا لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ڈاکوؤں نے بھاگنے سے پہلے اُس کی رسیاں کاٹ دی ہوں اور وہ کہیں آس پاس پڑا اپنے آخری سانس گن رہا ہو"۔

شمعون نے جھنجھلا کر کہا "تم مجھے صرف ایک جواب دے سکتے ہو اور وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ایک بیوقوف رشتہ دار پر اعتماد کرنے میں غلطی کی ہے۔ اب تم یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں!"

شمعون باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر داؤد کے قریب بیٹھ گیا۔

"آپ کہاں گئے تھے؟" داؤد نے مرجھائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اپنے نوکر کو عمیر کے گھر بھیجا ہے۔ اگر ڈاکو اُسے اپنے ساتھ لے آئے ہیں تو اس وقت اُسے

اپنے گھر میں ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ گھر نہیں پہنچا تو تمہیں فوراً واپس جا کر اُسے تلاش کرنا پڑے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ہمارے لئے اُسے قتل کرنا ضروری ہے!"

داؤد نے کہا "آپ کو اس کے متعلق اِس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے، اگر وہ زندہ ہے تو صرف میرے لئے کسی خطرے کا باعث ہو سکتا ہے اور میں اپنی صفائی میں یہ کہہ سکوں گا کہ جب ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا ہم بھاگ گئے تھے اور عمیر اُن کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔ پھر جب میں یہ بتاؤں گا کہ ڈاکوؤں نے میرے ایک نوکر کو بھی زخمی کر دیا تھا تو یہ بات اور وزنی ہو جائے گی"۔

شمعون نے تلخ ہو کر کہا "لیکن جب عمیر یہ کہے گا کہ تم نے اُسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی تو اہل یثرب تمہاری بات کیسے مانیں گے؟"

"اگر یثرب کے یہودی میری وکالت کریں گے تو بنو خزرج کو مجھے جھٹلانے کی جرأت نہ ہو گی"۔

"لیکن میں عدی کو کیا جواب دوں گا! میں اُس سے کہہ چکا ہوں کہ عمیر میرے گھر سے دو سو دینار چوری کر کے کہیں بھاگ گیا ہے"۔

"میں تمہارے حق میں یہ گواہی دوں گا کہ میں نے ڈاکوؤں کے حملہ کرنے سے پہلے عمیر کے پاس دو سو دینار دیکھے تھے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کا مال ہے"۔

شمعون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر عمیر زندہ ہے تو تمہیں یہ تسلیم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ وہ تمہارے ساتھ سفر کر رہا تھا، تمہارے لئے یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ تم پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور تم کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ گئے، تمہارے ہاتھوں اُن کا ایک آدمی زخمی ہوا تھا لیکن رات کے وقت تم یہ معلوم نہیں کر سکے کہ وہ کون ہے، پھر اگر عمیر نے ہم پر کوئی الزام لگایا تو ہم کہہ سکیں گے کہ وہ چوری کا جرم چھپانے کے لئے الٹا ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے، اگر تمہارے گھوڑے اُس کے گھر سے مل گئے تو ہمیں لوگوں کو یہ یقین دلانے میں وقت پیش نہیں آئے گی کہ عمیر ڈاکوں کے ساتھ تھا لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہیں اس وقت ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ عمیر زندہ ہے یا مر گیا"۔

داؤد نے کہا "خدا کی قسم! ذہانت میں عرب کا کوئی آدمی آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کو یثرب

کے تمام یہودیوں کا سردار ہونا چاہیئے تھا۔ کنانہ، حارث اور کعب آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔"

○

طلوع سحر سے کچھ پہلے عمیر بستر پہ لیٹا ہوا تھا۔ نعمان اور سمیرا اُس کے پاؤں کی طرف اور عدی اور عتبہ اُس کے قریب دوسرے تخت پر بیٹھے تھے۔

عدی نے کہا۔ "بیٹا! مجھے یقین ہے کہ شمعون نے تم پہ بہتان باندھا ہے۔ میں اُسے مرتے دم تک معاف نہیں کروں گا۔ لیکن تمہیں چھڑانے والے کون تھے؟ کاش! تم نے اُن کا پتا معلوم کر لیا ہوتا۔ اب اُن کا احسان ہماری گردن پر رہے گا۔"

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! رات کے وقت مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حملہ کرنے والے کون تھے؟ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں اُس جگہ سے کوسوں دور بستی کے باہر پڑا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ مجھے بچانے والوں نے کسی مجبوری کے باعث ہمارے گھر تک آنا پسند نہ کیا ہو لیکن مجھے یقین ہے وہ کسی دن ضرور آپ کے پاس آئیں گے۔"

سمیرا نے کہا۔ "ممکن ہے وہ ہمارا کوئی دشمن ہو۔"

عدی نے برہم ہو کر کہا۔ "عمیر کی جان بچانے والا ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا!"

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! داؤد، شمعون کو یقیناً یہ اطلاع دے گا کہ میں زندہ ہوں۔ اس لئے آپ کسی کو میرے گھر پہنچنے کی خبر نہ ہونے دیں۔ ممکن ہے اب وہ دوسروں کے سامنے مجھ پر چوری کا الزام عائد کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ اُسے چند دن خاموش رکھنے کے بعد ہم اُسے جی بھر کر ذلیل کر سکیں گے اور مجھے یقین ہے کہ جب تک اُسے میرے مر جانے یا زندہ ہونے کے متعلق اطمینان نہیں ہو جاتا وہ خاموش رہے گا۔"

عدی نے پوچھا۔ "تم نے کسی پڑوسی کو خبر تو نہیں دی؟"

"نہیں۔" اُس نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ ہمارے نوکر شاید یہ بات نہ چھپا سکیں۔"

"میں انہیں تاکید کر دوں گا۔"

نعمان نے چونک کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے، باہر کوئی آوازیں دے رہا ہے۔"

عدی نے کہا۔ "جا کر دیکھو، کون ہے؟ نوکر اس وقت نہیں اٹھیں گے وہ ساری رات کے تھکے ابھی سوئے ہیں۔"

عمیر نے کہا۔ "ٹھہرو۔ نعمان! ممکن ہے شمعون میرا پتا لگانے آیا ہو۔ عتبہ! تم جاؤ!"

"نہیں! میں خود جاتا ہوں۔" عدی یہ کہہ کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ صحن طے کر کے اُس نے پھاٹک کھولا تو باہر شمعون کا غلام کھڑا تھا۔

عدی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

شمعون کے غلام نے کہا۔ "میں دیر سے آپ کے نوکروں کو آوازیں دے رہا ہوں!"

"وہ تھک کر سو گئے ہیں۔ ہم نے ساری رات عمیر کو تلاش کیا ہے۔"

"میرے آقا بہت فکر مند تھے وہ پوچھتے ہیں کہ اُس کا کوئی پتا چلا یا نہیں؟"

"اپنے آقا سے کہو کہ میں پھر اُس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر وہ نہ ملا تو بھی اس کی ایک ایک کوڑی ادا کی جائے گی۔"

"میرے آقا نے کہا تھا کہ اگر آپ کو عمیر کا کوئی سراغ ملے تو مجھے ضرور اطلاع دیں!"

"اُس سے کہہ دو کہ اگر عمیر مل گیا تو میں اُس کے گلے میں رسّی ڈال کر تمہارے پاس لاؤں گا۔"

شمعون کا غلام واپس چلا گیا۔

○

شمعون اپنے مکان کے ایک کمرے میں داؤد کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ داؤد کے تین نوکر ہانپتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور اُن میں سے ایک نے کہا۔ "جناب ہم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ بنو اوس کے ایک آدمی کے گھر دیکھ لئے ہیں!"

"کون ہے وہ؟" شمعون نے چونک کر سوال کیا۔

"جناب! وہ ہیرہ ہے جس کا بھتیجا بچپن میں آپ کے پاس رہ چکا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے ہبیرہ ڈاکو نہیں اور اس کا ایک ہاتھ بھی کٹا ہوا ہے۔"

"جناب! اُس کے پڑوسیوں سے ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ اُس کا بھتیجا جو شام کی طرف گیا ہوا تھا واپس آگیا ہے اور اپنے ساتھ بہت کچھ لایا ہے۔"

شمعون اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تمہارے گھوڑے اُس کے گھر میں ہیں؟"

"جی ہاں! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، وہاں وہ گھوڑا بھی موجود ہے، جس پر عمیر سوار تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو میری تمام پریشانیاں دور ہو گئیں۔ میں ہبیرہ کے بھتیجے کو جانتا ہوں وہ بنو خزرج کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں دے سکتا۔ بالخصوص عدی کے بیٹے کو۔ اب تم یہ کہہ سکتے ہو کہ عمیر تمہارے ساتھ تھا۔ عاصم نے تمہارا قافلہ لوٹا اور عمیر کو قتل کر دیا۔ اب ہمیں اُس کی لاش کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اُس کے عزیز خود جا کر تلاش کر لیں گے۔ یہ واقعہ یثرب کی تاریخ کا عظیم ترین سانحہ بن جائے گا۔ قبیلۂ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے ایک آدمی کو امن کے زمانے میں قتل کیا ہے اب ان کی تلواریں بارہ مہینے آپس میں ٹکراتی رہیں گی اور اہلِ یثرب قریش اور بنو کندہ کی لڑائیوں کی داستانیں بھول جائیں گے!"

داؤد نے کہا۔ "لیکن ہم لوگوں کو کیسے یقین دلائیں گے کہ عاصم نے عمیر کو قتل کیا ہے؟"

شمعون نے کہا۔ "تم بہت موٹی عقل کے آدمی ہو۔ اُس کے گھر میں تمہارے اونٹ اور گھوڑے اس بات کی گواہی دیں گے کہ عمیر تمہارے ساتھ تھا۔ اور عمیر کا باپ یہ گواہی دے گا کہ اُس کا بیٹا مفقود الخبر ہے۔ عاصم نے صرف یہ سوچا ہو گا کہ تم عمیر کو زدوکوب کرنے کے بعد انتقام کے خوف سے مڑ کر نہیں دیکھو گے۔ لیکن یہ بات اُس کے ذہن میں نہیں آئی ہو گی کہ تمہارے لئے اُس کو عمیر کا قاتل ثابت کرنا کتنا آسان ہے۔ لیکن ——— میں ایک بات پر حیران ہوں کہ عاصم، عمیر کا گھوڑا اپنے گھر کیسے لے آیا؟ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رات کے وقت اُس نے عمیر کو نہیں پہچانا اور وہ اُسے مردہ یا زندہ چھوڑ آیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اُسے جان کنی کی حالت میں دیکھ کر اُس کی رسیاں کھول دی ہوں اب تم جلدی سے اُس جگہ جاؤ، اگر وہ زندہ مل جائے تو اُسے موت کے گھاٹ اتار کر فوراً واپس آجاؤ اور اگر وہ مر چکا ہے تو اپنے آدمیوں کو اُس کی لاش کی

حفاظت کے لئے چھوڑ کر آجاؤ۔ عاصم کے گھر میں عمیر کا گھوڑا اور خیبر کے راستے میں عمیر کی لاش دیکھنے کے بعد کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔"

داؤد نے کہا۔ "لیکن وہ گھوڑا عمیر کا نہیں تھا بلکہ آپ نے اُسے دیا تھا۔"

شمعون نے کہا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عمیر اُس پر سوار ہو کر تمہارے ساتھ گیا تھا۔ اب تم وقت ضائع نہ کرو۔ تمہاری واپسی تک میں کوئی اقدام نہیں کروں گا۔ میرے اصطبل سے تمہیں تازہ دم گھوڑے مل جائیں گے۔ میں اپنے بیٹوں کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔"

داؤد نے کہا۔ "خدا کی قسم! میں بھی تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکا ہوں۔"

شمعون نے جواب دیا۔ "یہ کام تمہارے آرام سے زیادہ اہم ہے۔ اب دیر نہ کرو، اٹھو!"

داؤد بادلِ ناخواستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے نوکروں اور شمعون کے تین بیٹوں کے ساتھ یثرب کے نخلستانوں سے باہر نکل رہا تھا۔

○

تین دن بعد عمیر اپنے مکان کے ایک کمرے میں چٹائی پر بیٹھا تھا۔ عدی کمرے میں داخل ہوا اور عمیر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹا! آج تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ابا جان! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج سر کا درد بھی کچھ کم ہے۔"

وہ دونوں چٹائی پر بیٹھ گئے۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میرے خیال میں اب تمہیں لوگوں سے چھپنے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں ابھی شمعون سے مل کر آیا ہوں۔ اُس کی توجہ کسی اور طرف مبذول ہو چکی ہے۔ کسی نے خیبر کے ایک یہودی کے اونٹ اور گھوڑے چھین لئے تھے۔ اور اب وہ ہمارے ایک دشمن کے گھر سے مل گئے ہیں۔ یہودی اس بات پر سخت برہم ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ بنو اوس کے خلاف کھلے

بندوں ہماری حمایت شروع کر دیں گے۔"

"یہ اونٹ اور گھوڑے کس کے گھر سے ملے ہیں؟"

"بہیرہ کے گھر سے۔ تم اُس کے بھتیجے کو جانتے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ شمعون کے گھر میں رہ چکا ہے۔ سہیل کے بیٹے کا ڈاکو بن جانا مجھے ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔"

عمیر نے پوچھا۔"آپ کو یہ شمعون نے بتایا ہے کہ خیبر کے یہودی کو عاصم نے لوٹا ہے؟"

"ہاں! رات کے وقت راستے میں حملہ کر کے اُس نے یہودی تاجر کے ایک غلام کو بھی زخمی کر دیا تھا۔"

عمیر نے کچھ سوچ کر کہا۔"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح شمعون نے مجھ پر بہتان لگایا تھا اُسی طرح کسی یہودی نے عاصم پر جھوٹا الزام لگا دیا ہو؟"

عدی نے جواب دیا۔"تمہیں اپنے خاندان کے بدترین دشمنوں کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ اُن کے ہاتھ تمہارے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ آج صبح یہودیوں کے چند سرکردہ آدمی بہیرہ کے گھر پہنچے تو لوٹ کا مال وہاں موجود تھا۔ عاصم نے اپنی صفائی میں یہ کہا ہے کہ اُسے، یہ اونٹ اور گھوڑے یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر راستے میں ملے تھے اور وہ انہیں لاوارث سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ یہ بیان اس قدر احمقانہ ہے کہ خود اس کے اپنے قبیلے کے سرکردہ لوگوں کو یقین نہیں آیا اور انہوں نے بہیرہ کو ملامت کی ہے کہ تمہارا بھتیجا یہودیوں سے بگاڑ کر ہمارے راستے میں کانٹے بو رہا ہے۔ انہوں نے اس جھگڑے کے تصفیے کے لئے کعب بن اشرف کو ثالث مان لیا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ عاصم نے لوٹ کا مال واپس کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"نہیں۔ یہودی اپنا مال لے گیا ہے۔"

"تو پھر اُن کے درمیان جھگڑا کیا ہے؟"

"جھگڑا یہ ہے کہ اُس نے ایک قافلے پر حملہ کیا تھا۔ پھر جب یہودی اُن کے گھر گئے تو شمعون بھی اُن کے ساتھ تھا اور عاصم نے سرکردہ یہودیوں کی موجودگی میں اُس پر ہاتھ اُٹھانے سے دریغ نہیں کیا۔ جب وہ اپنی صفائی پیش کر رہا تھا تو شمعون نے اُسے جھٹلایا اور اُس نے شمعون کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ اُس کے شکنجے سے شمعون

کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا ہے۔"

عمیر نے کہا۔"افسوس کہ میں یہ تماشا نہ دیکھ سکا۔ اور زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ اُس نے شمعون کا صرف ایک دانت توڑنے پر اکتفا کیا۔"

عدی نے کہا۔"اگر وہ سہیل کا بیٹا نہ ہوتا تو میں اُسے انعام دیتا۔ اب مجھے زیادہ خوشی اِس بات کی ہے کہ اِس واقعہ سے یہودی بنو اوس کے خلاف ہو جائیں گے۔ اور انہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ کعب بن اشرف نے کہا ہے کہ یہ معاملہ یثرب کے تمام باشندوں کی توجہ کا محتاج ہے۔ اگر یہاں کے قافلے لوٹنے کی رسم چل نکلی تو یثرب کے یہودی اور غیر یہودی یکساں متاثر ہوں گے۔ پھر یہ واقعہ زمانۂ امن میں پیش آیا ہے، اس لئے کعب نے تمام قبائل کے سرکردہ آدمیوں کو آج سہ پہر کے وقت جمع ہونے کی دعوت دی ہے۔ تاکہ آئندہ ایسے واقعات پیش آنے کا احتمال نہ رہے۔ میں بھی وہاں جا رہا ہوں۔ اور یہ مطالبہ کروں گا کہ عاصم اور اُس کے چچا کو جلا وطن کر دیا جائے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ اوس یہ مطالبہ مان لیں گے۔"

"مجھے یقین ہے۔ یہودیوں کی آواز ہمارے ساتھ ہو گی اور اوس یہ پسند نہیں کریں گے کہ یہودی ہمارے حلیف بن کر اُن کے خلاف میدان میں آجائیں۔ وہ یہودیوں کو مطمئن کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں گے۔ میں نے سنا ہے کہ آج جب عاصم نے شمعون پر ہاتھ اٹھایا تھا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے بھی اُسے ملامت کی تھی۔ بہیرہ کی تو یہ حالت تھی کہ اُس نے اپنے بھتیجے کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا تھا۔"

عمیر نے کہا۔"مجھے ڈر ہے کہ جب اوس اور خزرج کے سرکردہ لوگ کعب کے گھر جمع ہوں گے تو وہیں لڑائی شروع ہو جائے گی۔"

عدی نے جواب دیا۔"کعب کے گھر میں کوئی تلوار اُٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اور اُس نے ہمیں یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہاں کوئی مسلح ہو کر نہ آئے۔"

"ابا جان! آپ کہا کرتے ہیں کہ کعب ایک انتہائی شر پسند آدمی ہے اور اوس و خزرج کو لڑانے میں اُس کی سازشوں کو خاصا دخل ہے۔"

"ہاں! لیکن اس مرتبہ اُس کے شرکا رخ ہماری بجائے اوس کی طرف ہوگا۔" عدی یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا۔

عمیر نے پوچھا۔ "آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"میں اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے جارہا ہوں، ہمیں اِس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! آپ کو شمعون نے یہ بتایا ہے کہ وہ یہودی جس کے گھوڑے چھینے گئے تھے، کون تھا؟"

"نہیں! میں نے اُس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"آپ نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اُس پر حملہ کس جگہ ہوا تھا؟ اور جب اُس پر حملہ ہوا تھا تو وہ کیا کررہا تھا؟"

"نہیں! لیکن ان بے ہودہ سوالات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم ....." آخری الفاظ عدی کے حلق میں اٹک کر رہ گئے اور وہ سکتے کے عالم میں عمیر کی طرف دیکھنے لگا۔

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے ساتھ ایک بے بس آدمی کو زدوکوب کررہا ہو اور اِس بے بس آدمی کی چیخیں سن کر کوئی مسافر وہاں آنکلا ہو۔ اور اُس کی للکار سے یہ ظالم اپنے اونٹ اور گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔ اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مظلوم نوجوان جسے اُس کے ساتھی ادھ موا کرکے چھوڑ گئے ہوں، آپ کا بیٹا ہو ——— ابا جان! بعض حقائق ناقابلِ یقین معلوم ہوتے ہیں اور تکلیف دہ بھی۔" آخری الفاظ کے ساتھ عمیر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔

عدی نڈھال سا ہوکر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک خاموشی سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتا رہا۔

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! وہ عاصم تھا ہمارے بدترین دشمن کا بھتیجا، اور وہ مجھے بستی کے باہر چھوڑ کر نہیں، بلکہ اس کمرے میں پہنچا کر گیا تھا۔"

عدی کرب کی حالت میں چلایا۔ "لیکن تم نے یہ باتیں مجھے پہلے کیوں نہ بتائیں، تمہیں کم از کم تمہیں مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے تھا۔"

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! عاصم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ کہ میں ان واقعات کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔"

"لیکن کیوں؟"

"ہوسکتا ہے کہ وہ میری جان بچانا ایک جرم سمجھتا ہو اور اُسے اِس جرم کی تشہیر گوارا نہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ میرے خاندان اور میرے قبیلے کے سامنے وہ میری تذلیل نہ چاہتا ہو۔ میں نے اُس سے بے بسی کی حالت میں اعانت طلب کی تھی۔ اور اُسے میری حالت پر رحم آگیا تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی روایات سے غداری کررہے تھے۔ ہم دونوں مجرم تھے اور کوئی مجرم اپنے جرم کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ اُس نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے میرا تذکرہ نہیں کیا، لیکن مجھ میں شاید اتنی ہمت نہیں۔ آپ مجھے بے غیرتی اور بے حیائی کا طعنہ دے سکتے ہیں لیکن میرے محسن کو مطعون نہیں کرسکتے۔"

عدی نے کہا۔ "اُس نے میرے سر پر پہاڑ رکھ دیا! لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سہیل کے بیٹے اور ہبیرہ کے بھتیجے نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہو۔ منات کی قسم! میرے خاندان سے وہ اس سے بدتر انتقام نہیں لے سکتا تھا۔"

عمیر نے کہا۔ "ابا جان! آپ نے شمعون کو میرے متعلق تو نہیں بتادیا؟"

"نہیں! اگر تم نے مجھے منع نہ کیا ہوتا تو شاید میں یہ غلطی کر بیٹھتا۔ آج میرے ساتھ اُس کا رویہ بہت شریفانہ تھا۔ اُس کی باتوں سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی چوری کی بجائے تمہاری سلامتی کے لئے زیادہ فکرمند ہے۔"

"ابا جان! اُسے اب صرف اس بات کی فکر ہوسکتی ہے کہ اگر میں زندہ ہوا تو اُس کے لئے یثرب میں سانس لینا مشکل ہوجائے گا۔"

باب (۶)

کعب بن اشرف اپنے مکان کے سامنے کھجوروں کی چھاؤں میں یثرب کے سرکردہ لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے دائیں بائیں اور پیچھے یہود قبائل کے رہنما اور سامنے ایک طرف بنواوس اور دوسری طرف بنوخزرج کے بااثر لوگ بیٹھے تھے۔ اُن کے درمیان کچھ جگہ خالی تھی۔ تماشائی جن میں سے اکثر یہودی تھے ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے اور اُن کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ کعب نے ایک قیمتی قبا پہن رکھی تھی۔ وہ خود ایک چھوٹے سے قالین پر بیٹھا تھا اور دوسرے معززین کھجور کی چٹائیوں پر۔ مدت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اوس و خزرج ایک جگہ جمع تھے اور اس جگہ تلواروں کی جھنکار سنائی نہیں دیتی تھی۔ کعب بن اشرف کی ہدایت کے مطابق وہ خالی ہاتھ آئے تھے۔ لیکن نہتے ہونے کے باوجود اُن کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ یہاں امن و عافیت کی تلاش میں نہیں آئے۔ انہیں ایک دوسرے کے عزائم کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ وہ صرف یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنے آئے تھے۔ قبیلہ خزرج کے معززین کو یہ اُمید تھی کہ اُن کے حریف اِس مجلس سے رسوا ہو کر نکلیں گے اور وہ اپنی تلواریں خون آلود کئے بغیر ایک اہم فتح حاصل کر سکیں گے۔ اگر یہودی بگڑ گئے تو بنواوس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو جائے گی۔ اور بنواوس ہر قیمت پر یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے انہیں اِس بات کا شدید احساس تھا کہ خزرج اور یہودیوں کے اتحاد کے بعد اُن کے لئے یثرب کی فضاء میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔

عدی ارد گرد جمع ہونے والے تماشائیوں کی صف سے نمودار ہوا اور آگے بڑھ کر کعب بن اشرف کے سامنے خالی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے قبیلے کے آدمیوں نے ہاتھ کے اشاروں سے اُسے اپنی طرف بلانے کی کوشش

کی لیکن اُس نے کسی کی طرف توجہ نہ دی۔

کعب نے کہا۔ "عدی، بیٹھ جاؤ!"

عدی نے کہا۔ "میں صرف اِس لئے آیا ہوں کہ مجھے آپ کا پیغام ملا تھا۔ میں اِس اجتماع کی کارگزاری میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتا۔ اور چونکہ یہ معاملہ سراسر قبیلۂ اوس کے ایک فرد اور آپ کی قوم کے ایک آدمی سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ میرے قبیلے کے معززین یہاں جمع ہوتے ہمارے تعلقات ایسے نہیں کہ ہم ایک جگہ بیٹھ سکیں۔"

کعب نے شمعون اور داؤد کی طرف دیکھا اور پھر عدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اگر یہ جھگڑا عاصم اور داؤد تک محدود ہوتا تو آپ میں سے کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ میری قوم اتنی گئی گزری نہیں کہ اُسے اپنے مسائل دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ممکن ہے کہ اِس جھگڑے سے آپ کا تعلق ہم سب سے زیادہ ہو۔ آپ بیٹھ جائیں ہم ہبیرہ اور اُس کے بھتیجے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن کے آنے پر آپ دیکھ لیں گے کہ میں نے آپ کو بلاوجہ تکلیف نہیں دی۔ مجھے کل کسی نے آپ کے بیٹے کے اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ یہ خبر بہت افسوس ناک ہے! اُس کا کوئی سراغ ملا؟"

عدی نے جواب دیا۔ "نہیں! مجھے اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔"

چند تماشائیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ "وہ آ رہے ہیں۔"

عدی اپنے قبیلے کے معززین میں بیٹھ گیا اور ایک ثانیہ بعد ہبیرہ اور عاصم تماشائیوں کے ہجوم سے نکل کر آگے بڑھے۔ ہبیرہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا لیکن عاصم کھڑا رہا۔

کعب نے کہا۔ "نوجوان! تم بھی بیٹھ جاؤ!"

عاصم نے جواب دیا۔ "نہیں، میں ایک ملزم ہوں اور کھڑا رہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں۔"

کعب نے کہا۔ "تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جو گھوڑے اور اونٹ تمہارے گھر سے برآمد ہوئے ہیں وہ داؤد کی ملکیت تھے ——؟"

"معلوم نہیں! وہ مجھے رات کے وقت راستے میں ملے تھے۔ اور میں انہیں لاوارث سمجھ کر اپنے گھر

لے آیا تھا۔ چونکہ داؤد انہیں اپنی ملکیت ثابت کرتا تھا، اِس لئے میں نے اُس کے حوالے کر دیئے۔

کعب بن اشرف نے کہا۔" یہ عجیب بات ہے کہ راستے میں اتنے لاوارث جانور تمہارا انتظار کر رہے تھے میں کئی بار اُسی رستے گیا ہوں مگر مجھے کبھی ایک بکری بھی نہیں ملی۔"

قبیلہ خزرج کے آدمیوں نے قہقہہ لگایا اور بنو اوس خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

عاصم نے کہا۔" اگر آپ کو بکری نہیں ملی تو یہ میرا قصور نہیں۔ ممکن ہے آپ اتنے خوش قسمت نہ ہوں۔ یا رات کے وقت آپ کی آنکھیں دور تک نہ دیکھ سکتی ہوں۔"

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا اور یہودی غضب ناک ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہبیرہ چلایا۔ "عاصم! ہوش سے کام لو۔" اور پھر قبیلۂ اوس کے ایک معمر آدمی نے کعب سے مخاطب ہو کر کہا۔" جناب! آپ عاصم کے لئے جو سزا تجویز کریں گے، ہمیں منظور ہوگی۔"

کعب نے داؤد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" داؤد! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

داؤد اٹھ کر بولا۔" جناب! عاصم نے رات کے وقت ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہمیں اپنے ایک ساتھی کی لاش چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ میرا ایک غلام بھی زخمی ہوا اور میں اُسے راستے کی ایک بستی میں چھوڑ آیا ہوں۔ میں اپنے جانوروں کے متعلق خاموش ہو سکتا ہوں کہ وہ مجھے مل چکے ہیں۔ میں اپنے نوکر کے بارے میں بھی درگزر کر سکتا ہوں کہ اُس کا زخم تشویش ناک نہیں۔ میں یہ بھی معاف کرنے کو تیار ہوں کہ عاصم نے کسی سابقہ دشمنی کے بغیر، مجھ پر امن کے دنوں میں حملہ کیا تھا۔ لیکن یہ معاف نہیں کر سکتا کہ اُس نے میرے ایک بے گناہ ساتھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور رات کی تاریکی میں اُسے تلوار اُٹھانے کا موقع بھی نہیں دیا۔"

داؤد کے ایک ساتھی کے قتل ہو جانے کی خبر بنو خزرج کے لئے خاص طور پر مسرت بخش تھی۔ اب انہیں یقین ہو چکا تھا کہ یہ یہودی اِس بات پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

کعب نے پوچھا۔" قتل ہونے والا کون تھا؟"

" جناب! پیشتر اِس کے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں، آپ کو اِس بات کا اطمینان کر لینا چاہیئے کہ یہ لوگ اِسی جگہ کشت و خون شروع نہیں کر دیں گے۔"

" تم اطمینان رکھو! میں ان سے پُرامن رہنے کا وعدہ لے چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ قوت آزمائی کے لئے میرا گھر منتخب نہیں کریں گے۔"

داؤد نے کہا۔" جناب! مقتول قبیلۂ خزرج کا ایک نوجوان تھا۔ اُس کا نام عمیر تھا۔ عمیر بن عدی۔"

محفل پر ایک ثانیہ خاموشی طاری رہی۔ پھر قبیلہ خزرج کے آدمی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔ لیکن عدی جس کی آنکھوں میں وہ انتقام کی آگ کے شعلے دیکھنا چاہتے تھے انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کسی نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔" عدی — ! سنتے ہو۔ عمیر کو عاصم نے قتل کر دیا۔" اور عدی نے جواب دیئے بغیر اُس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ بنو خزرج کی آوازیں چیخوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

" خاموش! خاموش!" کعب دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے چلایا اور جب محفل میں قدرے سکون کے آثار پیدا ہوئے تو اُس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

عاصم بولا۔" میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ داؤد جھوٹا ہے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

داؤد نے کہا۔" جناب! امن کے دنوں میں ایک عرب کو قتل کرنے کا جرم ایسا نہیں کہ عاصم اپنے قبیلے کے مستقبل سے بے پروا ہو کر اِس کا اعتراف کر لے۔ یہ تو عمیر کی لاش بھی کہیں چھپا چکا ہے اور ہم کوشش کے باوجود اُسے تلاش نہیں کر سکے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ میں نے کوئی بات غلط کہی ہے تو شمعون سے پوچھ لیجئے۔"

کعب نے کہا۔" کیوں، شمعون! تم کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

شمعون نے جواب دیا۔" جناب! عمیر کئی سال سے میرے پاس رہتا تھا۔ ایک دن خدا جانے اُس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ میرے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے گھر سے کچھ نقدی بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس واقعے کی اطلاع میں نے اِس کے باپ کو دے دی تھی۔ اس کے بعد داؤد میرے گھوڑے تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ عمیر یثرب سے نکلنے کے بعد، اُس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عمیر کو کس نے قتل کیا ہے لیکن داؤد کے جانوروں کے علاوہ میرا وہ گھوڑا بھی جو عمیر لے گیا تھا، عاصم کے گھر سے ملا ہے۔ آپ عدی سے پوچھ لیجئے اگر عمیر ابھی تک گھر نہیں پہنچا تو ہمارے لئے یہ یقین

کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ بدنصیب قتل ہو چکا ہے۔ اور مجھے اِس بات کا بے حد ملال ہے کہ اُس کے قاتل نے امن کے دنوں کا بھی احترام نہیں کیا۔ میں نے عدی کو یہ بتا دیا تھا کہ عمیر میرے گھر سے چوری کر کے بھاگ گیا ہے۔ لیکن داؤد سے باقی واقعات سننے کے بعد مجھے یہ بتانے کا حوصلہ نہیں ہوا کہ وہ قتل ہو چکا ہے۔ میری خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ داؤد ابھی تک اُس کی لاش تلاش نہیں کر سکا۔ میرا خیال تھا کہ زخمی ہونے کے بعد شاید وہ کہیں چھپ گیا ہو۔ لیکن اتنے دنوں کے بعد بھی اگر وہ واپس نہیں آیا تو اس کی وجہ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کے قاتل اُس کی لاش بھی ٹھکانے لگا چکے ہیں۔ اگر داؤد کا بیان صحیح مان لیا جائے تو عمیر کا قاتل عاصم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟

کعب عدی کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

عدی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھا اور عاصم کے قریب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اُس نے عاصم کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور پھر اچانک اُس کے بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے چلایا۔ "بیوقوف! تم خاموش کیوں ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ عمیر قتل نہیں ہوا، زندہ ہے۔ اور اُس کے باپ نے تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھنے کیلئے اسے اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم اُسے اپنے کندھے پر اٹھا کر میرے گھر لائے تھے ——؟"

محفل پر ایک سکتہ سا طاری ہو چکا تھا۔ عدی کا ایک رشتہ دار اٹھ کر آگے بڑھا اور اُس کے بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے چلایا۔ "عدی! ہمت سے کام لو۔ عمیر کا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ قبیلہ کا ہر فرد تمہارے دکھ میں شریک ہے۔"

عدی نے اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور چلایا۔ "مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ تم سب پاگل ہو گئے ہو ——"

کعب نے کہا۔ "اسے گھر لے جاؤ، صدمے سے اِس کے حواس ٹھیک نہیں رہے۔"

عدی چلایا۔ "میرے حواس بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کو اِس وقت شمعون اور داؤد کی فکر کرنی چاہیئے۔ اُن سے پوچھئے کہ اب تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئی ہیں۔" حاضرین کی نگاہیں شمعون اور داؤد کی طرف مرکوز ہو گئیں۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا۔ "یہاں ایک ایسا گواہ موجود ہے جو تمہیں بے گناہ ثابت کر سکتا ہے تم اُسے آواز کیوں نہیں دیتے؟ وہ اُن لوگوں کے سامنے آنے کے لئے تمہارے اشارے کا منتظر ہے —— تمہارا جرم صرف یہ ہے کہ تم نے عمیر کو موت کے منہ سے چھڑایا ہے اور تمہیں ڈر ہے کہ

تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں مطعون کریں گے۔ لیکن میں اپنے قبیلے کے لوگوں کے طعنوں سے نہیں ڈرتا۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ تم نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہے اور میں تمہارا احسان مند ہوں۔ رات کے وقت چند یہودی اُسے زدوکوب کر رہے تھے اور تم اُس کی چیخیں سن کر بے چین ہو گئے تھے۔ اگر تمہارا یہ خیال تھا کہ تمہارا احسان مند ہونا میرے لئے باعث ننگ و عار ہے تو تم غلطی پر تھے —— عمیر! عمیر! تم آ سکتے ہو۔"

عمیر تماشائیوں کی پچھلی صف سے نکل کر آگے بڑھا اور عدی اور عاصم کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ ناک اور آنکھوں کے سوا اُس کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ حاضرین دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور کعب بن اشرف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ درست ہے کہ مجھے امن کے زمانے میں قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی لیکن عاصم کا اِس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے مجرم آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہیں۔ شمعون تم مجھے پہچانتے ہو؟"

شمعون، جو کسی حد تک اپنے حواس درست کر چکا تھا، اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا۔ "میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور مجھے اِس بات پر خوشی ہے کہ تم زندہ ہو، اِس کے باوجود کہ تم میرے گھر سے چوری کر کے بھاگ گئے تھے۔"

عمیر نے کہا۔ "تمہیں اِس بات کی خوشی ہے کہ داؤد، جسے تم نے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے منتخب کیا تھا، اپنا فرض پورا نہیں کر سکا۔؟"

شمعون چلایا۔ "یہ جھوٹ ہے، بہتان ہے۔ تم اپنا جرم چھپانے کے لئے مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔"

کعب بن اشرف کے سوا تمام یہودی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور شور مچانے لگے۔ "یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ غلط کہتا ہے۔ ہم شمعون کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔"

عمیر بلند آواز میں چلایا۔ "تم یہ سننا بھی پسند نہیں کرو گے کہ اس پوری کارروائی کا مقصد صرف یہ تھا کہ اوس و خزرج آئندہ امن کے زمانے میں بھی چین سے اپنے گھروں میں نہ بیٹھ سکیں۔ کیا یہ غلط ہے کہ داؤد تمہارے گھر پر مہمان تھا اور تم نے اصرار کیا تھا کہ میں اِس کے گھوڑے خیبر پہنچا آؤں؟ کیا میں پچھلے پہر داؤد کے ساتھ روانہ ہوا تھا؟ کیا تم اِس مجلس میں یہ سننا چاہتے ہو کہ مجھ سے تمہارے عناد کی کیا وجہ تھی اور تم نے مجھے قتل کرنے

کی سازش کیوں کی تھی؟"

شمعون چلایا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ تم نے ہبیرہ کے بھتیجے سے کیا سمجھوتہ کیا ہے لیکن میں ایک چور کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مجھ پر کیچڑ اچھالے۔"

"مجھے یہاں زبان کھولنے کے لئے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں۔"

یہودی یک زبان ہو کر چلانے لگے۔ "ہم کچھ نہیں سننا چاہتے۔ تم جھوٹے ہو۔"

کعب پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا۔ "اگر دو دشمن کسی مجبوری سے ایک دوسرے کے دوست بن جائیں۔ تو کسی کو انہیں مطعون کرنے کا حق نہیں لیکن یہ شرافت نہیں کہ ایک تیسرے فریق کو ہدفِ ملامت بنا لیا جائے۔ میں اوس و خزرج کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اُن کے دو نوجوان مصالحت کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں۔ لیکن میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ شمعون نے عمیر کو قتل کرانے کی سازش کی ہے۔ اوس اور خزرج اگر ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری قوم کا کوئی فرد اُن کے درمیان حائل نہیں ہوگا۔"

ہبیرہ نے بلند آواز میں کہا۔ "اوس اور خزرج کے درمیان کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس قدر بے غیرت نہیں کہ اپنے عزیزوں کا خون بھول جائیں۔"

قبیلۂ خزرج کے ایک آدمی نے کہا۔ "اور تمہارا خیال ہے کہ ہم بے غیرت ہیں۔ منات کی قسم! جب تک ہماری رگوں میں خون ہے ہماری تلواریں نیام میں نہیں جائیں گی۔"

ایک ثانیہ کے اندر اندر محفل کا رنگ بدل چکا تھا اور یہودی جو کچھ دیر پہلے ایک غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کر رہے تھے، اب اطمینان سے اوس و خزرج کے اکابر کی تکرار سُن رہے تھے۔

کعب بن اشرف نے کہا۔ "یاد رہے کہ تم لوگ میرے گھر میں پُر امن رہنے کا وعدہ کر چکے ہو ــــ مجھے توقع ہے کہ ان وعدوں کا پاس کیا جائے گا اور یہاں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آئے گا کہ ہم تمہاری لڑائیوں میں فریق بننے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ۔"

فریقین اپنے اپنے ساتھیوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے اُٹھے اور وہاں سے چل دیئے۔ ہبیرہ نے

عاصم کے قریب سے گزرتے ہوئے اُس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا۔ "عاصم! مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔ عدی کے بیٹے کی جان اتنی قیمتی نہ تھی کہ تم اپنے باپ اور بھائیوں کے خون بھول جاتے۔" اور قبیلہ خزرج کا ایک بزرگ عدی سے کہہ رہا تھا۔ "اگر میرا بیٹا جاں کنی کے وقت بھی اوس کے کسی فرد سے پانی کا گھونٹ طلب کرتا تو میں مرتے دم تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

اوس و خزرج کے معززین عاصم، عدی اور عمیر کو حقارت سے دیکھتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ قبیلۂ اوس کے اکابر کے نزدیک عاصم کا یہ جُرم ناقابلِ معافی تھا کہ اُس نے عدی کے بیٹے کی جان بچائی تھی۔ اور خزرج یہ معاف کرنے کو تیار نہ تھے کہ عدی اور اُس کے بیٹے نے ایک ایسے مرحلے پر عاصم کی حمایت میں اپنی زبانیں کھولی تھیں جب یہودی بنو اوس کے خلاف مشتعل ہو چکے تھے۔ یہ تینوں کچھ دیر پریشان کھڑے رہے، جب ہجوم منتشر ہو گیا تو عاصم وہاں سے چل دیا۔ اور عدی اور عمیر اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور جا کر عمیر نے آواز دی۔

"عاصم! ٹھہرو!"

وہ رُکا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ عمیر نے قریب پہنچ کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا۔ میرے لئے تمہاری یہ توہین ناقابلِ برداشت تھی۔ یہودیوں کے سازش کے خلاف زبان کھولنا میرا فرض تھا تاہم مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر پہلے ہم اپنے اپنے قبیلے کی غیرت کے امین تھے لیکن اب ہم اس عزت سے محروم ہو چکے ہیں۔"

عاصم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔"

عدی نے کہا۔ "تم نے میری گردن پر ایک پہاڑ کا بوجھ لاد دیا ہے، لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے عمیر کو اظہارِ صداقت سے کیوں منع کیا تھا؟ تم یہ جانتے تھے کہ عمیر ساری عمر لوگوں کی نظروں سے چھپ کر نہیں رہ سکتا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر یہودیوں کو فوراً یہ پتہ چل جاتا کہ عمیر اپنے گھر پہنچ چکا ہے تو آج وہ یہ موقف اختیار نہ کرتے۔ میں اہلِ یثرب پر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس قدر جھوٹے، دغاباز اور شر پسند ہیں۔"

"لیکن تم یہودیوں کو شر پسند اور دغاباز ثابت کرنے کے باوجود اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تمہاری کارگزاری کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے اپنے قبیلے کے لوگ تمہارے خلاف ہو گئے ہیں۔"

عاصم نے کہا "جب میرے دل میں عمیر کو گھر پہنچانے کا خیال آیا تو مجھے یہ بھی محسوس ہوا تھا کہ میں ایک جرم کر رہا ہوں۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اور وہ دن دور نہیں جب میرے قبیلے کا ہر ذی شعور آدمی میری طرح محسوس کرے گا۔"

عدی نے کہا "تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری صورت دیکھنے کے روادار نظر نہ آتے تھے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی بڑی شکست کے باوجود تم پُر امید ہو ——"

"اگر آپ یہاں نہ آتے اور آپ کی آواز میری حمایت میں بلند نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ میں اس محفل سے شکست کا احساس لے کر نکلتا، لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں یہ میری پہلی فتح ہے۔"

عدی نے کہا "یہ تمہاری پہلی اور آخری فتح ہے۔ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اوس و خزرج کے لئے نیا ہے۔ اور کوئی تمہارا ساتھ دینا پسند نہ کرے گا۔"

عاصم نے پوچھا۔ کیا آپ بھی میرا ساتھ دینا پسند نہ کریں گے۔"

"مجھے معلوم نہیں —— اس عمر میں شاید میں اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ کر نیا راستہ اختیار نہ کر سکوں۔"

عاصم نے کہا "کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے قبیلے گزشتہ جنگوں سے کافی سبق لے چکے ہیں اور اب کئی خاندان ایسے ہیں جو بظاہر جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں چاہتے کہ یہ بجھتی ہوئی آگ دوبارہ بھڑک اُٹھے۔"

عدی نے جواب دیا —— "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ سر دست لڑائی سے ان خاندانوں کے اجتناب کی وجہ صرف ایک عارضی تھکاوٹ ہے۔ جب یہ تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہمیں ایک دوسرے کو ذبح کرنے کے لئے ایک معمولی بہانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی۔ اوس و خزرج کے درمیان دائمی امن کی تمنا کرنا ایک دیوانگی ہے۔ تم دیوانے ہو عاصم اور شاید میں بھی دیوانہ ہو جاؤں، لیکن اس بستی میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔"

عاصم کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا۔ اور عدی نے عمیر کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آؤ، بیٹا! تم جس زمین پر پھول دیکھنا چاہتے ہو وہ نہیں کانٹوں کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔"

باب (۷)

رات کے وقت کعب بن اشرف یثرب کے پندرہ سرکردہ یہودیوں کے ساتھ اپنے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا تھا۔ شمعون کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ کعب نے اُس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا "بیٹھ جاؤ! ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اب ہمارے لئے تمہاری حماقت کے خطرناک نتائج سے بچنے کی صورت کیا ہے؟ داؤد کہاں ہے؟"

شمعون نے جواب دیا "جناب! وہ خیبر چلا گیا ہے، میں نے اُسے اپنے گھر ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھا۔"

کعب بن اشرف سوچ میں پڑ گیا اور کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر ایک یہودی نے کہا "یہ واقعہ بہت افسوسناک ہے۔ لیکن آپ کو زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اوس و خزرج کے کئی آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک دوسرے کے خلاف اُن کے جذبات وہی ہیں جو پہلے تھے۔ آپ کو اُن کی طرف سے کسی ناخوشگوار ردِ عمل کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

کعب نے کہا "میرے لئے یہ معمولی واقعہ نہیں کہ قبیلۂ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے ایک آدمی کی جان بچائی ہے اور قبیلۂ خزرج کے دو افراد نے اُس کے حق میں گواہی دی ہے۔ اور یہ واقعہ بھی میرے لئے معمولی نہیں کہ انہوں نے برسوں کے بعد ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کی ہے۔"

دوسرے یہودی نے کہا "جناب! اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ اوس اور خزرج پُر امن ہو گئے ہیں تو انہیں کل ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کیا جا سکتا ہے۔"

کعب نے جواب دیا "تم ان لوگوں کو سراسر احمق سمجھنے کی غلطی نہ کرو!" یہ تمہارا کمال نہیں، کہ وہ مدت سے ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ خاندانی منافرت، خونخواری اور انتقام جو، اُن کی سرشت میں داخل ہے۔ لیکن فرض کرو اگر وہ اپنی بقا کے لئے متحد ہو جائیں اور تمہیں اپنا مشترک دشمن سمجھ لیں تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

ایک یہودی سردار نے کہا۔ آسمان پر دو سورج نکل سکتے ہیں لیکن اوس و خزرج متحد نہیں ہو سکتے۔ آج اُن کا کوئی خاندان ایسا نہیں جو اپنے کسی نہ کسی عزیز کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بے چین نہ ہو۔ جب تک اُن کا یہ ایمان ہے کہ مقتول کا انتقام نہ لیا جائے تو اُس کی قبر میں اندھیرا چھایا رہتا ہے اور مرنے والوں کی روحوں کی پیاس صرف دشمن کے خون سے بجھائی جا سکتی ہے، ہمیں اُن کے پُرامن یا متحد ہونے کا کوئی خدشہ نہیں۔ جب تک اہلِ عرب میں قبائلی برتری کا احساس موجود ہے، وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔"

کعب نے کہا۔ "یہ درست ہے کہ عرب ضدی اور جاہل ہیں اور اپنی جہالت و گمراہی پر فخر بھی کرتے ہیں۔ لیکن تم نے شاید یہ نہیں سنا کہ مکہ میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس جہالت اور بے راہ روی کے خلاف آواز بلند کر چکا ہے۔ انہیں اصنام پرستی، بے حیائی، جھوٹ، لوٹ مار اور قتل و غارت سے منع کرتا ہے۔ انہیں سمجھاتا ہے کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اور میں نے سنا ہے کہ قریش جو عرب کے تمام قبائل سے زیادہ مغرور اور خود پسند ہیں، بتدریج اُس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

اہلِ عرب جہالت اور گمراہی کی دلدل میں اس لئے پھنسے ہوئے ہیں کہ کسی نے انہیں سلامتی کا راستہ نہیں دکھایا۔ اُن کی نسلی اور قبائلی منافرتیں اس لئے زندہ ہیں کہ کسی نے انہیں اتحاد کی برکتوں سے آشنا نہیں کیا۔ وہ اپنے معاشرے کی ہر برائی پر اس لئے نازاں ہیں کہ اُن کے ہاں نیکی یا اچھائی کا تصور موجود نہیں، لیکن اگر کسی نے اُن کی ذہنی کایا پلٹ دی تو وہ ایک ایسی قوت کے مالک بن جائیں گے، جس کی مثال ماضی کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ یہ ایک ایسا سیلِ رواں ہوگا جو اپنے راستے کی ہر دیوار کو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گا۔"

یہودیوں کے ایک بااثر قبیلے قینقاع کے ایک سردار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کا اشارہ محمدؐ کی طرف ہے تو آپ اطمینان رکھیئے! وہ ہمارے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکتا۔ آپ اُس کے متعلق سنی سنائی باتوں

سے پریشان ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! مکہ جا کر میں اُسے دیکھ آیا ہوں۔ وہاں لوگ اُس کا مذاق اڑاتے ہیں، اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ قریش کے چند آدمیوں کے سوا مکہ کے انتہائی بے بس مفلس اور نادار لوگ اُس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اور اُن کی حالت یہ ہے کہ انہیں آئے دن زدوکوب کیا جاتا ہے۔ انہیں جھلستی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا ہے اور اُن کے سینوں پر پتھر رکھ دیئے جاتے ہیں۔"

"اور وُہ یہ تمام اذیتیں برداشت کر رہے ہیں؟"

"ہاں! وہ اس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔ مکہ میں قریش کا مقابلہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نبی یا تو قریش کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا پھر اُسے مکہ سے نکلنا پڑے گا۔ اس لئے آپ کو اُس کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس وقت یہاں کے مسائل پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اس جگہ کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اوس و خزرج جلد از جلد ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھیں تاکہ عاصم یا عدی جیسے لوگ اُن کی توجہ ہماری طرف مبذول نہ کر سکیں۔"

کعب نے کہا۔ "مکہ کے نبی کا ذکر کرنے سے میرا مقصد تمہیں مرعوب کرنا نہ تھا۔ میں صرف تمہارے ذہن میں یہ بات بٹھانی چاہتا تھا کہ تمہیں یہ فرض نہیں کر لینا چاہیئے کہ اوس و خزرج ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں گے۔ اُن کے درمیان کسی وقت بھی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ وہ دو بھائیوں کی اولادیں اور ان کا خون ایک ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات پر خاص توجہ دینی چاہیئے کہ عاصم اور عدی جیسے لوگ اُن پر اثر نہ ڈال سکیں۔"

ایک یہودی بولا۔ "جناب! آج یہ حالت ہے کہ اوس کا ہر آدمی عاصم کو ملامت کر رہا ہے اور خزرج کا ہر آدمی عدی اور اُس کے بیٹے کو بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دے رہا ہے۔ آپ کو اس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ لوگ کسی کو متاثر کر سکتے ہیں۔"

شمعون جواب تک خاموش بیٹھا تھا بولا۔ "جناب! میں آپ کو ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔ عاصم کا چچا میرا مقروض تھا اور وہ بھی میرا قرضہ چکانے آیا تھا۔"

کعب نے برہم ہو کر کہا۔ "ہم سب تمہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں لیکن اس خبر میں ہمارے لئے خوشی کی کون سی بات ہے؟"

حاضرین ہنس پڑے اور شمعون نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جناب! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اُس سے قرضہ وصول نہیں کیا۔"

کعب نے پوچھا "میں اس فیاضی کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟"

"جناب! میں اُسے خوش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ عاصم کے طرزِ عمل سے مایوس ہونے کے بعد تمہیں دوسروں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے خاندان کے مقتولین کا انتقام نہیں لے سکتا لیکن اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ مناسب وقت آنے تک اِس رقم کا تقاضا نہ کروں۔ اس لئے ابھی یہ رقم اپنے پاس رکھو۔ میں اس پر ایک سال تک تم سے کوئی سود نہیں لوں گا ——"

"اور وہ تمہاری اِس فیاضی پر خوش ہو گیا تھا؟"

"جی ہاں! وہ یہ کہتا تھا کہ میں اِس رقم سے اپنے قبیلے کے چند اور آدمیوں کو مسلح کر سکوں گا۔ اُس نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے آج کے واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دی وہ یہ سمجھتا ہے کہ عدی کے بیٹے نے عاصم پر جادو کر دیا ہے ——"

کعب نے کہا "اب میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے پاس خزرج کا کوئی آدمی آئے تو اُس کے ساتھ بھی تمہارا یہی سلوک ہونا چاہیئے۔ میں تم سب کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تم اوس اور خزرج دونوں کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے رہو۔ اگر تمہارا روپیہ انہیں لڑائی پر آمادہ کر سکتا ہے تو اُس کا اِس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اوس اور خزرج کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کے لئے اُن کے شعراء سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ تم در پردہ اُن کی سرپرستی کرتے رہو۔ عدی، عمیر اور عاصم کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ لوگ بہت خطرناک معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے ہمیں آگے چل کر اُن کا تدارک کرنا پڑے۔ لیکن فی الحال ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کرتے کیا ہیں۔"

ان واقعات کو تین مہینے گزر چکے تھے اور یثرب کے یہودی اِس بات پر پریشان تھے کہ اِس عرصے میں اوس و خزرج کے درمیان کوئی جھڑپ نہیں ہوئی۔ وہ اپنے اپنے باغوں اور چراگاہوں میں، تیغ زنی، تیراندازی اور نیزہ بازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ اور گھروں سے باہر ہمیشہ مسلح ہو کر نکلتے تھے، اس بات کا احتمال ہر وقت رہتا تھا کہ مبادا کسی پگڈنڈی، کسی گلی یا بازار میں دو افراد یا دو گروہ ایک دوسرے کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر کسی کی زبان حرکت میں آئے، دوسرا جواب دے اور اچانک اُن کے سینوں میں غصے اور انتقام کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے کترا کر نکل جاتے۔ اُن کی تلواروں کو نیاموں سے باہر آنے کے لئے صرف کسی بہانے کی ضرورت تھی۔ وہ غضب ناک نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور بسا اوقات اُن کے ہاتھ تلواروں کے قبضوں تک پہنچ جاتے تاہم کسی کو پہل کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔

عاصم کے لئے امن کے یہ دن انتہائی صبر آزما تھے۔ وہ گھر کے اندر اپنے عزیزوں اور گھر سے باہر اپنے دوستوں کے لئے ایک اجنبی بن چکا تھا۔ وہ چراگاہ میں اپنے مویشی لے کر جاتا تو قبیلے کے بوڑھوں اور جوانوں کی نگاہیں اُسے ہر وقت اِس بات کا احساس دلاتیں کہ وہ کسی انتہائی گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوا ہے۔ اُسے مردانہ کھیل اب بھی پسند تھے اور وہ اپنے قبیلے کے نوجوانوں کے ساتھ تیغ زنی اور تیراندازی کے مقابلوں میں حصہ لیا کرتا تھا، لیکن جب کوئی اوس اور خزرج کی گزشتہ لڑائیوں کا ذکر چھیڑ کر اُسے برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اضطراب کی حالت میں مُنہ پھیر لیتا۔

اُس کا چچا دورِ جاہلیت کے عربوں کی ہر بُری خصلت کا نمائندہ تھا۔ خاندانی غرور اُسے اپنے قبیلے کے لوگوں کے سامنے یہ تسلیم کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا کہ اُس کا بھتیجا غیرت و حمیت سے محروم ہو چکا ہے۔ وہ عاصم کے ناقابلِ فہم ردِ عمل کی صرف ایک ہی توجیہہ کرتا تھا اور وہ یہ تھی کہ عدی یا اُس کے بیٹے نے عاصم پر جادو کر دیا ہے۔ وہ اپنے ہر عزیز اور جان پہچان کے آدمی کو سمجھانے کی کوشش کرتا کہ میرے بھائی کا بیٹا ایسا نہیں تھا۔ وہ ایک شیر تھا اور خزرج کے کسی آدمی کو اُس کی ہمسری کا دعوےٰ نہ تھا۔ وہ اُس کا راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔

وہ اپنے باپ بھائیوں اور عزیزوں کا خون کیسے بھول سکتا ہے۔ وہ قبیلے کے نوجوانوں کو مسلح کرنے کے لئے شام سے تلواریں لایا تھا کہ ہم اپنے بھائیوں اور عزیزوں کا انتقام لے سکیں۔ منات کی قسم! اب اُس پر جادو کا اثر ہے۔"

اور اِس جادو کا اثر زائل کرنے کے لئے وہ کئی جتن کر چکا تھا وہ قدید جاکر منات کے بُت کے سامنے دعائیں مانگ چکا تھا۔ اُس نے یثرب کے لوگوں سے تعویذ اور گنڈے حاصل کئے تھے۔ یثرب کے یہودی جو آسیب کا اثر زائل کرنے میں مشہور تھے باری باری اُس کے گھر آچکے تھے۔ زبردستی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے مختلف بوٹیوں کی دھونی دی گئی تھی۔ اُس کے سامنے عجیب وغریب منتر پڑھے گئے تھے، اور کئی متبرک مقامات کی مٹی اُس کے جسم پر ملی گئی تھی۔ عاصم احتجاج کرتا تھا۔ وہ چلا چلا کر کہتا تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھ پر کسی جادو کا اثر نہیں۔ لیکن کوئی اُس کی چیخ پکار پر کان دھرنے کو تیار نہ ہوتا۔

جب ہبیرہ چاروں طرف سے مایوس ہو چکا تو شمعون نے ایک ایسے یہودی کا پتا دیا جو ہر آسیب کا علاج جانتا تھا۔ ہبیرہ منت اور خوشامد کے بعد اِس یہودی کو اپنے گھر لے گیا اور اُس نے مسلسل تین پہر کئی منتر پڑھنے کے بعد ہبیرہ کو علیحدہ لے جاکر کہا "تمہارے بھتیجے پر ایک خطرناک جادو چل گیا ہے۔ اب اِس کا صرف ایک علاج ہے لیکن میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔"

"کیوں؟" ہبیرہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"اس لئے کہ میں ایک یہودی ہوں اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔" جب ہبیرہ نے باری باری عرب کے تمام بتوں کا نام لے کر یہ قسم کھائی کہ میں کسی سے آپ کا ذکر نہیں کروں گا تو یہودی نے کہا۔ "اگر عاصم اپنے ہاتھ سے جادو کرنے والے کو قتل کر دے اور اِس کے بعد خون آلود تلوار میرے پاس لے آئے تو میں فوراً اِس جادو کا اثر زائل کر دوں گا۔"

"لیکن جادو کس نے کیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے۔ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ ایسا جادو کسی خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔"

"میں اُس دشمن کو جانتا ہوں۔"

اس کے بعد ہبیرہ کے سامنے زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ عاصم کو عدی اور اُس کے بیٹے کے قتل پر آمادہ کرنا تھا اور اِس مقصد کے لئے وہ باری باری اپنے قبیلے کے اُن شعرا کو گھر لایا کرتا تھا، جن کا آتشیں کلام عاصم کے دِل میں غصے اور انتقام کی آگ بھڑکا سکتا تھا۔ یہ شعراء اُس کے باپ اور بھائیوں کے دردناک قتل کے واقعات بیان کرتے تھے۔ اُن کی قبروں کی تاریکی کا ہولناک منظر کھینچتے تھے، اُن کی پیاسی روحوں کی فریاد سناتے تھے جو دشمن کے خون کے لئے پکار رہی تھیں۔ آخر میں وہ عدی اور عمیر کی خوشیوں کا ذکر کرتے جنہوں نے جادو کے اثر سے قبیلۂ اوس کے ایک قابلِ فخر نوجوان کو مردانہ خصائل سے محروم کر دیا تھا۔

ہبیرہ کی ان تھک کوششوں کو دیکھ کر کبھی کبھی عاصم کو یہ شبہ ہونے لگتا کہ شاید یہ باتیں صحیح ہوں۔ لیکن پھر وہ اپنے دل سے یہ سوال کرتا کہ اگر عدی یا عمیر نے مجھ پر جادو کر دیا ہے تو اُن پر کس نے جادو کیا ہے، اگر میں نے عمیر کو اپنا دشمن جانتے ہوئے اُس کی جان بچائی تو کیا انہوں نے بھری محفل میں میری حمایت نہیں کی؟ اگر میرے عزیز واقارب مجھے یہ طعنہ دیتے ہیں کہ میں اپنے باپ اور بھائیوں کا خون بھول چکا ہوں تو کیا عدی کو اُس کے عزیز واقارب یہ طعنہ نہیں دیتے ہوں گے کہ وہ اپنے تین بیٹوں اور دو بھائیوں کا خون بھول چکا ہے۔ پھر وہ سمیرا کے متعلق سوچتا اور اُسے اپنے تیرہ وتار ماحول میں نئی امیدوں اور آرزوؤں کے چراغ جھلملاتے دکھائی دینے لگتے۔

سمیرا سے پہلی ملاقات کے بعد وہ پورے ایک مہینے ایک ناقابلِ برداشت ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُس سے دوبارہ ملاقات کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ زندگی میں ہمارے راستے اور منزلیں مختلف ہیں۔ عدی کو ایک اتفاقی حادثہ نے متاثر کیا ہے لیکن وہ اپنی بیٹی کے متعلق کوئی طعنہ، برداشت نہیں کرے گا...... اور سمیرا کو بھی یہ معلوم ہے کہ میں اُسے مایوسی کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے اور سرزمین عرب کا کوئی گوشہ ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا —— پھر جب نیا مہینہ قریب آرہا تھا تو اُسے اپنے خیالات وعزائم میں ایک لچک سی محسوس ہونے لگی۔ وہ سوچتا۔ جب جنوب کے افق سے وہ تابناک ستارہ نمودار ہوگا تو وہ میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی —؟ نہیں! مجھے ایک بار اُس سے ضرور ملنا چاہیئے۔ صرف یہ بتانے کے لئے کہ یہ صرف دیوانگی ہے۔ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔ میری تنگ اور تاریک دنیا میں تمہارے

لئے کوئی جگہ نہیں۔ تم میرے قبیلے کے ہر فرد کو اپنا دشمن پاؤ گی اور تمہارے قبیلے کا ہر فرد تمہارے باپ اور بھائیوں کو طعنے دے گا۔ سمیرا تمہاری عافیت اِسی میں ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔

پھر جب رات کے وقت وہ ٹیلے کے دامن میں کھڑے ایک دوسرے کی دھڑکنیں سُن رہے تھے تو اُن میں سے کسی کو بھی اِس بات کا احساس نہ تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ وہ ماضی کی تلخیاں اور مستقبل کے خدشات بھول چکے تھے۔ وہ جس حال میں سانس لے رہے تھے اُس کا ایک ایک لمحہ انہیں ماضی کے برس ہا برس پر حاوی معلوم ہوتا تھا۔

"سمیرا!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا۔"

سمیرا ہنس پڑی۔ اور تاریک رات کا دامن اچانک مسرت کے ان گنت ستاروں سے جگمگانے لگا۔ عاصم کو اپنے الفاظ کھوکھلے، بے معنی اور مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے اور عاصم نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "سمیرا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟"

"کس بات کا؟"

"یہی کہ میں پھر یہاں نہیں آؤں گا۔"

وہ بولی۔ "نہیں، اگر آپ یہ بات ہزار بار دہرائیں تو بھی میں یقین نہیں کروں گی۔"

"کیوں ——؟"

"مجھے معلوم نہیں! میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ کسی کا دل نہیں دُکھا سکتے۔"

"لیکن اِس کا انجام کیا ہوگا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اوس و خزرج ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور ان کی دشمنی ہمارے درمیان آگ کے ایک پہاڑ کی طرح حائل رہے گی۔"

"اس وقت مجھے آگ کا پہاڑ دکھائی نہیں دیتا۔" سمیرا نے دوبارہ ہنسنے کی کوشش کی لیکن ایک مغموم قہقہہ اُس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ بالآخر عاصم نے پوچھا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو سمیرا؟"

اُس نے جواب دیا۔ "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم نے دن کی روشنی میں ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔"

"تم جانتی ہو کہ دن کی روشنی میں ہم ایک دوسرے کو شاید کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور یہ بھی محض اتفاق تھا کہ ہم نے پچھلی دفعہ چراغ کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا۔ ہماری رفاقت، تاریک رات کے مسافروں کی رفاقت ہے۔ اور تاریک رات میں بھٹکنے والے مسافر کبھی کبھی ایک دوسرے سے بچھڑ بھی جایا کرتے ہیں۔"

سمیرا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "کاش! ہم دو ستارے ہوتے۔ اور ساری رات ایک دوسرے کو تکتے رہتے۔"

"تمہیں ستارے بہت پسند ہیں؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "میں ہمیشہ ستاروں کی طرف دیکھا کرتی ہوں۔ آپ کو معلوم ہے شام کے وقت مغرب سے ایک نہایت چمکدار ستارہ طلوع ہوتا ہے؟"

"ہاں! اُسے زہرہ کہتے ہیں۔"

میں اُسے اپنا ستارہ سمجھتی ہوں اور میں نے زہرہ کی بجائے اُس کا نام سمیرا رکھ دیا ہے۔ اور یہ ستارہ۔" اس نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دنوں سے یہ بھی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے اس کا بھی ایک نام رکھ دیا ہے۔"

"کیا نام ہے وہ؟"

"عاصم۔" سمیرا نے جواب دیا۔

وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالآخر عاصم نے کہا۔ "اب مجھے جانا چاہیئے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سمیرا نے کہا۔ "عاصم یہ مہینہ بہت طویل تھا۔ اور اگلا مہینہ میرے لئے اس سے بھی زیادہ طویل ہوگا۔ تم آؤ گے نا؟ لیکن تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ تم آؤ گے۔"

"میں ضرور آؤں گا۔"

اور دوسرے مہینے عاصم نسبتاً زیادہ یقین اور خود اعتمادی کے ساتھ یہ ارادہ لے کر آیا تھا کہ سمیرا سے اُس کی یہ ملاقات آخری ہوگی لیکن جب وہ ٹیلے کے دامن میں پہنچا تو سمیرا وہاں موجود نہ تھی۔ وہ دیر تک انتظار کرتا رہا۔ بالآخر مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ ایک صبر آزما انتظار کی کوفت کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس

کر رہا تھا کہ وہ ایک تلخ فریضہ ادا کرنے سے بچ گیا ہے۔ اگر سمیرا خود ہی یہ سمجھ گئی ہے کہ میں اُسے آلام و مصائب کے سوا کچھ نہیں دے سکتا تو اُس نے بُرا نہیں کیا۔ لیکن ٹیلے سے نیچے اترتے وقت جب اُسے یہ خیال آیا، کہ شاید وہ بیمار ہو یا کسی اور وجہ سے نہ آسکی ہو تو وہ اپنے دل میں ایک اضطراب سا محسوس کرنے لگا۔ کچھ دیر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑے رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اُسے کسی کی آواز سنائی دی "ٹھہریئے !"

وہ رُک گیا۔ سمیرا بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور ہانپتے ہوئے بولی "میرا خیال تھا کہ آپ جا چکے ہوں گے۔ آج نعمان کو بخار ہے اور ابا جان اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ ابھی سوئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اتنی دیر انتظار کرنا پڑا، لیکن میرے لئے گھر سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ اب بھی مجھے ڈر ہے کہ نعمان کہیں ابا جان کو جگا نہ دے وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بے چین ہو کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اِس لئے میں جاتی ہوں لیکن اب میں ایک مہینے آپ کا انتظار نہیں کروں گی۔ نعمان کی علالت کی وجہ سے میں شاید دو تین دن گھر سے نہ نکل سکوں اِس لئے آپ کو اگلے ہفتے آنا چاہیئے۔ آپ آئیں گے نا۔؟"

عاصم نے کہا "سمیرا میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ........"

سمیرا نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا "جب آپ دوبارہ آئیں گے تو ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے اگلے ہفتے آج ہی کے دن آدھی رات کے وقت میں آپ کا انتظار کروں گی۔ اگر آپ اگلے ہفتے نہ آسکیں تو اس چاند کی چودھویں رات کو ضرور آئیں۔ بتایئے آپ کب آسکتے ہیں؟ آپ خاموش کیوں ہیں۔؟"

عاصم نے کہا "بہت اچھا سمیرا میں چودھویں رات کو یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر میں نہ آ سکوں تو تم بُرا تو نہ مانو گی؟"

"نہیں! میں یہ سمجھوں گی کہ آپ کسی مجبوری کے باعث نہیں آسکے لیکن میں اُس کے بعد ہر رات آپ کا انتظار کیا کروں گی۔ اگر مجھے نعمان کے متعلق اطمینان ہوتا۔ تو میں آپ کو کل ہی یہاں آنے پر مجبور کرتی اب یہ چودہ دن مجھے چودہ مہینوں سے زیادہ طویل محسوس ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "لیکن چاندنی رات میں ہمارے لئے یہ ٹیلا محفوظ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اس طرف آگیا تو ہمیں دور سے دیکھ لے گا۔"

"یہ جگہ بالکل اجاڑ ہے۔ ہمارا گھر بستی کے آخری سرے پر ہے۔ رات کے وقت اِس طرف کوئی نہیں آتا۔ پھر بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہیئے۔ دیکھئے چاند کی روشنی میں ہمارا باغ زیادہ محفوظ ہوگا۔ میں اِدھر سے دائیں طرف باغ کے کونے میں آپ کا انتظار کروں گی۔ وہاں گھنے درختوں میں چاند کے سوا ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اب میں جاتی ہوں۔"

عاصم نے مضطرب سا ہو کر کہا "سمیرا ذرا ٹھہرو!"

وہ رک گئی تو عاصم نے ایک ثانیہ توقف کے بعد کہا "تم نے یہ کہا تھا کہ ہم ابھی تک ایک دوسرے کو دن کی روشنی میں نہیں دیکھ سکے۔ سنو! اگر کل طلوع آفتاب کے وقت تم اِس ٹیلے کے دوسری طرف آسکو تو میں گھوڑے پر سوار ہو کر اِدھر سے گزرنے کی کوشش کروں گا ——"

"لیکن اگر آپ نہ آئے تو میں غروب آفتاب تک وہیں بیٹھی رہوں گی ——"

"میں ضرور آؤں گا ——"

سمیرا وہاں سے چل پڑی۔ چند قدم اٹھانے کے بعد رُکی اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد بھاگتی ہوئی درختوں میں روپوش ہوگئی۔ عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر ایک لمبی سانس لینے کے بعد اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اُسے اِس بات کا احساس ضرور تھا کہ وہ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔ لیکن وہ کسی پریشانی یا اضطراب کی بجائے ایک طرح کا سکون اور اطمینان محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ مجھے اُس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اتنی مختصر سی ملاقات میں میں اُسے کس طرح تمام باتیں سمجھا سکتا تھا —— اُس کے آنسو پونچھنے، تسلی دینے اور حال اور مستقبل کی ہولناکیوں کے متعلق اُسے اپنا ہم خیال بنانے کے لئے وقت کی ضرورت تھی —— لیکن کیا یہ درست ہے کہ اگر آج مجھے اُس کے ساتھ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع مل جاتا تو ہماری ملاقات آخری ہوتی؟"

عاصم اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک بے پناہ [illegible] کے سامنے اُس کے ذہنی حصار کی تمام بنیادیں مسمار ہو رہی ہیں اور وہ ایک ایسی چیز سے نجات حاصل کرنے

کی کوشش کر رہا ہے جو اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے۔ اُس کا سکون و اطمینان پھر ایک بار اضطراب میں تبدیل ہو رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "سمیرا، کاش! ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔ کاش! تم عدی کی بیٹی یا میں سہیل کا بیٹا نہ ہوتا۔ میں تمہیں کیسے سمجھا سکوں گا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں ہیں۔ میں اپنے آپ کو بھی یہ کیسے سمجھا سکتا ہوں کہ میں نے جس راستے پر قدم اٹھایا ہے وہ سمیرا کے گھر کی چار دیواری کے باہر ہی ختم ہو جاتا ہے اس سے آگے اس کی کوئی منزل نہیں۔ ہم کس قدر مجبور اور بے بس ہیں، ہم کتنے نادان اور بیوقوف ہیں۔ نہیں، نہیں، سمیرا مجھے ایک نہ ایک دن ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ اگر اگلی ملاقات پر نہیں تو اُس سے اگلی ملاقات پر مجھے اپنے دل پر جبر کر کے تم سے یہ کہنا پڑے گا کہ ہم نے جو خواب دیکھے ہیں اُن کی کوئی تعبیر نہیں۔ ہم نے امیدوں کے جو محل تعمیر کئے ہیں اُن کی کوئی بنیاد نہیں۔ ہمارے مقدر میں محرومی اور بدنصیبی کے سوا کچھ نہیں، پھر ہم اُس دن کا انتظار کیوں کریں جب زمانے کے بے رحم ہاتھ ہمیں زبردستی ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔ ہم اپنے اپنے خاندانوں اور قبیلوں کو یہ موقع کیوں دیں کہ وہ تلواریں سونت کر ہمارے درمیان کھڑے ہو جائیں۔ ہم ایک تاریک اور خطرناک راستے پر اتنی دور کیوں چلے جائیں کہ ہمارے لئے مڑ کر دیکھنا بھی مشکل ہو جائے۔ سمیرا! میری سمیرا! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ہمت سے کام لو گی۔ تم آنسو نہیں بہاؤ گی۔ میں اپنے انجام سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میں تمہیں اُن راستوں پر نہیں لے جاؤں گا جو کانٹوں سے بھرے ہیں۔ تم ایک عورت ہو اور تمہارے آلام و مصائب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوں گے۔"

گھر میں اپنے بستر پر لیٹتے وقت عاصم کو صبح کی ملاقات کا وعدہ یاد آیا اور وہ دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ اگلے دن طلوعِ آفتاب کے وقت عاصم نے ٹیلے کے قریب اپنا گھوڑا روکا اُسے اچانک یہ محسوس ہوا کہ اُس کی دنیا کی ساری دلفریبی رعنائی اور دلکشی سمٹ کر سمیرا کے وجود میں آگئی ہے۔ وہ اُس کے سامنے چند لمحات سے زیادہ نہ رک سکا لیکن یہ چند لمحات اُس کے شعور و احساس کی ساری وسعتوں کو اپنے آغوش میں لے چکے تھے۔

سمیرا کے چہرے پر اُمید کی روشنی، ہونٹوں پر زندگی کی مسکراہٹیں اور آنکھوں میں محبت کی التجائیں تھیں۔ اور اِس روشنی، ان مسکراہٹوں اور ان التجاؤں کے سامنے اُسے اپنے ماضی کے آلام و مصائب، حال کی الجھنیں اور مستقبل کے خدشات بے حقیقت محسوس ہو رہے تھے۔

انہوں نے دبی زبان سے ایک دوسرے کا نام لیا اور اُن کی خاموش دنیا نغموں سے لبریز ہو گئی۔

سمیرا نے کہا۔ "عاصم! اب آپ چلے جائیں"۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُس کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اُٹھیں۔ عاصم نے ایسا محسوس کیا کہ کسی نے اُسے جھنجھوڑ کر خواب سے بیدار کر دیا ہے — اُس نے ادھر ادھر دیکھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

باب (۸)

ایک دِن سہ پہر کے وقت ہبیرہ اپنے مکان کے صحن میں، کھجور کے گھنے درختوں کے نیچے سو رہا تھا، اور سعاد اس سے چند قدم کے فاصلے پر بیٹھی اُون کات رہی تھی۔ عاصم صحن میں داخل ہُوا اور سعاد نے اُسے دیکھتے ہی منہ پھیر کر یہ گیت گانا شروع کر دیا۔

"دشمن نے میرے عم زاد پر جادو کر دیا ہے۔ اُس کے ہاتھ تلوار
اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ اب ان روحوں کی پیاس کون
بجھائے گا جو دشمن کے خون کے لئے تڑپ رہی ہیں۔"

عاصم کچھ دیر غصے اور اضطراب کی حالت میں کھڑا رہا، بالآخر اُس نے کہا "سعاد! اگر تم نے میرے سامنے دوبارہ یہ گیت گانے کی کوشش کی تو میں تمہارا چرخا توڑ ڈالوں گا۔"

سعاد نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا چرخا توڑنے کے سوا آپ اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ لیکن اس میں خون نہیں جو آپ کے باپ اور بھائیوں کی روحوں کی پیاس بجھا سکے۔"

سعاد کا یہ طعنہ عاصم کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اُسے بے حد عزیز تھی اور ہر معاملے میں اُس کی طرفداری کیا کرتی تھی۔ لیکن عمیر کی جان بچانے کے بعد وہ اپنے چچا اور دوسرے رشتے داروں کی طرح سعاد کی نظروں سے بھی گر چکا تھا۔ ابتدا میں وہ اُس سے یہ کہا کرتی تھی کہ میری سہیلیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ تمہارا عم بزدل ہو گیا ہے لیکن جب اِس قسم کی باتیں بے اثر ثابت ہوئیں تو اُس نے اپنے والدین کی تقلید میں اُسے چڑانا

شروع کر دیا۔ سعاد کے اِس طرزِ عمل نے عاصم کے لئے گھر کی فضا کو بہت زیادہ مسموم بنا دیا تھا۔

اُس نے کہا "سعاد! تمہیں زیادہ دن اِس قسم کے گیت گانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

سعاد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"تمہیں اِس سے کیا؟"

سعاد کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی اُس کی طرف دیکھتی رہی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ بالآخر اُس نے کہا "بھائی جان! اگر آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں تو میں کبھی ایسے گیت نہیں گاؤں گی۔"

عاصم نے قدرے نرم ہو کر کہا "میں تم سے خفا نہیں ہوں، لیکن کچھ عرصہ کے لئے میرا یہاں سے جانا ضروری ہے۔"

سعاد نے کہا "نہیں، نہیں! ابا جان آپ کو اجازت نہیں دیں گے۔"

ہبیرہ نے اچانک آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے، عاصم! تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں شام جا رہا ہوں۔"

ہبیرہ نے مضطرب ہو کر کہا "تم گھر چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو؟"

"نہیں، میں تجارت کی نیت سے جا رہا ہوں۔"

"لیکن تم جانتے ہو کہ ایرانی لشکر کی پیش قدمی کے باعث عرب کے تاجر اب شام کا رُخ نہیں کرتے۔"

عاصم نے جواب دیا "مجھے پرسوں یہ اطلاع ملی تھی کہ قبیلہ غطفان کے تاجر جن کے ہمراہ میں نے یروشلم سے سفر کیا تھا، عنقریب دوبارہ شام جا رہے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ سردست ایرانیوں کی پیش قدمی سے دمشق اور یروشلم کو کوئی خطرہ نہیں۔ شمال کے شہروں میں سراسیمگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں سے بعض خوشحال لوگ اپنا مال و متاع سمیٹ کر قسطنطنیہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ لیکن اِس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہاں بعض قیمتی اشیاء نہایت سستے داموں بک رہی ہیں۔ اگر آپ پچھلے نفع میں سے کچھ رقم دے سکیں تو میرا یہ سفر بھی بہت کامیاب ہو گا۔ اگر میں نے دمشق سے آگے جانے میں کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہیں سے واپس آ جاؤں گا۔ اب تک دمشق اور شام کے شمالی علاقوں سے تاجروں کے کئی اور قافلے دمشق پہنچ چکے ہوں گے۔ اور وہاں کپڑا اور بھی سستا ہو گیا۔

ہوگا۔ اگر مجھے اِس سفر سے کسی فائدے کی اُمید نہ ہوتو بھی کچھ عرصے میرا گھر سے دُور رہنا ضروری ہے۔"

ہبیرہ دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اُس نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں تمہارے حصّے کی رقم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ وہ تم جب چاہو لے سکتے ہو لیکن مجھے تمہاری تجارت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب مجھے لوگوں کا یہ طعنہ بھی سننا پڑے گا کہ میرا بھتیجا بنو خزرج کے خوف سے گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ تم اگر چاہو تو اپنے حصّے کا باغ بھی فروخت کر سکتے ہو ——"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! آپ کو معلوم ہے کہ میں لڑائی سے نہیں ڈرتا لیکن اوس اور خزرج کی لڑائی کا نتیجہ، ہم دونوں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے صرف یہودیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "یہ تمہارے خیالات نہیں ہو سکتے، یہ کسی کا جادو بول رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ گزشتہ جنگ میں تعداد اور اسلحہ کی برتری کے باعث خزرج کا پلہ بھاری رہا ہے۔ لیکن فتح کے باوجود دشمن کو کئی مہینے ہمارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد دشمن نے اچانک تمہارے باپ کو قتل کر دیا۔ اور ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ آئندہ لڑائی کیلئے پہل ہم کریں۔ جب تم شام سے تلواریں خریدنے گئے تھے تو خزرج نے ہمیں متعدد بار لڑائی کے لئے للکارا تھا، لیکن میں نے سمجھا بجھا کر اپنے قبیلے کے آدمیوں کا جوش ٹھنڈا کر دیا کرتا تھا۔ میں انہیں یہ سمجھایا کرتا تھا کہ کچھ دن صبر و تحمل سے کام لو۔ تمہیں لڑائی کے لئے اچھی تلواروں کی ضرورت ہے اور عاصم تمہارے لئے شام سے بہترین تلواریں لا رہا ہے۔ تمہیں لڑائی میں ایک بہادر راہنما کی ضرورت ہے اور وہ میرے بھتیجے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمہیں اُس کا انتظار کرنا چاہیئے۔ قبیلے کے جوان مجھ سے بار بار پوچھا کرتے تھے کہ عاصم کب آئے گا؟ ہمیں اپنے دشمنوں سے بزدلی اور بے غیرتی کے طعنے کب تک سننے پڑیں گے —— ؟ لیکن تم آئے تو تمہاری دنیا بدل چکی تھی۔ قبیلے کی عزت اور ناموس کا لحاظ تو درکنار، تمہاری نگاہ میں اپنے باپ کے خون کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی۔ اب قبیلے کے لوگ مجھ پر ہنستے ہیں۔ کاش! میں اِس دن کے لئے زندہ نہ رہتا۔ لیکن مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں یہ سب عمیر یا عدی کے جادو کا اثر ہے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ جب تک تم اپنی تلوار سے اُن کا خون نہیں بہاتے اِس خطرناک جادو کا اثر زائل نہیں ہوگا ——"

عاصم نے کہا۔ "لیکن چچا جان! میں پھر وہی سوال کرتا ہوں کہ اگر مجھ پر کسی کے جادو کا اثر ہے تو قبیلۂ خزرج کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بھی تو اڑھائی مہینے لڑائی کے لئے پہل کرنے کی جرأت نہیں کی۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "انہیں پہل کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ فاتح ہیں اور اپنے ہر مقتول کا قصاص لے چکے ہیں۔ پھر تمہارے طرزِ عمل سے انہیں یہ اطمینان بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ لیکن وہ پہل کریں یا نہ کریں اب ہمارا قبیلہ دیر تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ میں اُن سے یہ نہیں کہوں گا کہ کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ ذرا میرے بھتیجے پر سے جادو کا اثر زائل ہو جائے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمارے قبیلے کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یثرب کے یہودی ہم سے زیادہ دور اندیش ہیں وہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ ضرور کھڑا کر دیں گے کہ اوس و خزرج ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اٹھانے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارے درمیان امن کے یہ اڑھائی مہینے اُن کیلئے کچھ کم تکلیف دہ نہیں تھے۔"

ہبیرہ نے برہم ہو کر کہا۔ "تم ہر بات میں یہودیوں کا ذکر لے آتے ہو۔ لیکن انہیں ملامت کر کے تم اپنی ذمہ داریوں سے نہیں بچ سکتے۔"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! کیا یہ درست نہیں کہ یہودی درپردہ اوس و خزرج کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ دونوں کو قرض دیتے ہیں تاکہ ہم لڑائی جاری رکھ سکیں؟ کیا انہوں نے مجھ پر عمیر کے قتل کا جھوٹا الزام نہیں لگایا تھا؟"

ہبیرہ نے کہا۔ "میں تمہیں یہودیوں کو ملامت کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن تم نے ان باتوں سے یہ نتیجہ کیسے نکالا کہ بنو خزرج ہمارے دوست بن گئے ہیں؟"

"بنو خزرج ہمارے دوست نہیں لیکن میں اُن سے زیادہ خطرناک دشمن کو دیکھ چکا ہوں —— میں کسی ایسی لڑائی کے لئے تلوار نہیں اٹھا سکتا، جس سے صرف یہودیوں کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو۔"

ہبیرہ نے سوال کیا۔ "کیا جب ہمارے بچے، بوڑھے اور جوان خزرج کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے تو تم اُس وقت بھی تلوار اٹھانے میں پس و پیش کرو گے؟"

"معلوم نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اُس وقت یہاں نہیں ہوں گا، اور مجھے یہودیوں کے چہروں پر خوشی کی مسکراہٹیں دیکھنے کی اذیت برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔

چچا! میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کیا اوس اور خزرج دو بھائی نہ تھے؟ کیا ہمارا اور ان کا خون ایک نہیں ——؟"

ہبیرہ نے غضب ناک ہو کر اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل پاگل ہو گئے ہو۔ کاش! میں تمہارے جادو کا علاج کر سکتا —— تم جہاں چاہو، جا سکتے ہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا۔ میں یہ سمجھوں گا کہ میرے بھائی کا بیٹا، جس کی غیرت اور حمیت پر میں فخر کر سکتا تھا، مر چکا ہے۔"

ہبیرہ کی بیوی کمرے سے باہر نکلی اور آگے بڑھ کر بولی۔ "کیا ہوا؟ آپ لڑکیوں کی رہے ہیں؟ کیا جادو کا اثر ان باتوں سے زائل ہو جائے گا ——؟"

ہبیرہ نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کی بیوی سعاد کے قریب بیٹھ گئی۔ قدرے توقف کے بعد اُس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "سالم نہیں آیا؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "وہ عباد کے ساتھ مویشی لے کر آ رہا ہے۔ میں ذرا پہلے آ گیا تھا۔"

○

اچانک صحن سے باہر چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں اور یہ سب پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہبیرہ کی بیوی کا بھائی منذر بن عقیل۔ اُس کے دو جوان بیٹے مسعود اور جابر اور اُن کے پیچھے قبیلے کے سات اور آدمی صحن میں داخل ہوئے۔

ہبیرہ پریشانی کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور منذر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے۔"

منذر نے جواب دیا۔ "تمہیں عاصم نے کچھ نہیں بتایا؟ اس نے آج ایک اور معرکہ سر کیا ہے۔"

ہبیرہ نے عاصم کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش کھڑا رہا۔ عاصم کی چچی نے منذر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "بھائی جان! کیا ہوا؟"

منذر نے جواب دیا۔ "عدی کے لڑکوں نے ہماری چراگاہ پر حملہ کر دیا تھا اور عاصم نے ہمارے خلاف اُن کی حمایت کی ہے۔"

عاصم چلایا۔ "یہ غلط ہے۔ اُن کی چند بکریاں اور اونٹ ہماری چراگاہ کے قریب آ گئے تھے۔ مسعود اور جابر

اُنہیں گھیر کر چراگاہ کے اندر لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد عدی کے بیٹے اور نوکر پہنچ گئے اور میں نے اُن کے جانور ان کے حوالے کر دیئے۔"

منذر نے کہا۔ "اور تمہیں میرے بیٹوں کے مقابلے میں اُن کی طرف داری کرتے ہوئے شرم نہ آئی۔؟"

جابر بولا۔ "عاصم بالکل جھوٹ کہتا ہے، ان کے جانور ہماری چراگاہ میں پہنچ چکے تھے اور ہم اُن پر قبضہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ اُن کے نوکروں نے ہمیں دھمکیاں دیں اور شور مچا کر اپنے قبیلے کے آدمیوں کو جمع کر لیا۔ ہم اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہے تھے کہ عاصم نے جانوروں کو ہانک کر اُن کی طرف بھیج دیا اور ہمیں ملامت کی۔"

عاصم کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "جابر اگر تمہارے والد اور میرے چچا یہاں موجود نہ ہوتے تو تم مجھے جھوٹا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔"

منذر نے غضبناک ہو کر کہا۔ "تم میرے بیٹے کو مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو، اگر آج میں وہاں موجود ہوتا تو دیکھتا کہ عدی کے بیٹے کس طرح اپنے جانور چھوڑا کر لے جاتے ہیں، اور تمہیں ہمارے دشمنوں کی حمایت میں زبان کھولنے کی کیسے جرأت ہوتی ہے۔"

عاصم نے حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "اگر آپ وہاں ہوتے تو ملاحظہ فرماتے کہ خزرج کے چند آدمیوں کو جمع ہوتے دیکھ کر آپ کے دونوں فرزند بھیڑوں کی طرح ممیا رہے تھے اور انہیں اس بات کا بھی احساس نہ تھا کہ ان کی آوازیں پہاڑ کے دوسری طرف یا تو چرواہوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ خزرج کے آدمیوں سے ٹکرانے والے دوسرے تھے۔ ان جوانمردوں کو تو اُن کے قریب جانے کا حوصلہ بھی نہ ہوا۔ یہ کم از کم سو قدم دور کھڑے تھے اور مسعود نے تو ایک اونٹ بھی پکڑ رکھا تھا تاکہ بھاگنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنی ٹانگوں کی بجائے پرائی ٹانگوں سے کام لیا جا سکے۔"

مسعود نے کہا۔ "تم بکتے ہو۔ میں نے قبیلے کے دوسرے آدمیوں کو اطلاع دینے کے ارادے سے اونٹ پکڑا تھا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن تم نے ان کے جانور گھیرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچا تھا، کہ جب ان کے آٹھ دس آدمی جمع ہو جائیں گے تو تمہیں ان کا سامنا کرنے کی بجائے دوسروں کی طرف بھاگنے کی ضرورت محسوس ہو گی، کیا یہ صحیح نہیں کہ اس وقت بھی وہاں ہمارے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی؟"

"لیکن تم ہمارے آدمیوں کو لڑائی سے منع کر رہے تھے۔"

"ہاں! میں انہیں منع کر رہا تھا۔ لیکن اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ لڑائی کے وقت دشمن کا پہلا وار تم روکو گے تو میں تمہیں مایوس نہ کرتا۔ کیا یہ درست نہیں کہ میری طرح عدی کے بیٹے بھی اپنے آدمیوں کو لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے؟"

منذر نے دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم سن رہے ہو کہ عاصم نے دوسری مرتبہ دشمن کے سامنے اپنے قبیلے کو ذلیل کیا ہے۔"

عاصم بولا۔ "میں نے کسی دشمن کی حمایت نہیں کی، صرف اپنے قبیلے کو تمہارے بیٹوں کے شر سے بچانے کی کوشش کی ہے۔"

منذر نے کہا۔ "اگر تم ہبیرہ کے بھتیجے نہ ہوتے تو میں تمہیں دوبارہ زبان کھولنے کی مہلت نہ دیتا۔ اس وقت یہاں تمہاری لاش نظر آتی۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر آپ کی تلوار بھی آپ کی زبان کی طرح تیز ہوتی تو مجھے واقعی ڈرنا چاہیئے تھا۔ لیکن گزشتہ لڑائی میں آپ کے سارے جوہر کھل چکے ہیں۔ آپ دشمن کو للکارنے والوں میں سب سے آگے لیکن لڑائی کے وقت سب سے پیچھے تھے۔ اور یہ سب لوگ گواہ ہیں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

ہبیرہ کی بیوی چلائی۔ "عاصم! شرم کرو تم پاگل ہو گئے ہو۔ تم نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔"

جابر غضب ناک ہو کر آگے بڑھا اور اُس نے عاصم کے منہ پر تھپڑ مارنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے جلدی سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کے ہاتھ کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ چشم زدن میں عاصم نے اُس کی کلائی مروڑ کر پیٹھ سے لگا دی اور پھر زور سے دھکا دے کر اسے زمین پر گرا دیا۔

منذر اور مسعود غضب ناک ہو کر آگے بڑھے لیکن ہبیرہ اُن کے بیچ میں آ گیا اور چلایا۔

"منذر! میری حالت پر رحم کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ عاصم کے حواس بجا نہیں اس پر جادو کا اثر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہ میرے پاس نہیں رہے گا۔ میں شرمسار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

منذر نے حقارت سے عاصم کی طرف دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا صحن سے باہر نکل گیا۔ اُس کے بیٹے اُس کے پیچھے ہو لئے اور چند ثانیے بعد دوسرے لوگ بھی، کچھ کہے بغیر، وہاں سے چل دیئے۔ سعاد جواب

تک سکتے کے عالم میں یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، روتی ہوئی ایک کمرے میں جا گھسی۔

ہبیرہ کی بیوی اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "تمہارے بھتیجے نے میرے بھائی کی توہین کی ہے۔ اب یا تو اسے گھر سے نکال دو یا میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

ہبیرہ کوئی جواب دیئے بغیر، نڈھال ہو کر، چٹائی پر بیٹھ گیا۔

عاصم نے کہا۔ "چچی! میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ میں خود ہی یہاں سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

وہ کچھ کہے بغیر اپنے شوہر کے قریب بیٹھ گئی۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، باہر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

ہبیرہ نے پیچھے سے آواز دی۔ "عاصم، ٹھہرو!"

وہ رکا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ہبیرہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ عاصم نے اپنے چچا کی آنکھوں میں ہمیشہ نفرت اور انتقام کے شعلے دیکھے تھے۔ اُس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ ہبیرہ اٹھ کر آگے بڑھا اور عاصم کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔ "سہیل کا بیٹا میرے گھر سے اس طرح نہیں جائے گا۔" اور یہ کہہ کر اُسے کھینچتا ہوا کمرے کے اندر لے گیا۔ "میں تمہیں جانے سے نہیں روکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجبور اور بے بس ہو۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "چچا! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو خوش نہ رکھ سکا۔"

ہبیرہ نے آگے بڑھ کر کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا صندوق کھولا اور اُس میں سے ایک تھیلی نکال کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو، یہ تمہارا مال ہے میں نے اِس میں سے صرف شمعون کے قرضے کی رقم نکال کر علیحدہ رکھ لی تھی۔"

عاصم نے کہا۔ "نہیں، چچا! مجھے اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب میں نے تجارت کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

ہبیرہ نے تلخ ہو کر کہا۔ "عاصم! یہ لے لو، مجھے اِس سے زیادہ تکلیف دینے کی کوشش نہ کرو۔"

عاصم نے بادل ناخواستہ اُس کے ہاتھ سے تھیلی لے لی۔ لیکن پھر قدرے توقف کے بعد کہا۔ "چچا جان! اگر میں یہیں رہوں، یہ تھیلی آپ اپنے پاس رکھتے تو بہتر ہوتا، میں چند دن کسی دوست کے ہاں ٹھہروں گا اور جلتے وقت یہ لے جاؤں گا۔"

"نہیں، نہیں! اب میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اور تمہیں کسی دوست کے ہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اب تمہیں میرے ساتھ چند دن قیام کرنا بھی گوارا نہیں تو میں کہیں چلا جاؤں گا۔"

ہیرہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

سعاد ایک طرف، دیوار سے ٹیک لگائے، مغموم نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی وہ جلدی سے آگے بڑھی اور بولی۔ "لائیے! آپ کی امانت میں رکھ لیتی ہوں۔"

عاصم نے کچھ کہے بغیر تھیلی اُس کے حوالے کر دی۔ سعاد نے اُمڈتے آنسوؤں کے ساتھ کہا۔ "آپ کو نہیں جانا چاہیئے۔"

عاصم نے دونوں ہاتھ اُس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ سعاد! اگر تم اِس بات سے خوش ہو سکتی ہو تو میں چند دن اور تمہاری ماں کے طعنے برداشت کروں گا۔"

لیکن آپ کو چند دن بعد بھی نہیں جانا چاہیئے۔ آپ کو ہمیشہ یہاں رہنا چاہیئے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ امّی آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔ اور میں کبھی وہ گیت نہیں گاؤں گی ——— آپ کو یاد ہے جب میں چھوٹی تھی اور آپ کو کبھی غصّہ آجاتا تھا تو آپ مجھے پیٹا کرتے تھے۔ اب بھی پیٹ لیجئے مجھے، میں اتنی بڑی تو نہیں ہو گئی۔"

عاصم نے سعاد کو چمٹا لیا اور پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ سعاد سسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "جب آپ گھر میں ہوتے ہیں تو مجھے رات کے وقت بھی کسی چیز سے خوف نہیں آتا اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جب ڈر لگے گا تو میں آپ کو آواز دے کر جگا لوں گی، پھر ڈاکو، چور، جن اور بھوت سب بھاگ جائیں گے۔ لیکن جب آپ یہاں نہیں ہوں گے تو میں ہر چیز سے ڈرا کروں گی۔"

"لیکن تمہارے پاس سالم ہوگا۔ تمہارے ابّا جان ہوں گے۔"

"نہیں، نہیں! مجھے آپ سب کی ضرورت ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "سعاد! میں تم سے صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں دیکھنے، کسی دن ضرور واپس آؤں گا۔ لیکن اب ہمارے خاندان کی بہتری اسی میں ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ میں بہت جلد واپس آجاؤں۔ کیا میں پچھلی مرتبہ تمہاری توقع سے پہلے واپس نہیں آگیا تھا؟"

"لیکن پچھلی دفعہ آپ خفا ہو کر تو نہیں گئے تھے۔"

"میں اب بھی خفا ہو کر نہیں جا رہا۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ کسی دن میں تمہیں یہ سمجھا سکوں گا کہ میرا گھر سے جانا کتنا ضروری تھا۔"

سعاد نے صحن کی طرف جھانکتے ہوئے کہا۔ "ابّا جان باہر نکل گئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ غصّے میں کہیں چلے نہ جائیں۔"

نہیں، سعاد، تم اطمینان رکھو میں انہیں ابھی منا کر واپس لے آتا ہوں۔" عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو ہیرہ مویشیوں کے چھپر کے قریب عباد سے باتیں کر رہا تھا۔ عاصم کو آتا دیکھ کر اُس نے حقارت سے مُنہ پھیر لیا۔ اُس کے تیور دیکھ کر عاصم کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکا اور چپکے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر تک اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؛ اُس کے کانوں میں اپنے چچا اور منذر کے تیخ الفاظ گونج رہے تھے۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ آج چاند کی چودھویں تاریخ ہے اور اُس کی مغموم، اداس اور ویران دنیا سمیرا کی مسکراہٹوں سے لبریز ہو گئی۔

وہ آبادی سے باہر نکل گیا اور دیر تک اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا۔ سورج نے اپنی ایک دن کی مسافت طے کی شام کے دوڑتے ہوئے سائے زمین کی وسعتوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ اور دھوئیں کی باریک لکیریں جو وادی میں پھیلے ہوئے مکانوں سے آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں شام کے دھندلکے میں جذب ہونے لگیں۔ پھر یثرب کے نخلستانوں اور پہاڑوں پر مشرق سے ابھرتے ہوئے چاند کی دلکش روشنی پھیلنے لگی۔

عاصم کو آدھی رات کا انتظار تھا۔ وہ بے چینی کی حالت میں اٹھتا اور کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد پھر کسی پتھر پر بیٹھ جاتا۔ بالآخر وہ ندی کے باغ کی طرف چل دیا۔

باب (۹)

سمیرا وہاں نہ تھی اور عاصم اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کھجوروں کے درمیان ایک خالی جگہ بیٹھ گیا۔ چودھویں رات کی چاندنی نخلستان میں ایک دلفریب سماں پیدا کر رہی تھی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھا اور بے چینی کی حالت میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ گزشتہ دن بھر کے واقعات سے اُس کی رُوح مضمحل ہو چکی تھی اور وہ کئی گھنٹے ایک اذیت ناک کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد یہاں پہنچا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ سمیرا سے یہ اُس کی آخری ملاقات ہوگی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اِس ملاقات کے بعد اُس کی زندگی کی تلخیوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن اِس کے باوجود سمیرا کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کے تصور سے اُسے ایک تسکین سی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ یہاں نہ تھی اور عاصم سوچ رہا تھا شاید وہ نہ آ سکے۔ نہیں، وہ ضرور آئے گی، میں وقت سے پہلے آ گیا ہوں۔ ابھی آدھی رات نہیں ہوئی۔ لیکن اس ستارے کو نمودار ہوئے، خاصی دیر ہو چکی ہے۔ وہ یقیناً کسی مجبوری کے باعث رُک گئی ہے۔ اب وہ کل آئے گی۔ اور مجھے آٹھ پہر اور انتظار کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کل بھی نہ آئے۔ کسی مجبوری کے سبب وہ کئی دن ... گھر سے نہ نکل سکے۔ اور میں اُسے یہ بھی نہ بتا سکوں کہ میں جا رہا ہوں۔

عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگا۔ پھر اچانک قدرت نے اپنی تمام رنگینیاں اُس کی نگاہوں کے سامنے بکھیر دیں۔ اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ سمیرا آ رہی تھی۔

عاصم درختوں کے سائے سے نکلا اور چاند کی روشنی میں بازو پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ سمیرا آگے بڑھی، رُکی جھجکی، ہچکچائی اور پھر بھاگ کر بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔

عاصم نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم نہیں آؤ گی۔ اور ہم جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے۔"

"ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔" سمیرا نے جواب دیا۔

"...نے بہت دیر لگائی۔"

"...ن جاگ رہے تھے۔ پہلے قبیلے کے چند آدمی اُن کے پاس بیٹھے رہے، وہ چلے گئے تو پھر وہ عمیر اور عتبہ سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اور اُن کی زیادہ باتیں آپ کے متعلق تھیں۔"

"میرے متعلق؟"

"ہاں، ابا جان بہت خوش تھے کہ آج آپ نے ہمارے قبیلوں میں لڑائی نہیں ہونے دی۔ آج جو لوگ ہمارے گھر آئے تھے۔ ابا جان نے اُن سے یہ وعدہ لیا ہے کہ وہ آئندہ کسی معاملے میں پہل نہیں کریں گے۔"

عاصم نے سمیرا کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کا منہ چاند کی طرف کر دیا اور بغور اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "سمیرا! میں یہ لمحات کبھی نہیں بھولوں گا۔ یہ چہرہ ہمیشہ میری نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ یہاں سے کوسوں دور میں یہ محسوس کیا کروں گا کہ تم اپنے نخلستان میں کھڑی ہو اور چاند تم پر اپنے نور کی بارش کر رہا ہے۔"

"یہاں سے کوسوں دور! آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں!"

سمیرا دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم زمین پر بیٹھ گیا اور اُس نے سمیرا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! بیٹھ جاؤ، میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" وہ بیٹھ گئی۔

عاصم نے کہا۔ "سمیرا میری طرف اِس طرح نہ دیکھو۔ تم جانتی ہو کہ تم سے جدا ہونا میری زندگی کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔"

سمیرا نے گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"شام کی طرف!"

"میری وجہ سے؟"

"سمیرا!" اُس نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا۔ "تمہیں میری باتوں سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ میں اپنا وطن چھوڑنے پر خوش ہوں۔ اگر مستقبل کی بھیانک تاریکیاں صرف میرے لئے ہوتیں۔ یا میری غلطیوں کا نتائج صرف میری ذات تک محدود رہ سکتے تو میں بدترین حالات میں بھی یہیں ٹھہرنا پسند کرتا۔ لیکن میں تمہیں اپنی سیہ کاریوں کا حصہ دار نہیں بناؤں گا۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی!" سمیرا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"نہیں، سمیرا! تمہارے پاؤں پھولوں کی سیج پر چلنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور میرے راستے میں انگاروں کے سوا کچھ نہیں۔ تم چاندنی راتوں میں مسکرانے کے لئے پیدا ہوئی ہو اور میرے ساتھ تمہیں ہولناک تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔ یثرب کی زمین مجھ پر تنگ ہو چکی ہے۔ اور یہاں سے جانے کے بعد میرا کوئی گھر اور کوئی وطن نہ ہوگا۔ تمہارے لئے یہاں سب کچھ ہے۔ میں تم سے اتنی بڑی قربانی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ جب تم ٹھنڈے دل سے یہ سوچو گی کہ تمہارے باپ اور بھائیوں پر کیا گزرے گی اور تمہارے خاندان اور قبیلے کے لوگ کیا کہیں گے تو تمہارے احساسات مختلف ہوں گے۔"

وہ بولی۔ "عاصم! اگر تمہیں صرف میرے مصائب کا خیال ہے تو میں اسی وقت تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تم سے راستے کی مصیبتوں اور دشواریوں کی شکایت نہیں کروں گی۔ مجھے آگ کے انگاروں کی آنچ محسوس نہیں ہوگی۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔"

سمیرا پُرامید ہو کر مسکرا رہی تھی اور ساتھ ہی اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

عاصم کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنی رہی سہی قوت بروئے کار لاتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! ممکن ہے تم یہ سب کچھ برداشت کر لو لیکن ایک بات تم برداشت نہیں کر سکو گی۔ تم یہ برداشت نہیں کر سکو گی کہ میرے قبیلے کا ہر بچہ اور بوڑھا تمہارے باپ اور بھائیوں کا مذاق اڑائے اور خود تمہارا قبیلہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ اُن کے لئے سر اٹھا کر چلنا مشکل ہو جائے ——— سمیرا! اوس اور خزرج کی جنگ ختم ہونے کے امکانات پیدا ہو چلے ہیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے بھائی کی جان بچا کر میں نے اہلِ یثرب کے لئے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ اب میں انہیں

یہ احساس دلانا نہیں چاہتا کہ میں نے نیکی کے پردے میں تمہارے باپ اور بھائیوں سے بدترین انتقام لیا ہے اگر ہم نے ہمت سے کام نہ لیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوس اور خزرج پھر تلواریں نکال لیں گے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں، سمیرا! تمہارے بغیر زندگی کا تصور مجھے ایک مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن کیا تم یہ پسند کرو گی کہ میری محبت اوس اور خزرج کے لئے ایک نئی تباہی کا باعث بن جائے۔ تم یہ برداشت کر لو گی کہ ہمارے خاندان ہماری وجہ سے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگیں؟"

سمیرا جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ عاصم اٹھا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اُس نے جھک کر پیار سے سمیرا کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! ہم شاید مدت تک ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ حوصلے سے کام لو اور میرے لئے یہ لمحات اور زیادہ اذیت ناک بنانے کی کوشش نہ کرو۔ اگر میں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا تو تمہیں یہ شکایت نہ ہوتی کہ میں خوشی سے جا رہا ہوں۔"

سمیرا اٹھی اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، لیکن آپ کو یہ بتانے کے لئے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی کہ آپ جا رہے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ یہ مرحلہ ہم دونوں کے لئے یکساں تکلیف دہ ہوگا۔ لیکن مجھے ڈر تھا کہ اگر میں تمہیں دیکھے بغیر چلا گیا تو تم شاید مجھے بے وفا سمجھ کر مجھ سے نفرت کرنے لگو۔ اور پردیس میں یہ بات میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی کہ میری سمیرا جسے میں ہر سانس کے ساتھ یاد کرتا ہوں، مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ میں اس اُمید پر باہر جا رہا ہوں کہ جب واپس آؤں گا تو یثرب کے حالات بدل چکے ہوں گے۔ اوس اور خزرج کے پرانے زخم مندمل ہو چکے ہوں گے۔ اور پھر جب میں تمہارے باپ کے پاؤں پر گر کے یہ کہوں گا کہ میں سمیرا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ اُسے ایک گالی نہیں سمجھیں گے۔"

سمیرا نے پُرامید ہو کر کہا۔ "آپ یہاں رہ کر حالات کی تبدیلی کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، سمیرا! میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہ ہم دونوں کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہوگی۔ یہ ناممکن ہے کہ میں یہاں رہوں اور تمہیں دیکھنے کی کوشش نہ کروں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ہماری محبت دیر تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکے۔ پھر اپنے قبیلے سے میرے تعلقات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

سمیرا کے آنسو تھم چکے تھے اور وہ اپنے دل میں کرب و اضطراب کی بجائے ایک ہلکا سا سکون محسوس کر رہی تھی۔ ایک ایسا سکون جو کسی زخم خوردہ سپاہی کو اپنے ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

عاصم نے اپنے دل میں ایک اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "چلو! میں تمہیں گھر کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں۔" اُس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "آپ جائیے، میری فکر نہ کیجئے میں اپنے گھر کا راستہ نہیں بھول سکتی۔"

سمیرا کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو چھلکنے لگے۔ عاصم چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر اچانک وہاں سے چل دیا۔ چند قدم اٹھانے کے بعد وہ رکا اور مڑ کر سمیرا کی طرف دیکھنے لگا۔ سمیرا نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ وہ رو رہی تھی۔ عاصم کو اُس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور اُس کا دل پسپا جا رہا تھا۔

"آپ جاتے کیوں نہیں؟" سمیرا نے جھنجھلا کر کہا۔ لیکن اُس کی آواز میں تلخی اور غصے سے زیادہ ایک بے بس کی التجائیں اور فریادیں تھیں اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر وہ چند لمحے اور یہاں ٹھہرا تو اُس کے عزائم کے تمام قلعے منہدم ہو جائیں گے۔ وہ دوبارہ مڑا لیکن پہلا قدم اٹھاتے ہی اُسے ایک بارعب آواز سنائی دی۔ "ٹھہرو!"

عاصم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف درختوں کی اوٹ سے کوئی نمودار ہوا اور عاصم نے جلدی سے اپنی تلوار نکال لی۔

"عاصم بھاگ جاؤ!" سمیرا یہ کہہ کر آگے بڑھی اور عاصم کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف دھکیلنے لگی۔

"عاصم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" عدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

سمیرا عاصم کو چھوڑ کر عدی کی طرف بڑھی اور اُس کا بازو پکڑ کر چلانے لگی۔ "ابا جان! یہ بے قصور ہے۔ یہ شب چھوڑ کر کہیں جا رہا ہے ——— یہ اس لئے جا رہا ہے کہ اسے آپ کی عزت کا پاس تھا۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو طعنے دیں۔"

عدی نے کہا۔ "سمیرا! یہاں شور نہ مچاؤ، جاؤ! میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" عاصم حیران تھا کہ اُس کی آواز میں معمولی تلخی بھی نہ تھی۔

"ابا جان! آپ انہیں کچھ نہ کہیں۔ یہ آپ کے دشمن نہیں ہیں۔"

"بیوقوف تم خاموش رہو۔ میں خالی ہاتھ ہوں۔" عدی نے اُسے ایک طرف دھکیل دیا اور آگے بڑھ کر

عاصم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر عدی نے کہا۔ "تم اپنی تلوار نیام میں ڈال سکتے ہو۔ تمہیں عقب سے کسی حملے کا خطرہ نہیں، میرے آدمی سو رہے ہیں۔"

عاصم نے قدرے نادم ہو کر تلوار نیام میں کر لی۔

"میں تمہاری باتیں سن چکا ہوں اور اب مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔" عدی یہ کہہ کر مڑا۔ لیکن عاصم اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ عدی نے چند قدم اٹھانے کے بعد مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم ایک بوڑھے آدمی سے ڈرتے ہو؟"

عاصم کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ سمیرا جو چند قدم کے فاصلے پر پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی بھاگ کر درختوں میں غائب ہو گئی ——— عدی نخلستان عبور کر کے، اپنے گھر کی دیوار کے سامنے سوکھی گھاس کے ایک ڈھیر کے قریب رکا اور اُس نے تھوڑی سی گھاس اٹھا کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں، اس وقت اندر جا کر سونے والوں کو جگانا مناسب نہیں۔ تمہیں سردی تو محسوس نہیں ہوتی؟"

"نہیں!" وہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے۔ عدی کا طرزِ عمل ہر آن عاصم کی پریشانی اور اضطراب میں اضافہ کر رہا تھا۔

"تم سمیرا کو کب سے جانتے ہو؟" عدی نے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ کو مطمئن نہیں کر سکے گی لیکن اگر آپ کے دل میں سمیرا کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو آپ کے لئے شرمندگی کا باعث ہو۔"

عدی بولا۔ "تمہیں سمیرا کی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور تمہیں یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں نے کبھی اُس کی رکھوالی کی ضرورت محسوس کی ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ جب وہ دبے پاؤں باہر نکلی تھی تو میں جاگ رہا تھا اور اُس کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ نے مجھے اٹھ کر صحن میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مجھے صرف اس بات سے تشویش ہوئی تھی کہ صحن میں چند قدم رُک رُک کر چلنے کے بعد

اُس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ اگر میں دِل پر جبر کر کے تمہاری باتیں نہ سنتا تو شاید ہماری یہ ملاقات اِس قدر خوشگوار نہ ہوتی۔ لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ تم کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں نے اُسے پہلی مرتبہ اُس رات دیکھا تھا جب میں عمیر کو آپ کے گھر پہنچانے آیا تھا۔"

"اور اب تم یثرب چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"ہاں ——!"

"تم اِس لئے جا رہے ہو کہ سمیرا میری بیٹی ہے اور تمہیں یہاں رہنے سے میرے خاندان کی رُسوائی کا خطرہ ہے؟"

"ہاں! لیکن میرے جانے کی اور وجوہ بھی ہیں۔"

"وہ میں سب سُن چکا ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس تمہاری مشکلات کا کوئی حل نہیں۔ لیکن فرض کرو اگر سمیرا میری بیٹی نہ ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سمیرا خزرج کی بجائے کسی اور قبیلے کی لڑکی ہوتی تو تمہارا طرزِ عمل کیا ہوتا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں، میں کسی کو بھی اپنے مصائب میں حصہ دار بنانا پسند نہ کرتا۔"

"اگر سمیرا کے باپ کو اپنے قبیلے کی ملامت کا خوف نہ ہوتا۔ اور وہ خوشی سے اُسے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتا تو؟"

"اگر یہ ممکن ہوتا تو میں سمیرا کے باپ کو سمجھاتا کہ اِس وقت میرا تنہا جانا ضروری ہے۔ لیکن میں جلد واپس آؤں گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں اپنا ارادہ تبدیل کر دیتا۔ لیکن یہ ممکن نہیں مجھے سمیرا کے باپ کی مجبوریوں کا علم ہے۔"

عدی کچھ دیر سر جھکائے ایک گہری سوچ میں ڈوبا رہا، بالآخر اُس نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں تمہیں اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ واقعہ تمہارے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا —— آج سے کوئی سولہ سال پہلے میں تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ دمشق جا رہا تھا۔ قبیلۂ کنانہ کا ایک شخص، جس کا نام حارث تھا اس سفر میں میرے ساتھ تھا۔ ہم بہت جلد ایک دوسرے کے دوست

بن گئے۔ جب ہم واپس پہنچے تو عکاظ کا میلہ شروع ہونے والا تھا اور یثرب سے کئی آدمی وہاں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حارث نے چند دن میرے ہاں قیام کیا اور اِس کے بعد ہم اپنے مال سے زیادہ نفع کمانے کے شوق میں قافلے کے ساتھ عکاظ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تجارت کے علاوہ، عکاظ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے شام جانے سے قبل میری بیوی اُمید سے تھی اور میں اسے، اُس کے والدین کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔ میری بیوی کا خاندان یہاں سے پانچ منزل دور عکاظ کے راستے میں آباد تھا اور میرا ارادہ تھا کہ میں جاتی دفعہ ایک دو دن کے لئے وہاں ٹھہروں گا اور پھر واپسی پر اپنے بال بچوں کو ساتھ لیتا آؤں گا۔

سسرال پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ میرے پیچھے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ تین ماہ کی ہو کر فوت ہو گئی ہے۔ میری بیوی کو اِس کا بہت صدمہ تھا کہ میں اُسے نہ دیکھ سکا۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ میری بیٹی بہت خوبصورت تھی۔ اور قبیلے کی عورتیں اُسے، دور دور سے دیکھنے آیا کرتی تھیں۔ میری ساس اور میری بیوی کی بہنیں بھی اُس کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ لیکن حارث اور میرے دوسرے ساتھی مجھے مبارکباد دیتے تھے کہ اللہ نے مجھے ایک لڑکی کا باپ بننے کی رسوائی سے بچا لیا ہے۔ حارث کہتا تھا تم بہت خوش قسمت ہو۔ میں یکے بعد دیگرے اپنی دو لڑکیوں کو زندہ دفن کر چکا ہوں۔ اِس مرتبہ بھی جب میں گھر سے نکلا تھا تو میری بیوی اُمید سے تھی اور میں نے عزیٰ کی قسم کھا کر کہا تھا کہ اگر تم نے پھر لڑکی جنی تو میں اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک کروں گا۔

عکاظ کے میلے سے فارغ ہو کر میں واپس آنا چاہتا تھا لیکن حارث کی بستی وہاں سے دو منزل کے فاصلے پر تھی اور وہ مجھے چند دن اپنے پاس ٹھہرانے پر مُصر تھا۔ مجبوراً مجھے اُس کے ساتھ جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حارث کے ہاں چند ماہ قبل لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ یہ خبر سننے کے بعد حارث کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے خیمے سے باہر قدم رکھنے تک کا روادار نہ تھا۔ میں نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن اُس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بار بار یہ کہتا تھا کہ میں اپنے گھر میں سانپ پال سکتا ہوں لیکن ایک لڑکی کا باپ کہلانے کی ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی بیوی کے سامنے عزیٰ کی قسم کھائی تھی کہ میں لڑکی کو زندہ دفن کر دوں گا اگر بیٹی تو پیدا ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ کر مجھے اِس امتحان سے بچا سکتی تھی۔ اب وہ چار مہینے کی ہو چکی ہے لیکن میں اپنی قسم پوری کر کے رہوں گا۔

گرمیوں کے دن تھے اور ہم رات کے وقت باہر کھلی ہوا میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حارث نے شراب کا ایک مٹکا منگوا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اُس کے اصرار سے تیز شراب کے چند گھونٹ پی لئے لیکن حارث بے تحاشا پی رہا تھا۔ نشے میں چور ہو کر وہ دیر تک مجھ سے بہکی بہکی باتیں کرتا رہا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا میں اپنے بستر میں لیٹ گیا۔ آدھی رات کے قریب گہری نیند میں مجھے کچھ شور سنائی دیا میں نے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا تو حارث وہاں نہ تھا۔ خیمے سے کسی عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر بھاگتا ہوا خیمے کی طرف گیا اور قریب پہنچ کر حارث کو آوازیں دینے لگا۔

حارث کی بیوی روتی اور اپنے سر کے بال نوچتی ہوئی باہر نکلی اور اُس نے کہا۔ "وہ چلا گیا ہے، وہ میری بیٹی کو لے کر چلا گیا ہے۔ میں تمہیں لات اور عزّیٰ کا واسطہ دیتی ہوں۔ میری بیٹی کو بچاؤ۔ یہ میری تیسری بچی ہے۔ آج خاندان کے کسی آدمی نے میری مدد نہیں کی۔ وہ سب جانتے تھے کہ حارث اُسے زندہ زمین میں گاڑنے کو لے جا رہا ہے لیکن کوئی میری چیخیں سن کر اپنے گھر سے باہر نہیں آیا۔"

میں نے اس سے پوچھا "حارث کس طرف گیا ہے؟" اور اُس نے ایک سمت اشارہ کر دیا۔ میں کچھ کہے بغیر اُس طرف بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بستی سے کچھ دُور ایک بچے کے بلکنے کی آواز سنائی دی۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف گیا حارث اپنی بیٹی کو زمین پر لٹا کر گڑھا کھود رہا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور برہم ہو کر بولا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

میں نے جواب دیا "حارث! میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس نے کہا "قبر کھودنے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو اس لڑکی کا گلا گھونٹ دو! اس کی چیخیں مجھے پریشان کر رہی ہیں۔"

میں نے کہا "اس وقت تم شراب کے نشے میں ہو جب یہ نشہ اُتر جائے گا تو ان چیخوں کا تصور تمہیں اور زیادہ پریشان کرے گا۔"

اُس نے جواب دیا "تم مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں اپنا عہد پورا کروں گا۔"

حارث دوبارہ گڑھا کھودنے میں مصروف ہو گیا اور میں نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

اُس نے غضب ناک ہو کر مجھے پیچھے دھکیل دیا اور چلایا "تم مجھے بے غیرت بنانا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "حارث! عزّیٰ کو تمہاری بیٹی کی جان لینا منظور نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اگر تم اِس کا باپ کہلانا پسند نہیں کرتے تو اسے میرے حوالے کر دو، میری بیوی اِسے اپنی بیٹی کی طرح پالے گی۔ میں کسی پر یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ یہ تمہاری بیٹی ہے۔ اور کوئی تمہیں طعنہ نہ دے گا۔"

حارث غضب ناک ہو کر چلایا۔ "نہیں، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا!" اور پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر لڑکی پر جھپٹنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اُس کا راستہ روک لیا اور ہم دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ وہ نشے میں تھا اِس لئے میں نے جلد ہی اُس پر قابو پا لیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہماری کشتی کے دوران میں لڑکی روتے روتے اچانک خاموش ہو گئی۔ میں نے دیر تک حارث کو دبوچے رکھا اور اطمینان سے اُس کی بدکلامی سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "عدی! میرے قبیلے کے کسی آدمی کو میرے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔ لیکن تم میرے مہمان ہو۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم نشے میں نہ ہوتے تو ہمارے درمیان ہاتھا پائی کی نوبت نہ آتی۔ تم نہیں جانتے کہ تم اِس وقت کیا کر رہے ہو۔"

وہ بولا۔ "مجھے چھوڑ دو۔"

میں نے جواب دیا۔ "لیکن پہلے یہ وعدہ کرو کہ تم اس معصوم بچی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔"

اُس نے کہا۔ "اگر میں یہ وعدہ نہ کروں تو؟"

میں نے جواب دیا۔ "تو میں عزّیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اسی طرح تمہارے سینے پر بیٹھا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح تمہارے قبیلے کے آدمی یہاں جمع ہو جائیں گے لیکن مجھے اِس بات کی پروا نہ ہو گی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

اُس نے کہا۔ "تم اِس لڑکی کو بچانے کی کوشش میں میرے قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں قتل ہونا پسند کرو گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہاں میں اِس لڑکی کو بچانے کی قسم کھا چکا ہوں۔"

حارث کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ عزّیٰ نے اِس لڑکی کو بچانے کے لئے تمہیں یہاں بھیج دیا ہو؟"

میں نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ عزمی کو اِس کی جان لینا منظور نہیں۔"

وہ بولا۔ "لوگ مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دیں گے۔"

میں نے جواب دیا۔ "کسی کو معلوم نہ ہوگا کہ یہ لڑکی زندہ ہے۔ میں ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

آہنی عزم کا مالک ہونے کے باوجود حارث ایک انسان تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کے طرزِ عمل میں ایک غیر معمولی تبدیلی آچکی تھی۔ اُس نے کہا۔ "اگر میں اِس لڑکی کو تمہارے ساتھ بھیج دوں تو تمہارے گھر میں اِس کی حیثیت کیا ہوگی؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں اسے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھوں گا اور اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری بچی مر چکی ہے، میں جب اپنی بیوی کو اُس کے میکے سے اپنے گھر لے جاؤں گا تو ہم اپنے قریبی عزیزوں کو بھی یہ شبہ نہ ہونے دیں گے کہ ہم کسی اور کی لڑکی اٹھا لائے ہیں۔"

کچھ دیر جھگڑنے کے بعد اُس نے ہار مان لی اور میں نے اُسے چھوڑتے ہوئے کہا۔ "تم گھر جا کر میرا گھوڑا لے آؤ، میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

جب وہ اٹھ کر جانے لگا۔ تو میں نے کہا۔ "اگر تم اپنی بیوی کو یہ بتا سکو کہ اُس کی بیٹی زندہ ہے تو اچھی بات ہوگی۔"

وہ جواب دیئے بغیر چلا گیا۔ جب وہ میرا گھوڑا لے کر آیا تو اُس کی بیوی اُس کے ساتھ تھی۔ اُس نے کہا۔ "اسے میری باتوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ اس لئے میں اسے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حارث کی بیوی اپنی بیٹی سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کے باوجود اِس بات پر مطمئن تھی کہ اُس کی جان بچ گئی ہے اُس نے آگے بڑھ کر میری طرف احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھا اور لڑکی کو میرے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں اِسے دودھ پلا دوں یہ بھوکی ہوگی۔"

وہ لڑکی کو ایک طرف لے کر بیٹھ گئی۔ دودھ پلانے کے بعد وہ اٹھی اور لڑکی کو بار بار سینے سے لگانے اور چومنے کے بعد میری طرف دیکھنے لگی۔ جب میں گھوڑے پر سوار ہو گیا تو اُس نے روتے ہوئے لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔ حارث نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا یہ رویّہ کہاں تک درست ہے۔ لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ کاش تم اُس وقت آتے جب میں اپنی پہلی لڑکی کو دفن کر رہا تھا۔" لڑکی اپنے ہاتھ سے اُس کی ڈاڑھی پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ حارث نے بے اختیاری کی حالت میں اُس کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے

لگا لیا۔ پھر اُس نے اچانک اُسے میری گود سے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اُس کا سر اور مُنہ چومنے کے بعد دوبارہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "عدی! میں نے اِسے اِس لئے پیار کیا ہے کہ اب یہ تمہاری بیٹی ہے۔ جاؤ!"

میں وہاں سے تھوڑی دور گیا تھا کہ پیچھے سے اُس کی ماں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "ٹھہریئے! ٹھہریئے!" میں نے گھوڑا روک لیا وہ بھاگ کر میرے قریب آگئی اور کہنے لگی۔ "میں نے آپ کو اِس کا نام نہیں بتایا۔ اِس کا نام سمیرا ہے۔"

عدی یہاں پہنچ کر خاموش ہو گیا اور بغور عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔

عاصم نے کہا۔ "سمیرا نے اِس کے بعد اپنے والدین کو نہیں دیکھا؟"

عدی نے جواب دیا۔ "نہیں! تین سال کے بعد عکاظ کے میلے میں اُس کے خاندان کے چند آدمی ملے تھے اُن کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ حارث اُس سال ایک لڑائی میں قتل ہو گیا اور چند ماہ بعد اُس کی بیوی بھی وفات پا گئی۔"

"سمیرا کو معلوم ہے کہ وہ آپ کی بیٹی نہیں؟"

"نہیں! اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُسے بتا دوں تو بھی وہ یقین نہیں کرے گی۔ میرے دل میں اُس کی محبت ایک باپ کی محبت سے کسی طرح کم نہیں۔ سمیرا پانچ سال کی تھی کہ میری بیوی فوت ہو گئی، اُس نے مرتے وقت مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں سمیرا کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ آج سمیرا کے آنسو میرے لئے ناقابلِ برداشت تھے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہیں یہ قصہ سنانا ضروری سمجھا۔ اب تمہیں اپنے اور اُس کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ تمہارے دشمن کی بیٹی ہے۔ بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ ایک یتیم اور بے بس لڑکی ہے اور تم اُس کا دل توڑ کر میرے خاندان کی عزت اور وقار میں کوئی اضافہ نہیں کر سکو گے آج جب میں اُس کی سسکیاں سُن رہا تھا تو مجھے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب حارث اُسے زندہ دفن کرنے کے لئے گڑھا کھود رہا تھا، وہ قریب پڑی بلک رہی تھی اور میری انسانیت نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں اُسے حارث سے چھین لوں۔ آج میری انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے تمہارے حوالے کر دوں اور یہ نہ سوچوں کہ میرے دوست اور دشمن کیا کہیں گے۔ حارث کے نزدیک ایک بیٹی کا باپ کہلانا بے غیرتی اور بے عزتی کے مترادف تھا اس لئے وہ سمیرا کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب نے اُس کے دل میں پدرانہ شفقت کے ایک دبے ہوئے شعور کو بیدار کیا تو اُس نے اپنے سابقہ عقیدے سے انحراف کر کے سمیرا کو میرے حوالے کر دیا۔ اور اب تمہارے طرزِ عمل نے میرے سابقہ عقیدے بدل دیئے ہیں۔

جب تک تم نے عمیر کی جان نہیں بچائی تھی، میں یہی سمجھتا تھا کہ تمہارے قبیلے کے ساتھ لڑنا میری زندگی کی سب سے بڑی راحت ہے۔ تم نے میرے دل میں ایک ایسے احساس کو بیدار کیا ہے جو برسوں سے مر چکا تھا تم نے مجھ سے انتقام لینے اور دشمن کا خون بہانے کی لذت چھین لی ہے لیکن مجھے اِس کا افسوس نہیں۔ عاصم تمہیں میری وجہ سے سمیرا سے منہ پھیر کر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ میں آج اور اِسی وقت سمیرا کو تمہارے حوالے کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

عاصم کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ تشکر اور احسانمندی کے آنسو۔ اُس نے کہا۔"میں آپ کا شکر گزار ہوں، لیکن جب آپ سمیرا کو اپنے ساتھ لائے تھے تو آپ کو یہ اطمینان تھا کہ آپ اُسے خوش رکھ سکیں گے۔ آپ کو اس بات کی تسلی تھی کہ آپ کے گھر میں اُسے کوئی نفرت یا حقارت سے نہیں دیکھے گا۔ لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں اُسے آلام و مصائب کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔"

عدی نے کہا۔"ایک اچھائی دوسری اچھائیوں کے لئے راستہ کھول سکتی ہے۔ تم نے ایک اچھی ابتدا کی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یثرب کی فضا پرامن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اور تھوڑے دنوں میں یہاں کے حالات بالکل بدل جائیں، اس لئے تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ——— میں عرب کے مستقبل کے متعلق بہت پُر امید ہوں۔ تم نے سنا ہو گا کہ مکہ میں ایک نئے دین کا چرچا ہو رہا ہے۔ اس دین کا بانی لوگوں کو اخوت و مساوات کا درس دے رہا ہے۔ اور جو لوگ اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ نسلوں اور قبیلوں کی حدود پھاند کر آپس میں دوست اور بھائی بن جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے اُن میں غلام اور آقا کا امتیاز بھی مٹ جاتا ہے۔ قبیلہ قریش کے چند انتہائی معزز لوگ مکہ کے نبیؐ کی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نئے دین کی بدولت پورے عرب کی ذہنی کایا پلٹ ہو جائے اور ہمارے پرانے طور طریقے بدل جائیں۔ اگر حجاز میں اس دین کے قدم جم گئے تو یثرب بہت جلد اس سے متاثر ہو گا۔ ہمیں اندھیری رات میں بھٹکنے کی بجائے اپنے گھر بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنا چاہئیے۔"

عاصم نے کہا۔"میں بھی کچھ عرصے سے اس دین کے متعلق سن رہا ہوں، لیکن مجھے اُمید نہیں کہ اہلِ عرب کی جبلت بدل جائے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت اُن کی سرشت میں ہے۔ جس دن انہیں اِس بات کا احساس ہو گیا کہ اُن کی قبائلی عصبیتیں مٹ رہی ہیں، وہ اِس دین کے حامیوں کے خلاف تلواریں سونت کر میدان میں آجائیں گے۔ یہاں خاندانوں اور قبیلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہے، متحد نہیں کیا جا سکتا۔ عمیر سے ہمدردی

کرنا میرا ایک اضطراری فعل تھا لیکن میرے قبیلے کے لوگ یہاں تک کہ میرے قریبی رشتہ دار بھی اسے برداشت نہ کر سکے۔ پھر آپ یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ قبائل عرب کے درمیان جو آگ صدیوں سے سلگ رہی ہے وہ اِس دین کی بدولت بجھ جائے گی۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ قریش نے اس دین کے حامیوں کا مکہ کی فضا میں سانس لینا بھی مشکل کر دیا ہے۔ بہر حال اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ میں یہاں سے نہ جاؤں تو میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔"

عدی نے کہا۔"تم مجھے کچھ دن سوچنے کا موقع دو، ممکن ہے میں تمہاری مشکلات کا کوئی حل نکال سکوں۔ اگر میں نے دیکھا کہ تمہارا گھر میں رہنا ناممکن ہے تو عرب ایک وسیع ملک ہے۔ ممکن ہے میں تم دونوں کے لئے گوشۂ عافیت تلاش کر سکوں۔ اب تم جا کر آرام کرو اور آئندہ جب چاہو سیدھے راستے میرے گھر آسکتے ہو۔ تاہم ابھی لوگوں کی نگاہوں سے بچنا ضروری ہے۔ اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں کسی نہ کسی طرح پیغام بھیج دوں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ عدی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور عاصم گرمجوشی سے مصافحہ کر کے وہاں سے چل دیا۔

عدی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ سمیرا صحن کے دروازے سے لگی کھڑی تھی لیکن عدی کو دیکھ کر اُس نے بھاگنے کی بجائے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ عدی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سمیرا! چلو اب تمہیں رونے کی ضرورت نہیں۔"

"اباجان!" اُس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔"آپ نے اُسے یہ کیوں بتایا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟"

عدی نے جواب دیا۔"سمیرا! میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ تم پر یہ راز ظاہر کر دوں لیکن حوصلہ نہ ہوا۔ آج عاصم پر یہ باتیں ظاہر کرنا ضروری تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آپ نے اُس پر یہ باتیں اِس لئے ظاہر کی ہیں کہ اگر میں آپ کی بیٹی ہوتی تو آج آپ کو شرمسار ہونا پڑتا۔ آپ میرا گلا گھونٹ ڈالتے۔"

"تم پگلی ہو۔ جاؤ آرام کرو۔"

"لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ یہ ناممکن ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں عمیر اور ... کی بہن نہ ہوں۔"

"تم نعمان کی ماں کا دودھ پی چکی ہو، سمیرا! اور تمہیں یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ تم میری بیٹی کے سوا، کوئی اور ہو ـــــــ چلو!"

سمیرا اپنے آنسو پونچھتی ہوئی عدی کے ساتھ چل پڑی۔

○

عاصم، عدی سے رخصت ہو کر باغ سے نکل رہا تھا کہ اچانک اُسے سامنے کوئی سو قدم کے فاصلے پر ایک آدمی بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ عاصم جلدی سے پلٹ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ باغ کے نزدیک پہنچ کر بھاگنے والے کی رفتار کم ہو چکی تھی اور وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ پھر عاصم کو ایک اور آدمی نظر آیا جو پوری رفتار سے پہلے آدمی کا پیچھا کر رہا تھا۔ پہلا آدمی باغ کے اندر داخل ہو کر، عاصم کے بالکل قریب، ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پیچھے آنے والا باغ سے تھوڑی دور کے فاصلے پر رکا اور چند ثانیئے توقف کے بعد اُسی طرح بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔ جو آدمی عاصم کے قریب کھڑا تھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

عاصم اُس کی نظروں سے بچنے کے لئے، سمٹا ہوا، درخت سے لگا کھڑا تھا اور اُس کے دماغ میں اِس قسم کے سوالات آ رہے تھے۔ "یہ کون ہے؟ اس کا پیچھا کرنے والا کون تھا؟ یہ اِس طرف کیوں آیا ہے؟ اگر یہ عدی کا نوکر ہے تو یہاں کیوں کھڑا ہے؟ اگر پیچھا کرنے والا اِس کا دشمن تھا تو اس نے یہاں پہنچ کر کسی کو آواز کیوں نہیں دی؟"

درختوں کے سائے میں عاصم اُسے اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔ لیکن جب وہ اپنا سانس درست کرنے کے بعد باغ سے نکلنے لگا تو اُس نے دیکھا کہ بھاگنے والے کا نصف چہرہ ڈھاٹے میں چھپا ہوا ہے۔ عاصم کو شبہ ہوا اور اُس نے اچانک جست لگا کر اجنبی کی گردن دبوچ لی۔

اجنبی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ایک ثانیہ کے بعد اُس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن عاصم کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ عاصم اُسے دھکیلتا ہوا باغ سے باہر لے آیا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے پوچھا۔

اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بولتے کیوں نہیں؟"

اجنبی کچھ دیر، سکتے کے عالم میں، عاصم کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک چلایا۔ "میں بے قصور ہوں مجھے چھوڑ دو۔"

عاصم نے اُس کے چہرے کا نقاب نوچ کر پھینک دیا۔ اور کچھ دیر بدحواسی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے پوچھا۔ "تم شمعون کے غلام ہو۔ بتاؤ تم اِس وقت یہاں کیوں آئے ہو؟ اور تمہارے پیچھے یہ کون تھا؟"

وہ دوبارہ چلایا۔ "میں بے قصور ہوں۔ وہ کوئی ڈاکو تھا۔ اور میرا پیچھا کر رہا تھا۔"

"ڈاکو رات کے وقت غلاموں کے پیچھے نہیں دوڑا کرتے بتاؤ! یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم چوری کر کے بھاگ رہے تھے۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اِس طرف کیوں آئے ہو؟"

شمعون کے غلام نے کہا۔ "خوف کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔"

"کیا تم نے شمعون کے ہاں چوری کی ہے اور اُس کے نوکر تمہارا پیچھا کر رہے تھے؟"

غلام نے قدرے پرامید ہو کر کہا۔ "جناب! آپ یہ کیوں پوچھتے ہیں؟ میں نے آپ کا تو کوئی قصور نہیں کیا۔ اگر میں نے شمعون کے ہاں چوری کی ہے تو وہ آپ کا دشمن ہے۔"

عاصم نے اُسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا! یہ بتاؤ تم نے کیا چرایا ہے؟"

"جناب ..... میں نے اُس کی بیوی کے زیور چرائے ہیں۔ لیکن اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔"

عاصم، عمیر سے اِس غلام اور شمعون کی بیوی کے تعلقات کے متعلق سُن چکا تھا اِس لئے اُس نے مزید سوالات کی ضرورت محسوس نہ کی اور غلام کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "بھاگ جاؤ!"

غلام گرتے گرتے سنبھل کر ایک طرف چل دیا۔ اور عاصم نے اپنے گھر کا رُخ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک یہودی کے نخلستان کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اُسے چند بھاگتے ہوئے آدمیوں کی آہٹ سنائی دی۔ اُسے خیال آیا کہ شمعون کے آدمی چوری کرنے والے غلام کو تلاش کر رہے ہیں۔

عاصم نے رات کے تیسرے پہر کسی اور کے سامنے آنا مناسب نہ سمجھا اور وہ راستہ چھوڑ کر باغ کے اندر چھپ گیا۔ جب بھاگنے والے آگے نکل گئے تو وہ باغ سے نکلا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

اپنے گھر سے کچھ دور عاصم کو مردوں اور عورتوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ اور اُس نے دیکھا کہ مکان کے ایک کونے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ وہ چند ثانیئے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا مکان کے صحن میں داخل ہوا۔ وہاں مردوں اور عورتوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ باہر کی دیوار سے ملحق ایک چھپر قریباً جل چکا تھا۔ ملبے کے ڈھیر سے کہیں کہیں شعلے اٹھ رہے تھے اور چند آدمی وہاں پانی ڈال رہے تھے۔

"کیا ہوا؟ یہ آگ کیسے لگی؟" عاصم نے ایک آدمی کو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں! میں ابھی آیا ہوں۔"

عاصم نے اُسے چھوڑ کر دوسرے آدمی کو اپنی طرف متوجہ کیا لیکن وہ بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "تم اپنے چچا سے کیوں نہیں پوچھتے وہ زخمی ہونے کے بعد چیخ چیخ کر تمہیں بلا رہا تھا۔"

یہ منذر تھا۔ عاصم اُس کی طرف توجہ دینے کی بجائے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ہبیرہ اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔

سعاد، اُس کی ماں، سالم اور چند قریبی رشتہ دار اُس کے پاس بیٹھے تھے۔ ہبیرہ کے سینے اور سعاد کے بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"چچا کیا ہوا؟" عاصم نے مضطرب ہو کر سوال کیا۔

ہبیرہ نے جواب دینے کی بجائے عاصم کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ سعاد اور اُس کی ماں جو سسکیاں لے رہی تھیں، عاصم کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"تم کہاں تھے؟" قبیلے کی ایک معمر عورت نے عاصم سے سوال کیا۔

لیکن عاصم اُسے جواب دینے کی بجائے سعاد کی طرف متوجہ ہوا۔ "سعاد تم بھی زخمی ہو۔ بتاؤ کیا ہوا؟"

سعاد نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ نہیں! بھائی جان! میرا زخم معمولی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں زندہ ہوں کاش! دشمن کا تیر میرے دل پر لگتا۔"

منذر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "بیٹی! ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہارے غم زدہ دل بہت نرم ہے۔"

عاصم نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اچانک اُس کی نگاہ اپنے ایک نوکر پر پڑی اور اُس نے چلا کر پوچھا۔ "تم کیوں خاموش ہو مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ ہمارے گھر پر کس نے حملہ کیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "جناب! ہم جانوروں کا شور سن کر بیدار ہوئے تو اصطبل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ہم نے پانچ بکریوں کے سوا باقی تمام جانور نکال لئے لیکن آگ پر قابو پانا مشکل تھا۔ آپ کے چچا باہر نکلے تو دیوار کے اوپر سے تیروں کی بوچھاڑ آئی اور یہ زخمی ہو گئے۔ اِس کے بعد سعاد اور سالم آگے بڑھے۔ سالم بچ گیا لیکن سعاد زخمی ہو گئی۔ پھر حملہ آور جنہوں نے دیوار پر چڑھ کر تیر چلائے تھے دوسری طرف کود کر بھاگ گئے۔ ہم نے ان کا پیچھا کیا تو وہ ہمارے باغ سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ صرف ایک آدمی پیدل تھا۔ ہم نے دُور تک اُس کا تعاقب کیا لیکن اُس کی رفتار ہم سے تیز تھی۔ عباد نے ہمیں حکم دیا کہ تم گھر جا کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرو، میں اِس کا پیچھا کرتا ہوں، چنانچہ ہم واپس آ گئے۔"

"تم اُن میں سے کسی کو پہچان نہیں سکے؟"

"نہیں! انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے۔"

"اور وہ آدمی جو پیدل تھا اُس کے چہرے پر بھی نقاب تھا۔"

"ہاں ——!"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! میں آپ کا انتقام لوں گا۔ آپ کا زخم زیادہ گہرا تو نہیں۔"

ہبیرہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور زخم کی تکلیف کے باوجود اُس کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ "نہیں! میں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر پھینک دیا تھا۔ ہمارے دشمنوں کو کمان پکڑنی بھی تو نہیں آتی۔"

سعاد نے کہا۔ "اخی! دشمن اب میرے خون کے چند قطرے بھی گرا چکا ہے۔ اور میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ میرا انتقام آپ کے سوا کوئی اور لے۔"

"تم اطمینان رکھو سعاد! انہیں تمہارا خون بہت مہنگا پڑے گا۔" عاصم یہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اپنے

غلام کو آوازیں دینے لگا۔ "عباد! عباد!"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "عباد یہاں نہیں ہے۔ وہ واپس آتے ہی قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ سالم، اور منذر کے بیٹے بھی اُس کے ساتھ گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟" عاصم نے بے چین ہو کر سوال کیا۔

منذر نے جواب دیا۔ "وہ حملہ کرنے والوں کا سراغ لینے گئے ہیں۔ عباد اُن کا گھر دیکھ کر واپس آیا تھا۔ اور اگر انتقام کے متعلق تمہارا ارادہ تبدیل نہیں ہو گیا تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں عباد بھاگنے والے دشمن کا پیچھا کرتا ہوا جس گھر تک پہنچا تھا وہ عدی کا گھر تھا۔"

ایک ثانیئے کے لئے عاصم کے خون کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اچانک اُس کے دِل کی حرکت تیز ہونے لگی۔ وہ بھاگ کر کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں سے گھوڑے کی لگام اٹھائی۔ باہر نکلا اور آن کی آن میں ہجوم کو چیرتا ہوا صحن کے اُس کونے میں پہنچ گیا جہاں دوسرے جانوروں کے ساتھ اُس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ پھر جب گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی تو ہبیرہ نے غرور سے اپنا سر بلند کرتے ہوئے منذر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "دیکھ لیا تم نے میرے بھائی کے بیٹے کو؟"

○

جس وقت عاصم اپنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر عدی کے مکان کا رخ کر رہا تھا، شمعون انتہائی بے چینی کی حالت میں اپنے کمرے کے اندر ٹہل رہا تھا اور اُس کا غلام سہمی ہوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شمعون اچانک رُک کر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ عاصم تھا؟"

"جی ہاں! میں نے اُسے چاند کی روشنی میں اچھی طرح دیکھا تھا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ عدی کے باغ میں کیا کر رہا تھا۔"

شمعون نے جھنجھلا کر کہا۔ "وہ عدی کے باغ میں کھجوریں چرانے نہیں گیا تھا، بیوقوف! وہ اپنے چچا کے اصرار پر اُسے قتل کرنے گیا ہوگا۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آگ خود بخود بھڑک اٹھے گی اور مجھے پھونکیں مارنے کی ضرورت

نہیں۔ اب تم نے میرے لئے ایک ایسی مصیبت کھڑی کر دی ہے جس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

"جناب! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے آپ نے کہا تھا کہ اگر کوئی تعاقب کرے تو میں اُسے عدی کے باغ تک ضرور لے جاؤں۔"

"لیکن بدمعاش! تم یہ کہتے تھے کہ یثرب میں تم سے زیادہ تیز بھاگنے والا کوئی نہیں۔ پھر اُس نے تمہیں کیسے پکڑ لیا؟"

"جناب! میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ میرا پیچھا کرنے والا آدمی میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے کئی بار اِس خیال سے اپنی رفتار کم کی تھی کہ وہ کہیں مایوس ہو کر میرا پیچھا کرنا نہ چھوڑ دے لیکن عدی کے باغ میں پہنچ کر مجھے یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ عاصم میرے قریب چھپا ہوا ہے اور وہ اچانک میری گردن دبوچ لے گا۔"

شمعون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ "عاصم نے تمہیں پہچان لیا تھا؟"

"جی ہاں اُس نے میرے چہرے سے نقاب نوچتے ہی یہ کہا تھا کہ تم شمعون کے غلام ہو۔"

"پھر اُس نے تمہیں چھوڑ دیا؟"

"جی ہاں ——"

"تم بکتے ہو۔ اُس نے یقیناً تم سے یہ پوچھا ہوگا کہ تم اِس وقت عدی کے باغ میں کیوں آئے ہو۔ سچ کہو ورنہ میں تمہاری کھال اُدھیڑ دوں گا۔"

"جی ہاں! اُس نے پوچھا تھا۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"جناب! میں نے یہ بہانہ کیا تھا کہ میں ڈاکوؤں کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ لیکن اُس نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے اپنے آقا کے ہاں چوری کی ہے اور اُس کے نوکر تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور میں نے اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس کا یہ الزام تسلیم کر لیا۔"

شمعون قدرے مطمئن ہو کر بولا۔ "تم نے اپنی ساری زندگی میں یہی ایک عقل کی بات کی ہے۔ اور کل تمہیں

لوگوں کے سامنے چوری کرنے کے الزام میں کوڑے کھانے پڑیں گے۔ تاکہ جو لوگ عاصم سے یہ واقعہ سنیں وہ مطمئن ہو جائیں۔ لیکن میرے لئے عاصم سے جان چھڑانا مشکل ہوگا۔ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔"

"جناب! میں اُسے چند دن کے اندر اندر قتل کر دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن کوڑے کھانے کے بعد میرا انعام کیا ہوگا؟"

شمعون نے کہا۔ "تمہارا انعام یہ ہوگا کہ کوڑے لگانے والے کو ہدایت کر دی جائے گی کہ وہ بہت زیادہ فرض شناسی سے کام نہ لے ورنہ تم کسی نرمی کے مستحق نہیں ہو۔ اگر تم ایک کارآمد جانور نہ ہوتے تو میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا ڈالتا۔"

غلام نے کہا۔ "جناب! آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ ہیرہ کے خاندان کے آدمی اب تک عدی کے مکان پر حملہ کر چکے ہوں گے اور صبح تک اوس و خزرج ایک فیصلہ کن معرکے کے لئے میدان میں نکل آئیں گے۔ پھر شاید آپ کو مجھے کوڑے لگانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ ابھی تک اوس و خزرج میں سے کسی نے ایک دوسرے کے گھر پر حملہ نہیں کیا تھا۔ کل اُن کے جوش و خروش کا یہ عالم ہوگا کہ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ ہوں گے۔ ہم نے جو آگ لگائی ہے اُسے بجھانا عاصم یا عدی جیسے لوگوں کے بس کی بات نہ ہوگی۔"

باب (۱۰)

عدی صحن میں بھاگتے ہوئے گھوڑے کی آہٹ سن کر گہری نیند سے بیدار ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے ساتھ ہی دوسرے بستر پر عتبہ سو رہا تھا۔ عدی نے اُس کا بازو جھنجوڑ کر جگایا اور کہا۔ "بیٹا! معلوم ہوتا ہے کوئی گھوڑا کھل گیا ہے۔"

عتبہ نے اٹھ کر کہا۔ "میں دیکھتا ہوں، ابا جان!"

"لیکن بیٹا! خالی ہاتھ مت جاؤ ہو سکتا ہے کہ باہر کوئی چور ہو۔"

عتبہ نے اپنے سرہانے کی کھونٹی میں لٹکی ہوئی تلوار اتاری اور دروازے کی طرف بڑھا۔

پاس ہی نعمان کی آواز سنائی دی۔ "کیا ہے ابا جان؟"

"کچھ نہیں شاید کوئی گھوڑا کھل گیا ہے۔"

عتبہ نے آہستہ سے کنڈی کھولی اور کواڑ کا ایک پٹ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ایک گھوڑا بدحواسی کی حالت میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ اور عتبہ کے لئے یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بھاری چیز صحن میں گری ہے۔ عتبہ باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد گھوڑے کو پچکارتا ہوا آگے بڑھا۔ گھوڑا رک گیا اُس کے رسے کا کچھ حصہ لٹک رہا تھا۔ عتبہ نے اُسے پکڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رسا ٹوٹا نہیں بلکہ کسی تیز چیز سے کاٹا گیا ہے۔ پھر اچانک اُس نے دیکھا کہ گھوڑے کی پچھلی ران میں ایک تیر پیوست ہے اور اُس کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔ اُس نے جلدی سے تیر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور گھبراہٹ کے عالم میں کسی کو آوازیں دینے لگا۔ اصطبل کی طرف سے، دوسرے گھوڑے کی ہنہناہٹ کے سوا، کوئی جواب نہ آیا تو وہ

گھوڑے کو لے کر آگے بڑھا لیکن چند قدم چلنے کے بعد دوبارہ رُک کر نوکروں کو آوازیں دینے لگا۔ اچانک ایک تیر اُس کے بائیں بازو پر آکر لگا اور وہ چیخ مار کر، صحن کے کونے میں، کھجور کے درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو تیر آئے ایک اُس کے کندھے میں پیوست ہوگیا اور دوسرا اُس کی گردن کو چھوتا ہوا نکل گیا۔ وہ ڈاکو ڈاکو کہتا ہوا ایک طرف ہٹا تو اصطبل کی طرف سے پانچ چھ مسلح آدمی نمودار ہوئے۔ عتبہ نے مڑ کر مکان کے دروازے کا رُخ کیا، لیکن پانچ اور آدمی درختوں والے کونے سے آگے بڑھ کر اُس کا راستہ روک رہے تھے۔ اب خوف کی جگہ اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے اُلٹے پاؤں، پیچھے ہٹ کر مکان کے آخری کمرے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سمیرا کا کمرہ تھا اور اس کی ایک چھوٹی کھڑکی صحن میں کھلتی تھی۔ حملہ آوروں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے اور اُن کی دونوں ٹولیاں عتبہ کے دائیں بائیں چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھیں۔

اچانک عدی، عمیر اور نعمان مکان سے باہر نکلے اور عتبہ کے بائیں جانب کے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے عمیر کے پہلے وار سے ایک آدمی زخمی ہو کر گر پڑا اور باقی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے۔ عدی اور نعمان عتبہ کے قریب پہنچ گئے لیکن عمیر دشمن کو پیچھے ہٹاتا ہوا صحن کی دیوار کے قریب جا چکا تھا۔

عتبہ چلایا "عمیر! عمیر! پیچھے آجاؤ، اُس طرف دشمن کے تیر انداز چھپے ہوئے ہیں" عمیر مڑ کر پیچھے بھاگا لیکن یکے بعد دیگرے اُس کے چار تیر لگے اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

عتبہ چلایا "ابا جان! آپ اندر چلے جائیے، یہ بہت زیادہ ہیں" اور ساتھ ہی اُس نے پوری شدت کے ساتھ دائیں ہاتھ کی ٹولی پر حملہ کر دیا۔ عدی اور نعمان پیچھے ہٹنے کی بجائے بھاگ کر اُس سے جا ملے۔ عدی پوری قوت کے ساتھ چلا رہا تھا "نعمان! تم اندر چلے جاؤ، دروازہ بند کر لو" نعمان اُس کا کہنا ماننے کی بجائے سمیرا کو آوازیں دے کر دروازہ بند کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ عتبہ کی تلوار ایک آدمی کی گردن پر لگی اور وہ گر کر تڑپنے لگا۔ دوسرے وار میں اُس نے ایک اور آدمی کو زخمی کر دیا۔ لیکن اِس کے بعد اُسے حملہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ ایک آدمی کی تلوار اُس کے سر پر لگی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔ ایک اور آدمی نے عتبہ پر دوسرا وار کیا لیکن عدی نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روک لی اور عتبہ اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ اِس عرصہ میں باقی حملہ آور جنہیں عمیر نے بائیں ہاتھ دھکیل دیا تھا اپنے ساتھیوں سے آملے اور اُن کے شدید حملے سے عدی اور نعمان کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ عتبہ کا چہرہ اور لباس خون سے

تر ہو چکا تھا۔ وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہٹتے پھر اُسی دیوار سے آلگا۔ عدی اور نعمان نے کچھ دیر حملہ آوروں کو اُس سے دور رکھنے کی کوشش کی لیکن اُن کی پیش نہ گئی۔ ایک آدمی کی تلوار عدی کے سینے پر لگی اور وہ چلایا "نعمان! بھاگ جاؤ اور اندر سے دروازہ بند کر لو اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ نعمان میرا کہنا مانو۔ ابھی ہمارے قبیلے کے لوگ آگئے تو تمہاری جان بچ جائے گی۔ اب تک ہمارے نوکر انہیں خبردار کر چکے ہوں گے"۔

اپنی مہم کی کامیابی یقینی سمجھنے کے بعد، حملہ آوروں کا جوش و خروش قدرے کم ہو چکا تھا اور وہ مزید نقصان اٹھائے بغیر انہیں تنگ گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک آدمی نے کہا "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے نوکر تمہارے قبیلے کے آدمیوں کو خبردار کرنے کے لئے بھاگ گئے ہیں تو تم غلطی پر ہو۔ ہم نے آتے ہی اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ ہمارے دو آدمی ننگی تلواریں لئے اُن کے سر پر کھڑے ہیں۔ اور تمہاری آواز تمہارے قبیلے کے کسی گھر تک نہیں پہنچ سکتی۔ وہ یہاں سے بہت دُور ہیں اب تمہارے لئے ہتھیار پھینک دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

"ٹھہرو! تم جانتے ہو کہ اب ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں" عدی نے یہ کہہ کر دیوار سے پیٹھ لگا دی اور حملہ آوروں نے اپنے ہاتھ روک لئے۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد کہا "اگر تمہیں گھوڑوں کی ضرورت ہو تو لے جاؤ۔ لیکن ہم پر رحم کرو، ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا"۔

ایک آدمی نے کہا "احمقو! تم کیا سوچ رہے ہو انہیں جلدی ختم کرو"۔

عتبہ جو گردن جھکائے کھڑا بار بار اپنی پیشانی سے خون پونچھ رہا تھا چلایا "ابا جان! آپ ان سے رحم کی درخواست نہ کیجئے ابھی میں زندہ ہوں" اور یہ کہہ کر اُس نے ایک غیر معمولی شدت کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ جس قدر شدید تھا اُسی قدر غیر متوقع تھا۔ عتبہ پے در پے دائیں بائیں اور سامنے وار کرتا ہوا آگے بڑھا اور وہ پیچھے بھاگنے لگے۔ لیکن یہ ایک دم توڑتے ہوئے آدمی کا اندھا جوش تھا۔ انہوں نے چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد پلٹ کر حملہ کیا چشم زدن میں بیک وقت کئی تلواریں عتبہ کے جسم میں اتر گئیں اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ عدی اور نعمان آگے بڑھے لیکن عدی چند قدم اٹھانے کے بعد منہ کے بل گر پڑا اور نعمان کے پاؤں زمین میں پیوست ہو کر رہ گئے وہ جھک

کر اپنے باپ کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ چند قدم دور عتبہ کی لاش ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن حملہ آور ابھی تک بے تحاشا اُس پر تلواریں برسا رہے تھے۔ اچانک کونے کے کمرے سے نسوانی چیخیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی عتبہ کی لاش مسخ کرنے والوں میں سے ایک آدمی چیخ مار کر گر پڑا۔ حملہ آور ششدر ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دریچے سے دوسرا تیر آیا اور ایک آدمی اور زخمی ہو کر زمین پر آ رہا۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور آن کی آن میں دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ چند آدمی کھجوروں کے پیچھے چھپ گئے۔ چند دیوار پھاند کر دوسری طرف کود گئے اور باقی صحن کے کھلے پھاٹک سے باہر نکل گئے۔

سمیرا کھڑکی سے سر نکال کر چلائی "نعمان جلدی کرو، ابا جان کو اندر لے آؤ"۔ نعمان نے عدی کو اٹھا کر سہارا دیا۔ اور وہ درد سے کراہتا اور لڑکھڑاتا ہوا اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اُس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بولا "نعمان! مجھے یہیں چھوڑ دو اور اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ جاؤ قبیلے کے لوگوں کو خبردار کرو۔"

اُس نے کہا "میں آپ کو اور سمیرا کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ فوراً ایک حملہ اور کریں گے۔"

سمیرا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور یہ دونوں عدی کو سہارا دے کر اندر لے گئے اور اُسے بستر پر لٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ عدی اپنی رہی سہی قوت بروئے کار لاتے ہوئے چلایا "نعمان! اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو ہم مکان کے اندر چوہوں کی طرح مارے جائیں گے۔ اگر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا تو انہیں دروازہ توڑنے یا مکان کو آگ لگانے میں دیر نہیں لگے گی۔ تم مغرب کی طرف سے دیوار پھاند کر باہر جا سکتے ہو۔ اگر تم قبیلے کے لوگوں کو خبردار کر سکو تو ممکن ہے وہ ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔ نعمان! وقت ضائع نہ کرو، میں تمہیں منات کا واسطہ دیتا ہوں۔ یہ میری آخری التجا ہے اسے رد نہ کرو۔"

سمیرا نے کہا "نعمان جاؤ! میں کھڑکی سے تیر چلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ رکھتی ہوں۔"

عدی کا گھر آبادی سے بالکل الگ اور چاروں طرف سے باغوں میں گھرا ہوا تھا۔

نعمان کو یقین تھا کہ واپس آ کر اپنے باپ اور سمیرا کو زندہ نہیں پائے گا تاہم حملہ آوروں سے بچنے کی اگر کوئی صورت تھی تو وہ یہی تھی کہ کسی طرح قبیلے کے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے۔

اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ابا جان، کاش! مجھے آپ یہ حکم نہ دیتے"۔ اور پھر کسی توقف کے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سمیرا نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بھاگ کر دوسری طرف کھڑکی کے سامنے

جا کھڑی ہوئی۔ صحن میں مکمل سکوت تھا لیکن سمیرا کو یہ سکوت لڑائی کے ہنگامے سے زیادہ خوفناک محسوس ہوتا تھا۔ سامنے بیرونی دیوار کے قریب کھجور کے گھنے درختوں کے سائے میں چند آدمیوں کی موجودگی کا شبہ ہوتا تھا اور ہر لحظہ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

نعمان کمرے سے باہر نکلتے ہی مغربی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگتا ہوا کھجور کے ایک درخت کے قریب پہنچا تو یکے بعد دیگرے دو سنسناتے ہوئے تیر اُس کے قریب سے گزر گئے اور ساتھ ہی حملہ کرنے والوں کی چیخ پکار سنائی دینے لگی۔ "اُسے پکڑو، مارو، روکو، وہ دوسری طرف سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

نعمان نے انتہائی پھرتی سے کھجور پر چڑھ کر ایک پاؤں دیوار پر رکھا اور کسی توقف کے بغیر باہر چھلانگ لگا دی۔ چند آدمی شور مچاتے ہوئے آگے بڑھے لیکن دریچے سے سمیرا نے تیر چلایا اور ایک آدمی زخمی ہو کر دہائی دینے لگا۔ "آگے مت جاؤ تم سب بیوقوف ہو، یہ مکان آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

حملہ آور دوبارہ بھاگ کر درختوں کے سائے میں چلے گئے۔ چند ثانیے بعد ایک آدمی اپنے ساتھیوں کو سمجھا رہا تھا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ اُن کا ایک آدمی دیوار پھاند کر باہر نکل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ عدی کا تیسرا لڑکا تھا۔ اب تمہیں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنا سارا قبیلہ جمع کر کے یہاں لے آئے۔ اب ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ چلو!"

لیکن دوسرے آدمی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "نہیں، ہرگز نہیں! یہاں میرے بھائی کی لاش پڑی ہے اور میں منات کی قسم کھاتا ہوں کہ اُس کا انتقام لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اگر تم اِس قدر بزدل تھے تو تمہیں ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

"بزدل تم ہو جو اپنے بھائی کی لاش چھوڑ کر باغ میں جا چھپے تھے اگر تم بھیڑوں کی طرح نہ بھاگتے تو ہمارے لئے مکان کا دروازہ توڑنا کچھ مشکل نہ تھا۔"

تیسرے آدمی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "دیکھو اب صبح ہونے والی ہے اور تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ عدی زخمی ہے اور وہ لڑنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر اُس کا لڑکا بھاگ گیا ہے تو اب اِس کمرے میں عدی کی لاش اور لڑکی کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم اُس کے تیروں کے خوف سے بھیڑوں کی طرح

بھاگ رہے ہیں۔ اگر ہمت ہے تو میرے ساتھ آؤ!"

"چلو! چلو!"

وہ درختوں کے سائے سے نکل کر بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ سمیرا کے تیر سے ایک آدمی زخمی ہوا لیکن باقی اُس کی زد سے نکل کر دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ سمیرا نے جلدی سے دریچہ بند کیا اور بھاگ کر عدی کے قریب آگئی۔ کسی نے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "عدی! باہر نکل آؤ ورنہ ہم مکان کو آگ لگا دیں گے۔"

سمیرا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابا جان! اب ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہمارا آخری وقت آگیا ہے۔ اب شاید قبیلے کے لوگ ہماری لاشیں بھی نہ دیکھ سکیں۔ کاش ہمارا گھر آبادی سے اِس قدر دور نہ ہوتا۔"

باہر سے آواز آئی۔ "عدی! تم آگ میں جلنے سے پہلے اپنے بیٹوں کی لاشیں نہیں دیکھو گے؟"

عدی نے کہا۔ "میں تمہیں آگ لگانے سے نہیں روک سکتا لیکن یاد رکھو اِس آگ کے شعلے میرے گھر تک محدود نہیں رہیں گے۔ اوس اور خزرج نے ہمیشہ مردوں کی طرح ایک دوسرے کو میدان میں للکارا ہے۔ بزدلوں اور چوروں کی طرح رات کے وقت کسی کے گھر پر حملہ نہیں کیا۔"

"مظلوم نہ بنو، عدی! کیا تم نے رات کے وقت ہمارا گھر جلانے کی کوشش نہیں کی؟"

"میں لات، منات، ہبل اور عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں ہیں ابراہیمؑ کے خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کسی کے گھر کو آگ نہیں لگائی۔ تم کون ہو؟"

"میں سالم ہوں ـــــ ہبیرہ کا بیٹا! اب تم ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "سالم! ہمیں اِس سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ابھی باہر آجائیں گے۔ تم کیا دیکھ رہے ہو، اِس دروازے کے سامنے سوکھی گھاس جمع کر کے آگ لگا دو، جلدی کرو!"

عدی چلایا۔ "تم میری جان لینا چاہتے ہو؟"

باہر سے جواب آیا۔ "تمہیں اب بھی اِس میں شبہ ہے۔"

عدی نے کہا۔ "اہلِ یثرب دوسرے قبائل کی طرح لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، اگر تم وعدہ کرو کہ میری لڑکی کو کچھ نہیں کہو گے تو میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تمہارا تیسرا لڑکا بھاگ گیا ہے؟"

"ہاں! لیکن تمہیں یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ وہ بزدل ہے۔ وہ بہت جلد واپس آئے گا اور میرا پورا قبیلہ اُس کے ساتھ ہوگا۔ تمہیں یہ اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے کہ میری بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کے بعد تمہارے اپنے گھر کب تک محفوظ رہیں گے۔ میرے دو بیٹوں کی لاشیں باہر پڑی ہیں اور اب مجھے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم اگر میرے خون سے ہاتھ رنگ کر مطمئن ہو سکتے ہو، تو میں باہر آنے کو تیار ہوں لیکن صرف اِس شرط پر کہ تم ایک بے بس لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے اگر تم یہ وعدہ نہیں کر سکتے تو ہمیں آگ میں جلنا منظور ہے ـــــ تم میرے گھر کو آگ لگانے کا شوق پورا کر لو لیکن یاد رکھو کہ یہ آگ اُس وقت تک نہیں بجھے گی جب تک کہ یثرب کی ساری وادی راکھ کا ڈھیر نہ بن جائے۔"

کچھ دیر باہر سے کوئی جواب نہ آیا۔ سمیرا دروازے کی ایک دراڑ سے صحن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حملہ آور دروازے کے سامنے گھاس اور کھجور کے سوکھے پتوں کا ڈھیر لگا چکے تھے۔ ایک آدمی جس کے ہاتھ میں گھاس کی مشعل تھی آگے بڑھا لیکن دوسرے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو! مجھے اس سے بات کر لینے دو!"

"اب ہمارے پاس باتوں کے لئے وقت نہیں۔" تیسرا آدمی یہ کہہ کر آگے بڑھا اور اُس نے پہلے آدمی کے ہاتھ سے مشعل چھین کر گھاس کے ڈھیر پر پھینک دی۔

سوکھے ایندھن میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے لیکن ایک اور آدمی نے بھاگ کر گھاس کا گٹھا اٹھایا اور دروازے سے چند قدم دور پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم ایک ایسی برائی کا دروازہ کھول رہے ہو جسے ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہ ہوگی۔" پھر اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "عدی! ہم تمہیں ایک بہادر آدمی کی طرح مرنے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں آگ لگانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر تم باہر نکل آئے تو ہم تمہاری لڑکی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے دروازہ کھلنے پر تیر چلانے کی کوشش کی تو اُس کا انجام تمہارے بیٹوں کے انجام سے زیادہ عبرتناک ہوگا۔"

عدی بستر سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سمیرا کو ایک طرف ہٹا کر دروازے کی دراڑ سے باہر جھانکنے لگا۔ گھاس اور کھجور کے سوکھے پتوں کا گٹھا جسے دروازے سے چند قدم دور پھینک دیا گیا تھا جل رہا تھا اور آگ کے شعلے ہر لحظہ بلند ہو رہے تھے۔ عدی نے کہا۔ "ٹھہرو! میں باہر آرہا ہوں۔"

سمیرا اُس سے چمٹ کر چلائی۔ "نہیں نہیں، ابا جان! آپ اِس طرح میری جان نہیں بچا سکتے۔"

عدی نے کہا "سمیرا۔ میرے باہر نکلتے ہی تم دروازہ بند کرلینا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آگ لگانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے؟"

سمیرا دوبارہ چلّائی۔ "ابا جان! میں بھی آپ کے ساتھ مروں گی۔"

"سمیرا بیوقوف نہ بنو، مجھے چھوڑ دو۔" عدی نے اپنی ساری قوت بروئے کار لاتے ہوئے اُسے ایک طرف دھکیل دیا اور کنڈی کھول کر باہر نکل آیا۔ اُس کا لباس خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ حملہ آور ایک نصف دائرے میں اُس کی طرف بڑھے۔ اُن کی تلواریں آگ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ عدی دروازے کے قریب دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ حملہ آور اب کسی بیتابی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے، انتہائی اطمینان سے تلواریں بلند کئے، آگے بڑھ رہے تھے لیکن تین آدمی چند قدم پیچھے کھڑے رہے۔

منذر کے بیٹے مسعود نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تمہاری تلواروں کو عدی کا خون پسند نہیں۔ آؤ ہم ایک ساتھ وار کریں گے۔"

ایک آدمی نے جواب دیا "ہم اپنی تلواروں کی پیاس بجھانے کے لئے خزرج کے جوانوں کا خون پسند کرتے ہیں۔ ہمیں ایک زخمی، ضعیف اور نہتے آدمی کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں۔ تم جلدی سے اپنا کام ختم کرو۔ اب صبح ہو رہی ہے۔"

اچانک سمیرا ہاتھ میں تلوار لئے، کمرے سے باہر نکلی اور پلک جھپکتے میں اپنے باپ اور حملہ آوروں کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔

عدی چلّایا "سمیرا! تم اندر چلی جاؤ۔ سمیرا سمیرا!" اُس کی آواز حملہ آوروں کی چیخوں اور قہقہوں میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔

جابر نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ٹھہرو! تم ایک طرف ہٹ کر تماشا دیکھو۔"

وہ رک گئے جابر نے سمیرا پر چند وار کئے اور وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگی۔ اچانک اُس کا پاؤں عدی کے جسم سے لگا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑی۔ جابر نے ایک قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ کر تلوار کی نوک اُس کی آنکھوں کے سامنے کر دی۔

ایک آدمی چلّایا "جابر ہم نے عدی سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اُس کی لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔"

"میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔" جابر نے تلوار کی نوک ذرا اور آگے کرتے ہوئے کہا۔ سمیرا نے اپنی گردن ایک طرف کرلی تو جابر نے بھی اپنی تلوار کی نوک اُسی طرف پھیر دی۔

ایک آدمی چلایا "باہر باغ کی طرف سے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دے رہی ہے کوئی آ رہا ہے۔ یہاں سے بھاگو!" وہ بدحواس ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک آدمی نے کہا "تم بدحواس کیوں ہو گئے، راستے میں ہمارے ساتھی پہرا دے رہے ہیں۔ اگر اس طرف آنے والا کوئی دشمن ہوتا تو وہ نقارہ بجا کر ہمیں خبردار کر دیتے۔"

جابر کی بدحواسی سے سمیرا کو اٹھنے کا موقع مل گیا اور اُس نے اچانک اُس پر حملہ کر دیا۔ اب جابر پیچھے ہٹ رہا تھا اور وہ پے در پے اُس پر وار کر رہی تھی۔

مسعود چلایا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ عورت نہیں کوئی چڑیل ہے۔" یہ کہہ کر اُس نے پہلو سے حملہ کر دیا۔ سمیرا بائیں کندھے پر ایک گہرا زخم کھا کر ایک طرف ہٹی لیکن جابر نے ایک سیدھا وار کیا اور اُس کی تلوار کی نوک اُس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ آگ کے الاؤ کے پاس گر پڑی۔ صحن میں تھوڑی دیر کے لئے ایک سناٹا چھا گیا۔

ایک آدمی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا "منذر کے بیٹوں نے پہلی بار اپنی تلواروں کو آزمایا ہے۔ اور وہ بھی ایک لڑکی کے جسم پر ورنہ اب تک اِس لڑائی میں ان کی حیثیت دور کے تماشائیوں کی سی تھی۔" اور منذر کے بیٹے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

عدی اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا، ڈگمگایا، گرا اور دوبارہ اٹھنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد رینگتا ہوا سمیرا کے قریب پہنچ گیا۔

"سمیرا! سمیرا! میری مظلوم بیٹی۔" وہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا ——— اُسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ رہا تھا۔ پھر اُس نے آگ کی روشنی میں سمیرا کے خون سے بھیگا ہوا ہاتھ اٹھا کر دیکھا اور پوری قوت کے ساتھ چلایا "وحشیو! درندو! اب تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ مجھے قتل کیوں نہیں کرتے۔ تم سمیرا سے ڈرتے تھے لیکن اب وہ میری حفاظت کے لئے تلوار نہیں اٹھائے گی۔"

مسعود چلّایا" تم کیا دیکھ رہے ہو اسے ختم کردو"۔ لیکن اُس کے ساتھی اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ جو تھوڑی دیر قبل عدی کے خون کے پیاسے تھے، اپنے سامنے ایک لڑکی کی لاش دیکھ کر خوف زدہ نظر آتے تھے۔ بدوی قبائل کی لڑائیوں میں اِس قسم کے واقعات ایک عام بات تھی لیکن یثرب کے نسبتاً مہذب لوگوں کے نزدیک ایک لڑکی کا قتل ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اِس کے علاوہ گھوڑے کی ٹاپ اب بہت قریب سنائی دے رہی تھی اور وہ عدی سے زیادہ دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک آدمی نے کہا" جابر، مسعود! تم اطمینان سے ان لاشوں پر تیغ زنی کی مشق کر سکتے ہو۔ یہ سوار تنہا ہے اور اگر وہ دشمن ہوا تو بھی تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ ہم خطرے کے وقت تمہاری حفاظت کر سکیں گے۔ منات کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارا مقصد ایک لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے تو میں تمہارا ساتھ نہ دیتا۔ اب نہ معلوم یثرب میں کتنی مائیں اور بہنیں قتل کی جائیں گی"۔

سرپٹ سوار صحن میں داخل ہوا اور اُن کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ یہ عاصم تھا۔

سالم نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا" اخی! ہم ان سے انتقام لے چکے ہیں۔ یہ عدی ہے اور اس کے دو بیٹوں کی لاشیں بھی صحن میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ وہ لڑکی ہے، جس نے جابر پر حملہ کیا تھا۔ آپ کہاں تھے؟"۔ عاصم نے آگے بڑھ کر الاؤ کے قریب ایک دلخراش منظر دیکھا اور چند ثانیئے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر وہ اُس کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور اُس کا سر اپنی گود میں لے کر چلایا" سمیرا! سمیرا! میری طرف دیکھو، مجھ سے بات کرو، میں تمہارا عاصم ہوں"۔ لیکن سمیرا کے پاس اُس کی التجاؤں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور عاصم کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔

عدی نے درد سے کراہتے ہوئے اپنی گردن اٹھائی اور کہا" عاصم! تم بہت دیر سے آئے، سمیرا اب اری طرف نہیں دیکھے گی، اُسے عمیر اور غلبہ نے اپنے پاس بلا لیا ہے"۔

جابر نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار بلند کرتے ہوئے کہا" عمیر اور عتبہ تمہیں بھی اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ کاش ارح تمہارے قبیلے کے ہر آدمی کو اپنے پاس بلاتے رہیں"۔

عاصم اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس نے پوری قوت سے جابر کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور پھر چشم زدن میں اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔

مسعود چلّایا" اسے پکڑلو۔ اسے مار ڈالو۔ یہ غدّار ہے" اور یہ کہتے ہی اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ عاصم نے اُس کا وار اپنی تلوار پر روکا اور پھر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ مسعود کو چند قدم پیچھے دھکیلنے کے بعد اُس نے پوری قوت کے ساتھ ایک وار کیا اور مسعود کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ جابر نے اٹھ کر عقب سے وار کرنے کی کوشش کی لیکن عدی چلّایا۔ عاصم پیچھے دیکھو!" عاصم نے مڑ کر دیکھا تو وہ جابر کی تلوار کی زد میں آ چکا تھا۔ اُس نے اچانک ایک طرف جست لگا دی۔ جابر کی تلوار کی نوک زمین پر جا لگی، اس کے ساتھ ہی عاصم نے ایک بھرپور ہاتھ مارا اور جابر کی تلوار عاصم کی تلوار سے ٹکرانے کے بعد، اُس کے ہاتھ سے نکل کر، چند قدم دور جا گری۔ اب عاصم کی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر تھی۔ جابر الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگا۔

سالم نے بھاگ کر عاصم کا بایاں بازو پکڑتے ہوئے کہا" اخی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ میرے ماموں کا بیٹا ہے۔ یہ جابر ہے آپ مسعود کو قتل کر چکے ہیں۔ اخی! اخی! ہوش میں آئیے"۔

لیکن عاصم نے اپنی تلوار کی نوک جابر کے سینے سے ہٹائے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کو جھٹکا دیا اور کمسن لڑکا زمین پر گر پڑا۔

عاصم نے مڑ کر اُن آدمیوں کی طرف دیکھا جو سراسیمگی کی حالت میں یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کہا" سمیرا کو کس نے قتل کیا ہے؟۔ بزدلو! میں پوچھتا ہوں عدی کی معصوم لڑکی کو کس نے قتل کیا ہے؟" کسی نے جواب نہ دیا۔

عاصم نے جابر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا" تم بتاؤ! عدی کی بیٹی کو تم نے قتل کیا ہے؟"۔

جابر چلّایا" بھائیو! تم کیا دیکھ رہے، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ عاصم اپنے ہوش میں نہیں۔ اس پر ابھی تک سمیرا کے جادو کا اثر ہے۔ میری جان بچاؤ ——" لیکن کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سالم نے دوبارہ اٹھ کر عاصم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا" اخی! ہم نے اِس لڑکی کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس نے اچانک جابر پر حملہ کر دیا۔ اگر وہ حملہ نہ کرتی تو یہ اُس پر ہاتھ نہ اُٹھاتا۔ اخی! ہوش سے کام

لیجئے۔" عاصم نے اپنا ہاتھ چھڑا کر سالم کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور وہ تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ پھر اُس نے جابر کی طرف متوجہ ہو کر گرجتی ہوئی آواز میں کہا "تم نے سمیرا کو قتل کیا ہے؟ کاش! منذر کے دس ہزار بیٹے ہوتے اور میں سمیرا کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے انہیں قتل کر سکتا۔"

وہ چلایا۔ "عاصم! مجھ پر رحم کرو۔" لیکن عاصم نے اپنے ہاتھ کو جنبش دی اور تلوار کی نوک جابر کے سینے میں اتر گئی۔ وہ گرا عاصم نے ایک جنون کی سی حالت میں پے در پے اُس کی تڑپتی ہوئی لاش پر کئی وار کر دیئے۔

"بھائیو!" ایک آدمی چلایا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ منذر کے دو بیٹے قتل ہو چکے ہیں۔ اب تم واپس کیا منہ لے کر جاؤ گے۔ ہمارے لئے اِس کی بجائے مرجانا بہتر ہے۔ عاصم پاگل ہو چکا ہے۔ اسے پکڑ لو، اسے مار ڈالو۔ جلدی کرو گھیرا ڈالو ورنہ تھوڑی دیر میں خزرج کے تمام آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" وہ نصف دائرے میں آگے بڑھنے لگے۔ اور سالم ایک طرف ہٹ کر سسکیاں لینے لگا۔

عاصم اچانک ایک طرف جھپٹ پڑا اور اُس کے پہلے ہی وار سے ایک آدمی کی لاش زمین پر تڑپ رہی تھی اور باقی بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ عاصم صحن کے بیچ میں رک گیا اور اُس نے غصّہ سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بزدلو! میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہمارے گھر پر شمعون یہودی کے آدمیوں نے حملہ کیا تھا اور عدی کو اِس بات کا علم بھی نہ تھا۔ جب شمعون کے آدمی ہمارے گھر پر حملہ کر رہے تھے، میں علی کے ساتھ اُس کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اب باتوں کا وقت گزر چکا ہے۔ تمہیں صرف لڑنے کا شوق تھا اور میں تمہارا یہ شوق پورا کرنا چاہتا ہوں۔ اب بھیڑوں کی طرح بھاگ کیوں رہے ہو —— آؤ!"

لیکن کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی۔ اچانک باہر سے نقارے کی آواز سنائی دی اور ایک آدمی چلایا۔ "سنو! ہمارے آدمی نقارہ بجا رہے ہیں۔ دشمن اِس طرف آ رہا ہے۔ بھاگو! جلدی کرو!"

دوسرا آدمی چلایا۔ "ٹھہرو! ہم اپنی لاشیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

تیسرے نے کہا۔ "پاگلو! اب لاشیں اٹھانے کا کون سا وقت ہے۔ یہ بات تمہیں اس وقت سوچنی چاہیئے تھی جب عدی کا ایک لڑکا اپنے قبیلے کو خبردار کرنے کے لئے یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ اب اپنی جانیں بچانے کی فکر کرو۔"

آن کی آن میں صحن خالی ہو گیا لیکن سالم عاصم کے قریب کھڑا رہا۔ عاصم غضب ناک ہو کر چلایا۔ "تم اب کیا دیکھ رہے ہو جاؤ!"

سالم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ "میں نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

عاصم نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اُسے زبردستی کھینچتا ہوا صحن کے دروازے تک لے گیا۔ سالم چلا رہا تھا۔ "اخی! تم مجھے بھی جابر اور مسعود کی طرح قتل کیوں نہیں کر دیتے، اب میں قبیلے کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔"

عاصم نے اُسے پوری قوت کے ساتھ دروازے سے باہر دھکیل دیا اور وہ چند قدم کے فاصلے پر منہ کے بل جا پڑا۔ پھر وہ جلدی سے اٹھا اور ایک ثانیہ عاصم کی طرف دیکھنے کے بعد بھاگتا ہوا باغ میں روپوش ہو گیا۔

عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا صحن میں بکھری ہوئی لاشوں کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ تمام واقعات اُسے ناقابلِ یقین معلوم ہوتے تھے۔ وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ناممکن ہے سمیرا کو موت نہیں آسکتی۔ یہ ایک خواب ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سمیرا کو موت آجائے اور میں زندہ رہوں۔ اچانک اُس نے ایک جھرجھری لی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا سمیرا کی لاش کی طرف بڑھا۔

"پانی! پانی!" عدی کی نحیف آواز سنائی دی اور وہ بھاگ کر مکان کے دروازے کے قریب ایک مٹکے سے پانی کا کٹورا بھر لایا۔ عدی کو چند گھونٹ پلا کر دوبارہ زمین پر لٹانے کے بعد اُس نے سمیرا کو سہارا دے کر اٹھایا اور پانی کا پیالہ اُس کے منہ کو لگا دیا لیکن پانی سمیرا کے حلق میں جانے کی بجائے اِدھر اُدھر بہہ گیا اور عاصم کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے پیالہ گر پڑا۔

"سمیرا، سمیرا!" وہ اُس کی لاش کو اپنے سینے سے بھینچ کر چلایا "میری طرف دیکھو! مجھ سے بات کرو۔ مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔ سمیرا! میں تمہارا مجرم ہوں۔ کاش! میں یہاں نہ آتا۔ کاش! ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ہماری محبت اِس گھر کے لئے جہنم کی آگ بن جائے گی۔"

پھر اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ اے لات! اے ہبل! اے عزیٰ! اے منات! مجھ پر رحم کرو۔ اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو میری حالت دیکھو، اگر تمہارے کان ہیں تو میری فریاد

سنو، اگر تم کسی کو کچھ دے سکتے ہو تو میں تم سے سمیرا کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔ مہینوں اور برسوں کے لئے نہیں صرف ایک لمحہ کے لئے میری سمیرا مجھے واپس دے دو۔ پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے نہیں چھین سکے گی۔ پھر اگر ساری دنیا کے دشمن اِس گھر پر حملہ کر دیں تو میں تنہا ان کا مقابلہ کروں گا۔ آسمان کی بے رحم قوتو! تم نے سمیرا کو یہ دیکھنے کا موقع تو دیا ہوتا کہ میں اُس کے لئے اپنے قبیلے سے لڑ سکتا ہوں۔ اے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے خدا! میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔"

عدی اُس کے قریب پڑا، اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا اور باہر آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی لیکن عاصم کو اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ وہ بار بار سمیرا کے چہرے کی طرف دیکھتا اور پھر اُس کی لاش کو اپنے سینے سے لپٹا لیتا۔ باہر کی چیخ پکار صحن کے اندر پہنچ چکی تھی لیکن عاصم کو کسی خطرے کا احساس نہ تھا۔

کسی نے بلند آواز میں کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ عاصم ہے اسے پکڑ لو، اسے مار ڈالو۔"

لیکن عاصم اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اُس نے بے اعتنائی سے اپنے گرد گھیرا ڈالنے والوں کی طرف دیکھا، اور گردن جھکا لی۔

کسی نے کہا "نعمان سب سے پہلے تمہیں وار کرنے کا حق ہے۔" نعمان نے آگے بڑھ کر تلوار بلند کی لیکن عدی جو بظاہر اپنا سفرِ حیات ختم کر چکا تھا۔ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ عاصم کے سر پر تان دیئے اور چلایا۔

"نہیں، نہیں! اسے کچھ نہ کہو۔ اِس نے ہماری خاطر منذر کے بیٹوں کو قتل کیا ہے ـــــ اب یہ تمہاری پناہ میں ہے ـــــ نعمان میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم ..... عاصم کو اپنا دوست سمجھو ـــــ بھائیو! عاصم میرے بیٹوں کا انتقام لے چکا ہے، اب تمہیں تلواریں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔" عدی نے یہاں تک کہہ کر ایک جھرجھری لی اور ایک طرف گر پڑا۔

نعمان نے اپنی تلوار پھینک دی اور آگے بڑھ کر اُس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔

"ابا جان! ابا جان!" اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔

عدی نے جواب دینے کی بجائے چند اکھڑے اکھڑے سانس لئے اور گردن ڈھیلی چھوڑ دی۔ ایک معمر آدمی نے آگے بڑھ کر اُس کی نبضیں ٹٹولیں اور سر پھیر دیا۔ نعمان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور عاصم بدستور سمیرا کی لاش سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ جب قبیلے کے آدمی عدی اور اُس کے بیٹوں کی لاشیں اٹھا کر اندر لے گئے۔ تو ایک نوجوان نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ عاصم نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر سمیرا کو اٹھا کر کمرے کی طرف چل دیا۔ لوگ جو غصے اور اضطراب کی بجائے اب پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے کچھ کہے بغیر راستے سے اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔ عاصم دروازے کے قریب رُکا اور چند ثانیے سمیرا کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑا رہا، پھر جب اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلکنے لگیں تو اُس نے آگے بڑھ کر سمیرا کو بستر پر لٹا دیا۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باہر نکل آیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ لوگ جو اب آہستہ آہستہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اُس کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ اُن میں سے ہر ایک کی زبان پر کئی سوال تھے لیکن کسی کو اُس سے ہمکلام ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اُن کے نزدیک اِس گھر میں عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت سے زیادہ اہم واقعہ یہ تھا کہ منذر کے بیٹوں کو عاصم نے قتل کیا تھا۔ اور جب خزرج والوں کی تلواریں اُس کے خون میں ڈوبنے والی تھیں تو عدی نے جان کنی کے وقت اُس کے سر پر اپنے ہاتھ تان دیئے تھے۔

عاصم صحن میں اُس جگہ جہاں وہ کچھ دیر قبل سمیرا کی لاش کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا رُکا، اپنی تلوار اُٹھا کر نیام میں کی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد صحن کے اُس کونے کی طرف بڑھا جہاں اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔

نعمان نے اچانک بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

عاصم نے بے اختیار اُسے گلے لگا لیا اور اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔"

قبیلہ خزرج کے ایک معمر آدمی نے کہا۔ "عاصم! یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے ہماری خاطر منذر کے بیٹوں کو کیسے قتل کیا ـــــ لیکن ہم تمہیں اپنی پناہ میں لینے کو تیار ہیں۔"

عاصم نے بے پروائی سے جواب دیا "اب مجھے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں۔"

ایک نوجوان نے عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "اگر تمہیں ہماری پناہ رہنا پسند نہیں تو فوراً یثرب سے کہیں دور نکل جاؤ۔ ورنہ اب تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یثرب کو چھوڑ رہا ہوں لیکن جانے سے پہلے یہاں میرے حصے کا ایک کام باقی ہے۔"

عاصم اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا صحن سے باہر نکل گیا۔

○

عدی کے گھر سے کوئی ایک میل دور ایک کشادہ راستے کے دونوں کناروں پر کچی دیواریں یہودیوں کے باغوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ اچانک دو آدمی یکے بعد دیگرے ان دیواروں پر سے کود کر عاصم کے راستے میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے۔

عاصم نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا، یہ عباد اور سالم تھے۔ اُس نے پوری قوت کے ساتھ باگیں کھینچ کر اپنا گھوڑا روکا اور کہا۔ "عباد! تم کہاں تھے؟"

عباد نے جواب دیا۔ "میں راستے میں پہرا دے رہا تھا۔ سالم نے حکم دیا تھا کہ اگر دشمن خبردار ہو کر عدی کی مدد کے لئے اِس طرف آئے تو ہم نقارہ بجا دیں۔ جب آپ یہاں سے گزرے تھے تو میں نے آپ کو پہچان لیا تھا اور آپ کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ میری طرف توجہ دیئے بغیر آگے نکل گئے ـــــ اس کے بعد جب خزرج کی آبادی میں چیخ پکار سنائی دینے لگی تو میرے دو ساتھی نقارہ بجا کر بھاگ گئے لیکن چونکہ عدی کے گھر پر حملہ کرنے والے ساتھیوں نے بہت دیر لگا دی تھی اِس لئے میں تشویش کی حالت میں باغوں سے گزرتا ہوا عدی کے گھر کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے عدی کے باغ سے بھاگتے ہوئے آدمیوں کی آہٹ سنائی دی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ ہمارے آدمی ہیں، تاہم میں اطمینان کرنے کے لئے ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھ سے چند قدم دور باتیں کرتے ہوئے گزر گئے، وہ آپ کو بدترین گالیاں دے رہے تھے اور میں نے اُن کے سامنے جانا گوارا نہ کیا۔ پھر ایک آدمی جس کی ٹانگ زخمی تھی لنگڑاتا ہوا میرے پاس سے گزرا اور میں نے اُس کا راستہ روک کر اتنی دیر سے واپس آنے کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے جواب دینے کے بجائے میرے منہ پر تھوک دیا۔ اور تلوار نکال کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر اپنی جان بچائی اور وہ میرا پیچھا کرنے کی بجائے آپ کو گالیاں دیتا ہوا آگے نکل گیا۔ پھر میں کچھ دور اور آگے گیا تو مجھے سالم مل گیا اور ـــــ"

"اور پھر تمہیں سالم نے بتایا کہ میں اپنے قبیلے کا غدار اور قاتل ہوں۔ کہو! خاموش کیوں ہو گئے"

عباد نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ نے منذر کے بیٹوں کو قتل کیا ہے لیکن اگر یہ درست ہو تو بھی میں آپ کا غلام ہوں"

"تم آج سے آزاد ہو۔ اور سالم اِس بات کی گواہی دے گا کہ میں اپنے حصّے کی جائداد تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں"

"آپ مجھے قتل کر سکتے ہیں لیکن ان حالات میں اپنا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتے"

عاصم نے کہا۔ "میں تم سے صرف ایک خدمت لینا چاہتا ہوں۔ تم عدی کے گھر کے قریب چھپ کر میرا انتظار کرو۔ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو یہ کہہ دینا کہ تم میرے حکم کی تعمیل کر رہے ہو۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں پہنچ جاؤنگا"

سالم نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اخی! آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"تمہیں اطمینان رکھنا چاہیئے کہ میں گھر نہیں جاؤں گا"

سالم نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس طرف آبادی کا رُخ نہ کریں۔ اب قبیلے کا ہر آدمی آپ کی تلاش میں ہو گا"

عاصم نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "سالم! اب تمہیں میری موت و حیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔ تم گھر جاؤ ـــــ"

سالم نے اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں! جب تک آپ یہ نہیں بتاتے کہ آپ اس طرف کیوں جا رہے ہیں، میں یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ میں منات کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر دشمن کا سارا قبیلہ اس طرف آ گیا تو بھی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا"

"تم جاننا چاہتے ہو میں اس وقت کہاں جا رہا ہوں"

"ہاں ـــــ"

"بہت اچھا! میرے پیچھے بیٹھ جاؤ ـــــ"

سالم اُچھل کر عاصم کے پیچھے بیٹھ گیا اور عاصم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد سالم نے کہا۔ "اخی! اس طرف مت جایئے۔ قبیلے کے آدمی ہمیں دیکھتے ہی آپ پر

ٹوٹ پڑیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب ابا جان بھی آپ کی حمایت میں کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔"

عاصم نے کہا "سالم! تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر قبیلے کے لوگوں نے تمہیں جابر اور مسعود کے قاتل کے ساتھ دیکھ لیا تو تم اُن کے طعنے برداشت نہیں کر سکو گے۔"

سالم نے کہا "بھائی جان! میں آپ کی خاطر آگ میں کود سکتا ہوں۔ لیکن میرے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ آپ نے عدی کی بیٹی کی خاطر میرے ماموں کے بیٹوں کو قتل کیا ہے۔ آپ اُس وقت کہاں تھے جب انہوں نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تھا۔ آپ اُن لوگوں کو کیسے معاف کر سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے گھر کو آگ لگائی تھی اور ابا جان کو زخمی کیا تھا ——"

عاصم نے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے جواب دیا "اُس وقت میں عدی کے باغ میں اُس سے باتیں کر رہا تھا اور اُس کے بیٹے گھر میں سو رہے تھے۔"

"یہ ناممکن ہے! عباد نے عدی کے گھر تک حملہ کرنے والوں کا تعاقب کیا تھا۔ آپ اُس سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں، عباد نے صرف ایک آدمی کا تعاقب کیا تھا اور وہ شمعون کا غلام تھا۔ اُسے یہ خدمت سونپی گئی تھی کہ جب شمعون کے آدمی ہمارے گھر کو آگ لگا دیں تو وہ اُن کا پیچھا کرنے والوں کو عدی کے گھر کی طرف لے جائے۔"

سالم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے لیکن آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

دائیں طرف ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور وہاں جھاڑیوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ عاصم نے باگ موڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ باڑ پھاند کر باغ میں داخل ہو گیا۔

سالم نے کہا "یہ شمعون کا باغ ہے آپ اُس کے گھر پر حملہ کرنا چاہتے ہیں؟"

عاصم نے گھوڑا روکا اور نیچے کودتے ہوئے کہا "مجھے حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم یہاں انتظار کرو —— اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو میرے گھوڑے پر یہاں سے نکل جانا۔"

"لیکن میں ——"

عاصم نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اب تم خاموش رہو، یہ باتوں کا وقت نہیں۔ میں تمہیں صرف اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ شاید قبیلے کے لوگوں کو تمہاری گواہی پر اعتبار آ جائے —— اگر مجھے اپنے کام میں کسی کی مدد کی ضرورت ہوتی تو میں تمہاری بجائے عباد کو اپنے ساتھ لاتا۔"

سالم نے کہا "بہت اچھا! میں آپ کے ساتھ جانے پر ضد نہیں کرتا لیکن مجھ سے یہ توقع نہ رکھئے کہ اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔"

عاصم نے کوئی جواب دیئے بغیر جلدی سے گھوڑے کی گردن سے رسّا اتارا اور بھاگتا ہوا درختوں میں غائب ہو گیا۔

باغ میں سو گز چلنے کے بعد وہ شمعون کے گھر کے بیرونی احاطے کی دیوار کے سامنے رکا اور دیوار پر چڑھ کر اندر جھانکنے لگا۔ دائیں طرف شمعون کے سکونتی مکان کا دروازہ بند تھا اور بائیں طرف کچھ فاصلے پر ایک چھپر کے نیچے اُس کے نوکر لیٹے تھے۔ عاصم کسی توقف کے بغیر صحن میں کود پڑا اور چھپر کی طرف بڑھا۔ چھپر کے اندر تین آدمی گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ ایک دراز قامت اور قوی ہیکل آدمی کے خراٹے سب سے زیادہ بلند تھے۔ عاصم نے ہلکی سی ٹھوکر سے اُسے جگایا اور اُس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی۔ شمعون کے غلام نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ عاصم نے تلوار پر ذرا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا "اگر تم نے شور مچایا تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو میرے حکم کی تعمیل کرو —— اٹھو! اور اپنے ساتھیوں کی طرف مت دیکھو، وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ میں اگر چاہوں، تو انہیں جگا کر بھی قتل کر سکتا ہوں۔" غلام خوف سے کانپتا ہوا اٹھا۔ عاصم نے اُس کے گلے میں پھندا ڈال کر رسّے کو ایک جھٹکا دیا۔ اور پھر تلوار کی نوک اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے میرے آگے آگے چلتے رہو ——" غلام کو اس حکم کی تعمیل کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا، وہ عاصم کے آگے آگے چل دیا۔

صحن کے دروازے کے قریب رک کر غلام نے پہلی بار عاصم سے ہمکلام ہونے کی جرأت کی اور اُس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا "تم دروازہ کھولو۔ اور خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو۔"

غلام نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا اور وہ باغ میں داخل ہوئے۔ اچانک بائیں ہاتھ

گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور سالم درختوں کی آڑ سے نکل کر اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"اخی!" اُس نے گھوڑے سے اتر کر معذرت کے انداز میں کہا "میرے لئے وہاں انتظار کرنا بہت صبر آزما تھا اب صبح ہو گئی ہے آپ دیر نہ کریں۔"

عاصم کچھ کہے بغیر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور پھر شمعون کے غلام سے مخاطب ہو کر بولا "تم رات بھر کی بھاگ دوڑ سے بہت تھک گئے ہو گے لیکن میں اس وقت تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا۔ تمہیں کچھ دیر میرے ساتھ بھاگنا پڑے گا۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم راستے میں گرنے کی کوشش نہ کرو ——— اور تمہارے فائدے کی دوسری بات یہ ہے کہ تم میرے ہر سوال کا جواب دو۔"

غلام نے کہا "آپ نے وعدہ کیا ہے کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔"

"لیکن اگر تم نے کوئی غلط جواب دیا تو میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکوں گا ——— بتاؤ رات کے وقت ہمارے گھر سے عدی کے باغ تک کسی نے تمہارا پیچھا کیا تھا؟"

"جی ہاں ———"

"اور جب تم عدی کے باغ میں چھپ گئے تھے تو وہاں میں تمہیں ملا تھا؟"

"جی ہاں ———"

"تم ہمارے گھر میں آگ لگانے کے بعد بھاگے تھے؟"

"جناب! میں بے قصور ہوں، میں باہر کھڑا تھا۔ میں ایک غلام ہوں اور اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔"

"میں تمہیں شمعون کے جرم کی سزا نہیں دوں گا۔ لیکن سچ کہو کیا شمعون نے تمہیں یہ حکم دیا تھا کہ جب ہمارے آدمی حملہ کرنے والوں کا تعاقب کریں تو تم انہیں اپنے پیچھے لگا کر عدی کے گھر تک پہنچا دو، تاکہ ہمارے آدمی یہ خیال کریں کہ حملہ کرنے والے عدی کے بیٹے تھے۔"

"جناب! مجھ پر رحم کیجئے وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عاصم نے رسّے کو جھٹکا دیا اور گرجتی ہوئی آواز میں چلایا "خبیث! ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

غلام نے سراپا التجا بن کر جواب دیا "جناب! مجھ پر رحم کیجئے۔ میں نے صرف اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

عاصم نے کہا "سالم اب تم اپنے گھر جاؤ، اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اِس لڑائی سے میرے اجتناب کی وجہ کیا تھی۔ میں اپنے قبیلے سے مایوس ہوں لیکن عدی کے گھر میں جمع ہونے والے لوگ شاید یہ بات سمجھ جائیں کہ ہم یہودیوں کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ اِس کے بعد میری کوشش یہ ہو گی کہ یہ شخص زندہ تمہارے پاس پہنچ جائے ——— اس لئے نہیں کہ میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں بلکہ اِس لئے کہ جب میں یہاں سے نکل جاؤں تو تم میرا نام لیتے ہوئے شرم محسوس نہ کرو۔ اب تم جاؤ! اگر عباد راستے میں مل گیا تو میں اسے اُس کے حوالے کر دوں گا۔"

سالم نے کہا "اخی! آپ ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کریں۔ جابر اور مسعود کے قتل کے بعد ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی میری باتوں پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہو گا، اور اگر وہ اِس ذلیل غلام کی گواہی پر اعتبار کر بھی لیں تو بھی وہ آپ کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔ میں جبل احد کے چشمے کے قریب آپ کا انتظار کروں گا۔"

"سالم تمہارا کیا خیال ہے کہ میں عدی اور سمیرا کے قاتلوں سے رحم کی درخواست کروں گا۔ منات کی قسم! اگر بنو اوس میرے سر پر تاج رکھ دیں تو بھی میں اُن کی رفاقت گوارا نہیں کر سکتا۔ تمہیں احد کے دامن میں میرا راستہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں شام کا رُخ کر رہا ہوں اور یہ میری آخری ملاقات ہے۔ اگر تم عباد کا خیال رکھ سکو تو یہ مجھ پر احسان ہو گا۔"

عاصم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور شمعون کا غلام جس کا رسّہ اُس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اُس کے ساتھ بھاگنے لگا۔

○

قبیلہ خزرج کے کئی اور آدمی عدی کے گھر میں جمع ہو چکے تھے اور چند عورتیں بین کر رہی تھیں۔ مقتولین کے خون سے بھرا ہوا ایک پیالہ دروازے کے سامنے پڑا تھا اور نو وارد باری باری اِس خون سے اپنی انگلیاں تر کر کے اُن کا انتقام لینے کا حلف اٹھا رہے تھے۔

عاصم گھوڑا دوڑاتا ہؤا صحن میں داخل ہؤا۔ شمعون کا غلام جس کا لباس پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔ عباد اُسے پیچھے سے ننگی تلوار سے ہانک رہا تھا۔ عاصم نے صحن میں داخل ہوتے ہی رسے کو زور سے جھٹکا دیا اور غلام جس کی ہمت جواب دے چکی تھی منہ کے بل گر پڑا۔

صحن میں جمع ہونے والے لوگ ایک دوسرے کی زبانی عاصم کی کارگزاری کا حال سن چکے تھے اس لئے کسی نے اُس کی آمد پر بے چینی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن شمعون کے غلام اور عباد کو دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

عاصم نے کہا۔ "بھائیو! میں نے آپ سے کہا تھا کہ یثرب میں میرے حصّے کا آخری کام باقی ہے ـــــ اب شمعون کے غلام کو آپ کے سامنے پیش کر کے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ یہ اِس بات کی گواہی دے گا کہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کا خون بہا کر یہودیوں کے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں۔ تم لوگ جانتے ہو کہ اب میرا اپنے قبیلے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کہ تم میں سے کون مرتا ہے اور کون زندہ رہتا ہے ـــــ میں یہاں نہیں رہوں گا، اور میری آنکھیں تمہاری بربادی کا تماشا نہیں دیکھیں گی، لیکن یثرب چھوڑنے سے پہلے میں آخری بار تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اوس اور خزرج جس آگ کا ایندھن بن رہے ہیں وہ آگ یہودیوں نے لگائی ہے ـــــ یہ شمعون کا غلام ہے اور تم اِس سے میری باتوں کی تصدیق کر سکتے ہو۔ رات کے وقت جب ہمارے گھر پر حملہ ہؤا تھا تو میں باغ میں عدی سے باتیں کر رہا تھا۔ میرا کے سوا اِس گھر کے کسی اور فرد کو ہماری ملاقات کا علم نہ تھا۔ پھر جب میں عدی سے رخصت ہو کر باغ سے نکل رہا تھا تو شمعون کا غلام بھاگتا ہؤا اِس باغ میں داخل ہؤا۔ اور ایک آدمی جو اس کا پیچھا کر رہا تھا واپس چلا گیا۔ میں نے اس غلام سے اس طرف آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے یہ بتایا کہ میں اپنے آقا کے گھر سے چوری کر کے بھاگا ہوں۔ اور اُس کے نوکر میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے شمعون کی چوری سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اِس لئے میں نے اِسے چھوڑ دیا ـــــ جب میں گھر پہنچا تو وہاں ہمارے مویشیوں کا چھپر جل رہا تھا اور میرا چچا زخمی تھا۔ قبیلے کے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ عدی کے بیٹے ہمارے گھر پر حملہ کر کے بھاگ گئے ہیں اور میرے غلام عباد نے اس گھر تک، اُن میں سے ایک کا تعاقب کیا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی مجھے یہ پتا چلا کہ منذر کے بیٹے عدی کے گھر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ میں واپس یہاں پہنچا تو اِس گھر پر حملہ کرنے والے اپنا کام پورا کر چکے تھے۔"

شمعون کا غلام بے حس و حرکت منہ کے بل پڑا تھا۔ عاصم نے عباد کو اشارہ کیا اور اُس نے اُس کی گردن پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ عاصم نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بتاؤ! یہ باتیں درست ہیں؟"

"ہاں۔" اُس نے گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ درست ہے کہ حملے کے بعد شمعون نے تمہیں عدی کے گھر کی طرف بھاگنے کی ہدایت کی تھی؟"

"جی ہاں! لیکن میں بے قصور ہوں ـــــ ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

عاصم نے عباد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عباد! اب تم اِسے میرے چچا کے پاس لے جاؤ۔ اگر یہ اُن کے سامنے اپنے بیان سے منحرف ہونے کی کوشش کرے تو اسے سالم کے سپرد کر دینا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اِس کا سر قلم کرتے ہوئے شمعون کا خوف محسوس نہیں کرے گا۔ تمہارے لئے یہودیوں کی آبادی سے گزرنا خطرناک ہوگا، اِس لئے باہر سے پھیر کھا کر گھر پہنچنے کی کوشش کرنا ـــــ"

عباد نے غلام کا رسّا پکڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ساتھ کسی ایسے مسافر کا دیا جاتا ہے جس کی کوئی منزل ہو اور میرے لئے بے نشان راستوں کے سوا کچھ نہیں۔ تم جاؤ!"

عباد کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور وہ غلام کو کھینچتا ہؤا وہاں سے چل دیا۔

حاضرین اب آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عاصم کچھ دیر خاموشی سے اُن کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "منذر کے بیٹوں نے سمیرا، عدی اور نعمان کے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور میں نے منذر کے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، لیکن یہ اوس اور خزرج میں سے کسی کی فتح نہیں ـــــ یہ صرف یہودیوں کی فتح ہے۔ تمہارے درمیان نفرت کی آگ یہودیوں نے جلائی ہے اور تمہارے خون کے چھینٹوں سے اِس کے شعلے بھڑکتے رہیں گے ـــــ میرا جرم یہ تھا کہ میں نے اِس آگ کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور مجھے اِس جرم کی سزا مل چکی ہے۔ میرے باغ کے تمام پھول اِس آگ کی نذر ہو چکے ہیں۔ اب مجھے یثرب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب میں تم سے کوئی التجا نہیں کروں گا۔"

اتنا کہنے کے بعد عاصم کی آواز بھرا گئی اور اُس نے گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

نعمان نے بھاگ کر صحن کے دروازے کے باہر اُسے روکا اور کہا "عاصم، ٹھہرو! ـــــ مجھے معلوم نہیں کہ تم سمیرا کو کب سے جانتے تھے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتی اور تمہارا ساتھ دینا چاہتی تو میں اُس کا راستہ نہ روکتا۔ میرے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہوتا کہ تم نے ابا جان کی حمایت میں تلوار اٹھائی تھی۔ مجھے اپنے قبیلے کے طعنوں کی پروا نہ ہوتی۔ اب اگر تم جانے سے پہلے ایک بار پھر اُسے دیکھنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عاصم نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا "نعمان! اب میں سمیرا کو نہیں دیکھ سکوں گا۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی آگے بڑھا اور اُس نے کہا "بیٹا! اب تم دیر نہ کرو ورنہ تمہارے لئے یثرب سے زندہ بچ نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔"

نعمان نے کہا "آپ کا گھوڑا تھک گیا ہوگا۔ آپ میرا تازہ دم گھوڑا لے جائیے۔"

"نہیں! یہ میرا آخری دوست ہے اور میں اسے یہاں چھوڑنا پسند نہیں کروں گا ـــــ" عاصم نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

باب (۱۱)

طلوعِ آفتاب کے کچھ دیر بعد عاصم ایک ٹیلے کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اچانک ٹیلے کی اوٹ سے سالم گھوڑا بھگاتا ہوا نمودار ہوا اور عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے کہا "سالم تمہیں اس طرف تنہا نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اگر قبیلۂ خزرج کے آدمیوں نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

سالم نے کہا "آپ میری فکر نہ کیجئے۔ چلئے، میں آپ کو کسی محفوظ جگہ پہنچا کر، الوداع کہنا چاہتا ہوں۔"

عاصم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور سالم اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ قریباً چار کوس سفر کرنے کے بعد وہ شام کے راستے سے ایک طرف ہٹ کر ایک اور ٹیلے کے عقب میں گھوڑوں سے اتر پڑے۔

سالم نے جلدی سے اپنی کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش عاصم کو پیش کرتے ہوئے کہا "مجھے ڈر تھا کہ آپ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر اس بے سروسامانی کی حالت میں زیادہ دُور نہیں جا سکیں گے۔ اس لئے میں پانی کا مشکیزہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں لے آیا ہوں ـــــ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ میں نے خرجین میں ستو، کھجوریں اور پنیر رکھ دیا ہے۔ اور جو امانت آپ سعاد کے پاس چھوڑ آئے تھے وہ بھی میں نے خرجین میں رکھ دی ہے۔ جب میں گھر کے قریب پہنچا تو قبیلے کے سواروں کی ایک ٹولی ملی، یہ لوگ شام کے راستے کی ناکا بندی کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ مکہ کی طرف نکل گئے ہیں اور وہ اُس طرف چلے گئے۔ قبیلے کے باقی لوگ منذر کے گھر میں رہ گئے تھے۔ اور باری باری آپ سے انتقام لینے کا حلف اٹھا رہے تھے میں نے انہیں بھی یہی بتایا کہ آپ مکہ کی سمت دُور جا چکے ہیں اور یہ سنتے ہی کئی اور سوار اُس طرف چل پڑے۔ اِس کے بعد میرے لئے سب سے بڑا

مسئلہ یہ تھا کہ آپ کو سفر کا ضروری ساز و سامان مہیا کیا جائے ـــــ میں نے اُس ٹیلے کے پیچھے خاصی دیر انتظار کیا مجھے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ شاید آپ جا چکے ہیں۔ اب آپ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔"

عاصم نے کہا "مجھے اپنا گھوڑا چھوڑنا پسند نہیں۔ میں تمہارے گھوڑے کی زین اس پر ڈال لیتا ہوں۔"

سالم نے کہا "اچھا جلدی کیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ مکّہ کے راستے پر تلاش کرنے کے بعد وہ آپ کو شام کے راستے پر تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔"

عاصم نے جلدی سے سالم کے گھوڑے کا ساز و سامان اتار کر اپنے گھوڑے پر ڈال لیا اور اس کے بعد سالم سے پوچھا "تم نے سعاد کو تمام واقعات بتا دیئے ہیں؟"

"ہاں! اُسے اب آپ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ وہ مسعود اور جابر کے لئے روتی ہے اور آپ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی ہے۔"

"اور تم بھی میری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے ہو؟"

سالم نے جواب دینے کی بجائے عاصم کی طرف دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

عاصم نے کہا "اچھا تم جاؤ اور سیدھے گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے شمعون کے غلام کو عدی کے گھر میں جمع ہونے والوں کے سامنے پیش کرنے کے بعد، عباد کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمہارے ماموں جیسے لوگ میرے اِس اقدام کو بھی ایک سازش ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے کہ غلام وہاں جا کر اپنے بیان سے منحرف ہو جائے اور وہ عباد کی بوٹیاں نوچنے کو تیار ہو جائیں۔"

سالم نے کہا "آپ اطمینان رکھئے۔ قبیلے کے آدمی مندر کے گھر میں جمع ہو رہے ہیں۔ اور میں نوکروں کو تاکید کر آیا تھا کہ اگر عباد شمعون کے غلام کے ساتھ آئے تو وہ انہیں گھر سے باہر روک لیں اور میری واپسی تک باغ میں چھپائے رکھیں۔"

"چچا جان نے میرے متعلق پوچھا تھا؟"

"نہیں! وہ اندر پڑے ہوئے تھے۔ ان سے اب تک کسی نے لڑائی کے واقعات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس لئے میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ابھی انہیں پریشان نہ کیا جائے ـــــ سعاد جو مکان سے باہر میری راہ دیکھ رہی تھی کسی سے جابر اور مسعود کی موت کی خبر سُن چکی تھی، مجھے اُس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تمام واقعات بتانے پڑے

میں اُس سے بھی کہہ آیا ہوں کہ وہ عباد کا خیال رکھے۔ اب آپ وقت ضائع نہ کیجئے۔"

عاصم گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو سالم نے اچانک بدحواس ہو کر کہا "ٹھہریئے! شاید کوئی آ رہا ہے۔"

عاصم کو ٹیلے کے دوسری طرف گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور وہ حیران ہو کر سالم کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔" سالم نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ عاصم کے ہاتھ میں دے دی اور بھاگتا ہوا ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ چند ثانیئے ایک پتھر کی اوٹ میں سمٹ کر وہ ٹیلے کی دوسری جانب دیکھتا رہا۔ پھر باگ اس کے ہاتھ سے لے کر بولا "وہ ہمارے قبیلے کے آدمی ہیں۔ شاید انہیں آپ کا سراغ مل گیا ہے۔"

"وہ کتنے ہیں ـــــ؟"

"تین ہیں۔ لیکن آپ کے لئے اُن سے الجھنا خطرناک ہوگا۔ وہ لڑنے کی بجائے واپس جا کر سارے قبیلے کو اِس طرف لے آئیں گے اور پھر شام کی حدود تک آپ کا پیچھا کریں گے۔ آپ یہیں کھڑے رہیں، میں انہیں دوسری طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

سالم، عاصم کے جواب کا انتظار کئے بغیر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور آن کی آن میں ٹیلے کے گرد نصف چکر کاٹ کر دوسری جانب پہنچ گیا۔

عاصم چند ثانیئے بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر گھوڑے کو ایک جھاڑی سے باندھ کر ٹیلے پر چڑھا اور چوٹی کے قریب لیٹ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ شام کے راستے پر تین سوار کافی دور جا چکے تھے اور سالم پوری تیز رفتاری کے ساتھ اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ پھر یہ سوار ایک پہاڑی کے دامن میں رک گئے اور مڑ کر سالم کی طرف دیکھنے لگے۔ سالم نے اُن کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا روکا۔ وہ کچھ دیر کھڑے رہے اور اس کے بعد معمولی رفتار سے واپس یثرب کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب وہ ٹیلے کے قریب سے گزر رہے تھے۔ عاصم ایک پتھر کی آڑ میں لیٹا اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔

ایک سوار کہہ رہا تھا "میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ ہمیں یہیں پہرا دینا چاہیئے۔ تمہارے ابا کہتے تھے کہ وہ ـــ کے سوا کہیں نہیں جائے گا۔"

سالم کی آواز سنائی دی "میری نظر اتنی کمزور نہیں کہ میں عاصم کا گھوڑا بھی نہ پہچان سکوں۔ میں نے اُسے پہاڑی سے نکل کر اُس طرف مڑتے دیکھا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک وہ جبل احمد کے عقب میں پہنچ چکا ہوگا۔"

"اگر وہ اُس طرف گیا تھا تو تم ہمارے پیچھے کیوں بھاگ رہے تھے؟"

"اُس کا تعاقب کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت تھی۔ جب تم اُس پہاڑی کے قریب سے گزر رہے تھے تو میں نے تمہیں آوازیں دیں لیکن تم میری طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے نکل گئے۔"

"لیکن تم تنہا اس طرف کیسے آ گئے؟"

"مجھے شک ہوا تھا کہ شاید وہ مکہ کا رُخ کرنے کی بجائے کہیں آس پاس چھپ کر دن گزارنے کی کوشش کرے میں بنو قریظہ کے باغوں کے قریب پہنچا تو ایک چرواہے نے مجھے بتایا کہ میں نے ابھی ایک آدمی کو باغ سے نکلتے دیکھا ہے۔ گھوڑے کا حلیہ دریافت کرنے پر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ عاصم کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور آواز سنائی دی۔ "میرے خیال میں ہمیں عاصم کا پیچھا کرنے کی بجائے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو خبردار کرنا چاہیے۔ اگر شام تک اُس کا سراغ نہ ملا تو رات ہی رات میں وہ کوسوں دور نکل جائے گا۔"

عاصم اس سے زیادہ نہ سُن سکا۔ سوار آگے نکل گئے اور جب وہ اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اُس نے ٹیلے سے نیچے اتر کر اپنا گھوڑا کھولا اور اُس پر سوار ہو گیا۔

○

ایک فوری خطرہ دور ہو چکا تھا۔ اور اب وہ کسی قدر اطمینان کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ لیکن اچانک اُس کے دل میں خیال آیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور اُسے اپنی زندگی کا ہر سانس ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگا ـــــ ماضی سے اُس کے تمام رشتے کٹ چکے تھے اور مستقبل کی تمام امیدیں خاک میں مل چکی تھیں، اپنے وطن سے آگے وہ روئے زمین کی جن وسعتوں کو سمیرا کے حسین تصورات سے آباد کیا کرتا تھا، وہ اب ایک بھیانک خلا میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ نسلی غرور اور قبائلی عصبیت ایک عرب نوجوان کی سب سے بڑی پونجی تھی۔ لیکن وہ یہ پونجی لٹا چکا تھا۔ اُسے بنو اوس کے لئے لڑنا اور مرنا سکھایا گیا تھا۔ لیکن اب وہ اُن تمام عقائد سے منہ پھیر چکا تھا جو اُسے زندگی سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ تلوار جو اُس نے بنو خزرج سے لڑنے کے لئے خریدی تھی۔ اُس کے اپنے قبیلے کے آدمیوں کے خون سے تر ہو چکی تھی اور عرب کے قانون میں اپنے قبیلے کے کسی فرد کو موت کے گھاٹ اتارنے والے کے لئے رحم کی کوئی

گنجائش نہ تھی۔

اُمیدوں کے وہ چراغ، جن کی روشنی میں اُس نے اپنی زندگی کی ایک نئی منزل دیکھی تھی، بجھ چکے تھے۔ سمیرا کی موت اُس کے نزدیک، مستقبل کے تمام حوصلوں، ولولوں اور اُمیدوں کی شکست تھی۔ ماضی کی روایات سے منحرف ہو کر، جو الگ راستہ اُس نے اپنے لئے تلاش کیا تھا، ایک تاریک غار کے کنارے ختم ہو چکا تھا اور اب اُس کی حالت اُس مسافر کی سی تھی جسے بددلی اور مایوسی نے ہر راستے اور ہر منزل سے بے نیاز کر دیا ہو۔ ماضی کے آغوش سے موت کے مہیب سائے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور اُس کے نزدیک اِس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ مستقبل اپنے دامن میں اُس کے لئے کتنی تلخیاں اور کتنی راحتیں لئے ہوئے ہے۔ تاہم زندگی کے ہر ولولے سے محروم ہونے کے باوجود اُسے اپنے قبیلے کے ہاتھوں مرنا پسند نہ تھا۔ یثرب اب اُس کے نزدیک ایک ایسا ظلمت کدہ تھا جہاں کسی روشنی کا تصور کرنا بھی ایک طرح کی خود فریبی تھی اور شام کا رُخ کرتے ہوئے عاصم کو صرف یہ تسکین تھی کہ وہ اِس ظلمت کدے سے دور جا رہا ہے ـــــ لیکن کاش! اُسے یہ معلوم ہوتا کہ صرف چند منزل پیچھے، جبل فاران کی چوٹیوں پر آفتاب رسالت نمودار ہو چکا ہے جس کی ضیا پاشیوں سے یثرب کے در و دیوار منور ہونے والے ہیں۔ وہ جس وطن کے مستقبل سے مایوس ہو کر جا رہا ہے، اُس پر ارض و سما کی تمام نعمتوں کی بارش ہونے والی ہے۔ وہ زمین جو اُس کے لئے تنگ ہو چکی ہے، اطرافِ عالم میں امن و سکون کے جویاؤں کا مرکز بننے والی ہے۔ جہاں اُس نے شر کا غلبہ دیکھا ہے وہاں نیکی کا بول بالا ہو گا۔ جہاں اُس نے بربریت، وحشت اور انتقام کے انگارے دیکھے ہیں وہاں محبت کے پھول کھلیں گے۔

عاصم نے پیغمبرِ اسلام کے متعلق ابھی تک صرف اِس قسم کی باتیں سُنی تھیں کہ مکہ کی زمین اُس پر تنگ ہو چکی ہے۔ قریش اُسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں، اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں اور اُس پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کو مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں زدوکوب کیا جاتا ہے۔ قریش ایک زبردست قوت کے مالک ہیں اور مکہ میں کسی نئے دین کی کامیابی بعید از قیاس ہے جس کی تعلیم اُن کے مروجہ عقائد کی نفی کرتی ہو۔

اگر کوئی مردِ حق آگاہ عاصم کا راستہ روک کر یہ کہتا۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟ تم اپنے مستقبل سے مایوس کیوں ہو؟ تم اُس قافلے کا انتظار کیوں نہیں کرتے، جسے قدرت نے اِس وادی میں اپنی عظمت اور جلال کے پرچم گاڑنے کے لئے منتخب کیا ہے؟ تم شام کی بجائے حجاز کی طرف کیوں نہیں دیکھتے۔ تم جس وادی کو الوداع کہہ رہے ہو۔ وہ روئے زمین

کے تمام بے بس اور مجبور انسانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بننے والی ہے۔ یہاں زمین کے فرش پر بیٹھنے والے مرمریں ایوانوں میں سونے والے کجکلاہوں کی قسمت کے فیصلے کیا کریں گے۔ مکہ سے وہ ہادیٔ برحق آنے والا ہے جو اوس و خزرج کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے گا۔ تم اِس سرزمین پر نفرت اور عداوت کی بجائے اخوت اور محبت کے مظاہرے دیکھو گے۔ تمہیں زندگی کی راحتوں کی تلاش میں کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں —— تو عاصم اُسے دیوانہ خیال کرتا۔ اگر اُس وقت اچانک آسمان کے دریچے کھل جاتے۔ اور وہاں سے نازل ہونے والے فرشتے عاصم کو یہ پیغام دیتے کہ پروردگارِ عالم نے اِس زمین کے باشندوں کو اپنے اُن انعامات کے لئے منتخب کیا ہے جو روئے زمین کی کسی قوم کے حصے میں نہیں آئے تو بھی اُسے اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں پر اعتبار نہ آتا۔

○

چند دن بعد ایک شام عاصم قبیلۂ غطفان کے ایک رئیس زید بن عبادہ کی بستی میں داخل ہوا۔ زید اُن تاجروں میں سے تھا جن کے ساتھ عاصم نے یروشلم سے واپسی میں سفر کیا تھا۔ عاصم کا چہرہ اِس قدر تبدیل ہو چکا تھا کہ زید پہلی نگاہ میں اُسے پہچان نہ سکا اور عاصم کو یہ کہنا پڑا "میں یثرب سے آیا ہوں اور میرا نام عاصم ہے؟"

زید نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "بھائی معاف کرنا۔ تمہاری صورت دیکھ کر مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو۔"

عاصم اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "ایک مصیبت زدہ آدمی کی شکل تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی بستی میں ایک بے سہارا آدمی کو پناہ مل سکتی ہے؟ میں صرف چند دن کے لئے آرام کی نیند چاہتا ہوں ——"

زید نے جواب دیا "میرے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔"

عاصم بولا "میرا مقصد آپ کی مہمان نوازی کی توہین کرنا نہیں تھا۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ میرے دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ یہاں بھی پہنچ جائیں۔"

زید نے ایک نوجوان سے کہا، تم اس کا گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ اور پھر عاصم سے مخاطب ہو کر بولا ——

"میرے ساتھ آؤ!"

عاصم اُس کے ہمراہ چل دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے میزبان کے ساتھ ایک پرتکلف دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ عاصم نے چند نوالے کھانے کے بعد اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تو زید نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" عاصم نے جواب دیا "میرا پیٹ بھر چکا ہے، اور اب مجھے چند پہر صرف پرسکون نیند کی ضرورت ہے۔"

"میں نے تمہارے آرام کے لئے ایک علیحدہ خیمے کا انتظام کر دیا ہے۔ اب اگر اسے مہمان نوازی کے آداب کے خلاف نہ سمجھو تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا پیچھا کرنے والوں کی تعداد کیا ہے اور وہ یہاں سے کتنی دور ہیں؟"

"ان کی پانچ ٹولیاں میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ آخری ٹولی کو میں نے یہاں سے تین منزل کے فاصلے پر دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تمام سواروں کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہو گی۔"

"بنو خزرج کے پچاس سوار تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور تمہارے قبیلے کا کوئی آدمی تمہاری مدد کو نہیں پہنچا؟"

"میرا پیچھا کرنے والے بنو خزرج کے آدمی نہیں بلکہ میرے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور میں راستے میں لڑنے کی بجائے اُن کی نگاہوں سے بچ کر یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ مسلسل بے آرامی کے بعد میری آخری اُمید آپ کی بستی تھی لیکن یہاں تک پہنچنے سے قبل میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری تھا کہ دشمن نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ سواروں کا پہلا گروہ میں نے یثرب سے فرار ہونے کے دوسرے روز دیکھا تھا۔ پھر میں راستہ چھوڑ کر دو دن صحرا میں بھٹکتا رہا۔ تیسری شام میں بھوکا اور پیاسا بنو کلب کی ایک بستی کے قریب پہنچا تو ایک چرواہے کی زبانی معلوم ہوا کہ یثرب کے پندرہ بیس سوار بستی کے رئیس کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ رات بھی صحرا میں گزاری اور اس کے بعد تین دن ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ اِس عرصہ میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ بنو کلب کے سواروں کا ایک گروہ بھی مجھے تلاش کر رہا ہے۔ ایک رات میں نے ایک بدوی کے خیمے میں پناہ لی، اُس نے میری خاصی خاطر تواضع کی لیکن جب ہم کھانا کھا کر لیٹ گئے تو وہ دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔ میں ابھی نیم خوابی کی حالت میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنے گھوڑے کی ہنہناہٹ سنائی دی۔ میں پریشان ہو کر باہر نکلا تو وہ میرے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ میرے گھوڑے پر کوئی غیر سواری نہیں کر سکتا اس لئے میں ایک طرف چھپ کر اطمینان سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔ بدوی مایوس ہو کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور ایک طرف نکل گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ مجھے تلاش کرنے والوں کے پاس جا رہا ہے۔ اس وقت میں چند گھنٹے

کی نیند کے عوض اپنا گھوڑا اور زادِ راہ بھی قربان کرنے کو تیار تھا لیکن نیند کی حالت میں قتل ہونا مجھے پسند نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر وہاں سے چل دیا۔ کوئی پانچ کوس چلنے کے بعد میری ہمت جواب دے گئی اور میں گھوڑے کو کھلا چھوڑ کر ریت کے ایک ٹیلے پر لیٹ گیا۔ پچھلے پہر سردی سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں نے آگ جلانے کی ضرورت محسوس کی لیکن ابھی میں کوئی خشک جھاڑی تلاش ہی کر رہا تھا کہ مجھے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی پھر چاند کی دھندلی روشنی میں ٹیلے سے کوئی دو سو قدم دور مجھے چند سوار دکھائی دیئے، ایک شتر سوار اُن کی راہنمائی کر رہا تھا۔ میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ حیرانی کی بات صرف یہ تھی کہ اُس نے مجھے نیند کی حالت میں قتل کیوں نہیں کر دیا تھا۔"

"اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ قتل نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ تمہیں پکڑوانے کے بعد اُسے زیادہ انعام کی توقع تھی۔ میں تمہاری تمام سرگزشت سننا چاہتا ہوں لیکن اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عاصم اُس کے ساتھ باہر نکلا، تھوڑی دیر بعد وہ کشادہ صحن کے کونے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں داخل ہوا۔

زید نے کہا۔ "اب تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ اگر یثرب کی ساری آبادی اس طرف امڈ آئے تو بھی میرا خاندان تمہاری حفاظت کرے گا۔ مجھے بنو کلب کے متعلق بھی یہ اطمینان ہے کہ وہ یثرب کے کسی خاندان کو خوش کرنے کے لئے ہماری دشمنی مول نہیں لیں گے۔"

زید عاصم کو تسلی دینے کے بعد خیمے سے باہر نکل گیا اور عاصم کو بستر پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ پچھلے پہر وہ بیدار ہوا تو اُس کا گلا پیاس سے خشک ہو رہا تھا۔ اور جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں اُسے خیمے کے دروازے کے قریب ایک مٹکا دکھائی دیا اُس نے اٹھ کر پانی کے دو کٹورے پیئے اور دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن جسم کے درد اور بخار کے باعث اُسے نیند نہ آئی۔ طلوعِ سحر کے وقت وہ خیمے سے نکلا اور کچھ دیر بستی سے باہر گھومنے کے بعد واپس آ کر پھر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

زید خیمے کے اندر داخل ہوا اور عاصم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

زید نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم ابھی تک سو رہے ہو گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں کئی دن کے بعد آرام کی نیند سویا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ آج ہی مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس ہوا ہے۔ میرا سارا جسم درد کر رہا ہے اور شاید بخار بھی ہے۔"

زید نے آگے بڑھ کر اُس کی نبض دیکھی اور بولا۔ "میں شام کے وقت بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ تم بیمار ہو۔ لیکن دو چار دن آرام کرنے کے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

عاصم نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ میں ایک رات آرام کرنے کے بعد سفر کے قابل ہو جاؤں گا اور آپ کو زیادہ تکلیف نہ دوں گا۔"

زید نے جواب دیا۔ "عاصم! میں تمہیں عمر بھر کے لئے پناہ دے چکا ہوں۔ اور میرا سارا خاندان یہ محسوس کرتا ہے کہ ہمارے لئے یہ سودا مہنگا نہیں۔ میں بنو غطفان کے تمام رؤسا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ تم ہمارے قبیلے میں داخل ہو چکے ہو اور میرے خاندان سے تمہارا رشتۂ خون کا رشتہ ہے۔ ہمارے پاس اہلِ یثرب کی طرح سرسبز و شاداب چراگاہیں اور باغ نہیں لیکن ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ دوسرے قبائل کے کئی پناہ گزین ہمارے قبیلے میں داخل ہو چکے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن اس وقت میرا کوئی فیصلہ ایک ایسے انسان کا فیصلہ ہو گا۔ جو اپنے حواس کھو چکا ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے چند دن سوچنے کا موقع دیں۔"

زید نے ندامت کے لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تمہیں کسی شرط کے بغیر پناہ دی ہے لیکن مجھے یقین ہے تندرست ہونے کے بعد جب تم اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان کے ساتھ سوچو گے تو میری مخلصانہ دعوت رد نہیں کر سکو گے۔"

○

پانچویں دن عاصم کا بخار اتر چکا تھا اور مزید چند دن آرام کرنے کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس عرصہ میں اُسے اپنا تعاقب کرنے والوں کے متعلق یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بنو کلب کا علاقہ چھاننے کے بعد بنو غطفان کے بعض رؤسا کے پاس بھی پہنچے تھے لیکن زید کے اثر و رسوخ کے باعث قبیلہ کا کوئی بااثر آدمی ان کا ساتھ دینے پر آمادہ

نہ ہوا۔ ایک دن زید کو یہ اطلاع ملی کہ پانچ سوار اُس کی بستی کا رُخ کر رہے ہیں۔ اُس نے بیس جوان اُن کا راستہ روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ زید کے آدمیوں نے بستی سے دو کوس کے فاصلے پر اُن پر حملہ کیا اور اُن کے گھوڑے اور اسلحہ چھین کر اُنہیں واپس بھیج دیا۔ اِس کے بعد کسی اور گروہ کو زید کی بستی کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

تین ہفتے کے بعد ایک دن زید کی چھوٹی بہن کی شادی کے موقع پر قبیلے کا بڑا سردار اور دوسرے رؤسا اُس کے گھر جمع ہوئے تو اُس نے عاصم کو اُن کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "بھائیو اور بزرگو! مجھے اِس بات پر فخر ہے کہ قبیلۂ اوس کے ایک معزز نوجوان نے پناہ لینے کے لئے میرا گھر منتخب کیا ہے اور میری وجہ سے بنو غطفان کے اسلحہ خانے میں ایک قیمتی تلوار کا اضافہ ہو رہا ہے۔ میں اسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کے لئے آپ کی اجازت چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ خوشی سے مجھے اس کی اجازت دیں گے۔ عاصم کے دل میں ابھی تک یہ شبہ ہے کہ ہم شاید اُسے پناہ دے کر بنو اوس کی دشمنی مول لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اور اسے مطمئن کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ سب باری باری میرے اِس اعلان کی تائید کریں کہ آج سے عاصم کے دوست ہمارے دوست اور اس کے دشمن ہمارے دشمن ہوں گے۔"

قبیلے کے بڑے سردار نے کہا۔ "میں پورے قبیلے کی طرف سے تمہارے اعلان کی تائید کرتا ہوں اور اگر یہ نوجوان ہمارے دوستوں کی خاطر جان دینے کی ہمت اور ہمارے دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حوصلہ رکھتا ہے تو میں تمہیں مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

زید نے فخر سے اپنا سر اونچا کرتے ہوئے کہا۔ "عاصم آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کیوں، عاصم! تم مجھے شرمسار تو نہیں کرو گے؟" لیکن عاصم نے جواب دینے کی بجائے سر جھکا لیا۔

زید نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "عاصم میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں، اب یہ حضرات تمہاری زبان سے یہ سننا چاہتے ہیں کہ آج کے بعد بنو غطفان کے دوستوں کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہوگا۔ تم خاموش کیوں ہو؟"

حاضرین کی نگاہیں عاصم کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں، اُس نے گردن اٹھائی اور مغموم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کا احسان مند ہوں اور احسان مندی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی ایسا وعدہ نہ کروں جسے نبھانا میری ہمت سے بعید ہو۔ یثرب میں اپنے متعلق میں یہ تاثر چھوڑ کر آیا ہوں کہ قدرت نے مجھے دوست اور دشمن کے درمیان امتیاز

کرنے والی نگاہ سے محروم کر دیا ہے۔ وہاں میں نے جن لوگوں کی حمایت میں تلوار اٹھائی تھی وہ میرے دوست نہ تھے، بلکہ اُس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس نے میرے باپ، میرے بھائیوں اور میرے عزیزوں کو قتل کیا تھا اور میں نے جن جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ میرے دشمن نہ تھے بلکہ میرے اپنے خاندان کے آدمی تھے۔ کل تک میں ایک خاندان اور ایک قبیلے کا فرد تھا اور میری دنیا دوستوں اور دشمنوں سے آباد تھی۔ لیکن آج میری دنیا دوستی اور دشمنی کے جذبات سے خالی ہے۔ میں اپنے اسلاف کے راستے سے بھٹک کر ایک ایسے صحرا کی طرف نکل گیا تھا جہاں میرے لئے ویرانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنی بے بسی اور مایوسی کے باوجود صرف ایک گمنام زندگی کی خواہش مجھے زید کے دروازے تک لے آئی تھی۔ ورنہ میں اس عزت افزائی کا مستحق نہ تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک ایسے محسن کو مایوس کر رہا ہوں، جس نے مجھے زندہ رہنے کے لئے سہارا دیا ہے۔ لیکن اب میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ زندگی بھر کسی انسان پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ عرب میں اس قسم کا اعلان کرنے والے کو پاگل سمجھا جائے گا لیکن جس شخص نے اپنے خرمن کو اپنے ہاتھ سے آگ لگائی ہو وہ ایک پاگل کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ آپ اِس بات پر تعجب کریں گے کہ میں اپنے کئے پر پشیمان نہیں ہوں بلکہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر میری زندگی میں دوبارہ ایسے حالات پیش آئیں تو بھی میرا طرزِ عمل وہی ہوگا جس کے نتیجے میں میری دنیا دوستی اور دشمنی کے متعلق اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے دیرینہ تصورات سے خالی ہو چکی ہے۔"

عاصم یہاں پہنچ کر رُک گیا پھر اُس نے اپنی تلوار کا تسمہ کھولا اور اُسے زید کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "انسانی خون کے لئے میری پیاس بجھ چکی ہے۔ مجھے اب اِس تلوار کی ضرورت نہیں، لیجئے! اور اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو اس محفل میں شرمسار کیا ہے تو میری گردن حاضر ہے۔"

زید نے عاصم کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ عاصم نے دوزانو ہو کر گردن جھکا دی۔ زید نے تلوار کے دستے پر ہاتھ ڈالا لیکن نیام سے آدھی تلوار کھینچنے کے بعد اُس کا ہاتھ رُک گیا، اُس نے بے بسی کی حالت میں قبیلے کے سردار کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں اس پاگل کو پناہ دے چکا ہوں۔"

ایک اور آدمی بولا۔ "لیکن ابھی تم یہ کہہ رہے تھے کہ اسے اپنے گھر میں پناہ دینا تمہاری زندگی کا سب سے بڑا گناہ ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "زید! اسے پاگل کہہ کر اپنی خفت مٹا سکتا ہے لیکن اس نے ہماری دوستی کا ہاتھ جھٹک کر پورے قبیلے کی توہین کی ہے۔ اِس کی کم از کم سزا یہی ہے کہ اِسے بنو اوس کے پاس واپس بھیج دیا جائے۔"

بوڑھے سردار نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔"نہیں نہیں اگر زید ایک پاگل آدمی کو پناہ دے چکا ہے تو ہم اِس کے ساتھ بدعہدی نہیں کر سکتے۔ ہماری حدود میں اِس کا بال بیکا نہیں ہونا چاہیئے۔"

"اور ہماری حدود سے باہر؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

سردار نے جواب دیا۔"حدود سے باہر زید کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔"

زید نے عاصم کو اُس کی تلوار واپس دیتے ہوئے کہا۔"یہ لو مجھے ایک بزدل آدمی کی تلوار کی ضرورت نہیں۔"

عاصم نے پہلی بار اپنی مردہ رگوں میں خون کی حرارت محسوس کی لیکن یہ کیفیت ایک ثانیئے سے زیادہ نہ رہی اُس نے اپنی تلوار لے کر نیام سے نکالی اُس کی نوک زمین پر رکھ کر درمیانی حصہ پر پاؤں کا دباؤ ڈالا اور دیکھتے دیکھتے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اِس کے بعد دستے والا حصہ ایک طرف پھینک کر مڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اصطبل کی طرف چل دیا۔

حاضرین کچھ دیر دم بخود، ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے بالآخر قبیلے کے بڑے سردار نے کہا۔"یہ دیوانہ کوئی بہت بڑا صدمہ اٹھا چکا ہے، اسے جانے دو ـــــ اور بنو اوس کو یہ پیغام بھیج دو کہ تمہارا مجرم ہماری پناہ سے نکل چکا ہے۔"

زید نے کہا۔"اگر یہ بذاتِ خود یثرب کی طرف نہ چلا گیا تو بنو اوس اسے نہیں پکڑ سکیں گے۔"

دولہا کا باپ جواب تک خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ زید سے مخاطب ہو کر بولا۔"زید یہ خوشی کا دن ہے ہمیں ایک دیوانے کو معاف کر دینا چاہیئے۔ میں قبیلے کے تمام لوگوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اِس کا پیچھا نہ کریں۔"

ایک نوجوان نے احتجاج کیا۔"لیکن ہمارے لئے یہ پابندی صرف اپنے علاقے کی حدود تک رہنی چاہیئے۔ اس کا گھوڑا بہت قیمتی ہے اور اس کی جیب بھی خالی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم نے اسے چھوڑ دیا، تو اس کا سامان راستے میں کسی اور کے کام آئے گا۔"

بوڑھے سردار نے کہا۔"اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ دیوانہ ہے اور ایک دیوانے کو لوٹ لینا میرے قبیلے کے کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ یہ کام ہمیں اُن حقیر لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے جو صرف مُردوں کا لباس اتارنا جانتے ہیں۔"

باہر عاصم کے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد زید کا ایک نوکر آیا اور اُس نے کہا۔"وہ پاگل اپنا ترکش اور کمان بھی وہیں پھینک گیا ہے۔"

حصّہ دوم

آگ اور صلیب

باب ۱۲

مشرق اور مغرب کی جنگوں کا نیا دور ایران میں کسریٰ نوشیرواں اور بازنطینی[1] روم میں قیصر جسٹینین کے اقتدار کے ساتھ شروع ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رومی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق اور مغرب کی طرف پھیل رہے تھے۔ اہلِ حبشہ حمیری فرمانرواؤں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر چکے تھے اور چونکہ وہ مذہباً عیسائی تھے اس لئے رومی اُن کی پشت پناہی کرتے تھے۔ ایرانیوں کو اپنے ہمسایہ ملک کے ایک اہم حصہ پر روم کے عیسائی حلیفوں کی فتح گوارا نہ تھی۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اہلِ حبشہ مشرق کی طرف رومیوں کے اثر و اقتدار کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ شام اور عراق کی سمت عرب کی سرحدوں کے ساتھ غسانی اور لخمی خاندانوں کی منافرتیں بھی روم و ایران کے لئے وجہِ نزاع بن گئی تھیں۔ حیرہ کے لخمی حکمران ایرانیوں کے حلیف اور شام کے غسانی فرماں روا رومیوں کے باجگزار تھے۔ اور ان دو خاندانوں کی نہ ختم ہونے والی جنگیں رومیوں اور ایرانیوں کو بھی بتدریج میدان کارزار کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

چنانچہ کسریٰ نوشیرواں نے ایران کے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کرتے ہی بازنطینی سلطنت کی مشرقی سرحدوں پر دھاوا بول دیا اور شام کے باشندے پھر ایک بار آگ اور خون کے طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ رہے تھے۔ لیکن قیصر

---

[1] روم کی مشرقی سلطنت جس کا دارالحکومت قدیم بازنطین یا قسطنطنیہ تھا ۳۳۰ء کے بعد اسی سلطنت کو صحیح معنیٰ میں رومی سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

جسٹینین کے ہوشیار اور تجربہ کار جرنیل بلیساریوس نے ایرانی لشکر کی پیش قدمی روک دی۔ اس کے بعد چند سال امن کے گزرے لیکن ۵۴۰ء میں نوشیرواں نے تین لاکھ فوج کے ساتھ شام پر یلغار کی اور راستے کی آبادیوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حلب کے خوبصورت شہر کو آگ لگا دی۔ ان ایام میں رومی افواج یورپ میں برسرِ پیکار تھیں۔ نوشیرواں نے شام میں رومیوں کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور حمص کے تمام نواحی علاقے تباہ و ویران کرنے کے بعد انطاکیہ کی طرف جا نکلا۔ یہ قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے بعد بازنطینی سلطنت کا تیسرا عظیم شہر تھا۔ اور ایرانی لشکر نے یہاں بھی حلب اور حمص کی طرح پوری سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ شام کے کئی اور شہروں کو لوٹنے کے بعد نوشیرواں نے واپس مدائن کا رُخ کیا تو مفتوحہ علاقوں کے ہزاروں مرد اور عورتیں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے، اُس کے ساتھ تھیں۔ ان قیدیوں کے لئے اُس نے مدائن سے ایک دن کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا۔

کچھ مدت آرام کرنے کے بعد اُس نے مشرقِ اوسط میں رومیوں کا رہا سہا اقتدار ختم کرنے کے لئے فلسطین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن قیصر روم نے بلیساریوس کو جو اٹلی میں یورپ کے وحشی قبائل کے خلاف مصروفِ پیکار تھا دوبارہ مشرقی محاذ پر بلا لیا۔ روم کے اسی تجربہ کار جرنیل نے اچانک ایران کی سرحد پر پہنچ کر نوشیرواں کو نہ صرف یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ ایران کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ نوشیرواں کے لئے اپنے لشکر کے اُن دستوں کو بھی واپس بلانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا، جو ابھی تک ایشیائے کوچک میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ لیکن اُس وقت، جب بلیساریوس فرات کے کنارے ایرانیوں سے کسی فیصلہ کن لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا قسطنطنیہ کے دربار میں اُس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں اور اسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد روم اور ایران کے حکمرانوں نے مصالحت کر لی اور چند سال امن سے گزر گئے۔ جسٹینین کی وفات کے بعد روم کی عنانِ اقتدار اُس کے بھانجے جسٹین ثانی کے ہاتھ میں آئی اور اُس نے بھی چند سال نوشیرواں سے الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن اچانک یمن کے حالات نے روم و ایران کے درمیان تصادم کی ایک نئی صورت پیدا کر دی۔

۵۵۷ء میں یمن کے حبشی حکمران ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی، اُس کا مقصد ایک طرف اُس قدیم تجارتی شاہراہ پر مکمل قبضہ جمانا تھا جو یمن اور شام کی تجارتی منڈیوں کو ملاتی تھی اور دوسرا مکہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کر کے عرب میں عیسائیت کا راستہ صاف کرنا تھا۔ ابرہہ کو یقین تھا کہ مکہ میں خانۂ کعبہ کو مسمار اور حجرِ اسود کو وہاں سے اٹھا کر یمن کے عبادت خانے میں

مستقل کر دینے کے بعد وہ مکہ کی بجائے یمن کو عربوں کی توجہ کا مرکز بنا سکے گا اور اِس طرح وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اہل روم اِس بات پر خوش تھے کہ عرب کے جنگجو قبائل عیسائیت قبول کرنے کے بعد ابرہہ کے زیر اثر اُن کے حلیف بن جائیں گے اور اُن کی متحدہ قوت ایرانیوں کے خلاف استعمال کی جا سکے گی۔ چنانچہ جب ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تو قیصر اور کلیسا کے اکابر کی دعائیں اُس کی جلو میں تھیں۔ اب عرب کے بے آب و گیاہ صحراؤں کے پسماندہ جاہل اور بے راہ رو باشندوں کے مستقبل کے افق پر نئی تاریکیوں کا اضافہ ہونے والا تھا کسی بیرونی تسلط سے آزادی اُن کی آخری نعمت تھی اور اب یہ نعمت بھی اُن سے چھننے والی تھی۔ ابرہہ ایک ایسی فوج کا سپہ سالار تھا جن کا ہر سپاہی فتح کے یقین سے سرشار تھا۔ اُس کے سامنے وہ میدان تھے جو دشمن کی صفوں سے خالی تھے۔ وہ ایک ایسی بستی کو تاخت و تاراج کرنے جا رہا تھا جس میں نہ فصیلیں تھیں، نہ قلعے۔

لیکن اہل مکہ کی تمام کمزوریوں اور بد اعمالیوں کے باوجود احکم الحاکمین کو ابرہہ کے ہاتھوں اُس گھر کی تباہی منظور نہ تھی جس کی بنیاد خلیل اللہؑ نے رکھی تھی۔ وہ اِس گھر کو اُس چراغ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کے نور سے مشرق و مغرب کے ظلمتکدے روشن ہونے والے تھے۔

مغربی مورخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہاں اُس کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔ وہ اِس واقعہ کو بھی نہیں جھٹلاتے کہ اُسے عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ ابرہہ کے ہاتھی ابابیلوں کے خدائی لشکر کے سامنے عاجز آگئے تھے۔

ابرہہ کی شکست سے عرب کو اپنے پنجۂ اقتدار میں لانے کے متعلق رومیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پھر جب اُس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑی تو حمیری خاندان کا ایک شہزادہ گمنامی کے پردوں سے نکل کر مدائن پہنچا اور اہل حبشہ کو یمن سے نکالنے کے لئے نوشیرواں سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ نوشیرواں ایک مدت سے موقع کا منتظر تھا۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر یمن پر چڑھائی کر دی۔ ایرانی افواج نے ایک ہی ریلے میں اہل حبشہ کو یمن کی حدود سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن حمیری شہزادے کو جلد ہی اِس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اُس کی کوشش کا ماحصل آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ یمن جو قریباً نصف صدی تک اہل حبشہ کی شکارگاہ رہ چکا تھا اب ایرانیوں کی شکارگاہ بن گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاتھوں حبشہ کی افواج کی شکست کی اطلاع قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ جسٹنین نے

نوشیرواں کے خلاف اہل حبش اور وسطی ایشیا سے لے کر مشرقی یورپ تک کے منگول اور ترک قبائل کا ایک متحدہ محاذ بنا لیا۔ نوشیرواں نے اہل روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملتے ہی چڑھائی کر دی۔ جب وہ شام کے شہروں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا تو اُس کے ایک جرنیل آذرمان نے بابل سے پیش قدمی کی اور شمال مغرب کی طرف اپنے راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد انطاکیہ کے مضافات تک جا پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عوام پر ایرانی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے حکمران کے خلاف ہو گئے اور جسٹنین کو شرم و ندامت کے باعث اپنے تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ نئے حکمران طائبیریس نے ہوشمندی سے کام لے کر تین سال کے لئے عارضی صلح کر لی۔ لیکن اس دوران میں اہل روم پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ تین سال بعد رومیوں کی تیاریوں کا یہ عالم تھا کہ دریائے رائن سے لے کر ایلپس کے پہاڑوں تک یورپ کی جنگجو اقوام کے قریباً ڈیڑھ لاکھ سوار مشرق کا رُخ کرنے کے لئے طائبیریس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ نوشیرواں کو ان تیاریوں کی اطلاع اُس وقت ملی جب روم کے سفیر اُس کے دربار میں دائمی مصالحت کی تجاویز پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ ہوشیار سفیروں کو اُس کا آخری جواب یہ تھا۔

"کہ تم جاؤ اور مزید گفتگو کے لئے قیساریہ میں ہمارے لشکر کی آمد کا انتظار کرو۔"

چند ہفتے بعد ایران اور روم کے سپاہی دریائے فرات کے کنارے نبرد آزما تھے۔ ایرانی اپنے مورچوں سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے اور رومی دست بدست لڑائی کے لئے اُن کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک ترک سردار نے جو رومی لشکر کے دائیں بازو کی کمان کر رہا تھا، اچانک ایرانی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا ہوا نوشیرواں کے کیمپ تک جا پہنچا۔ اُس نے شاہی خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں۔ سونے کی انگیٹھی میں مقدس آگ کے شعلے بجھا دیئے اور اپنے جانبازوں کے ساتھ فتح کے نعرے لگاتا ہوا واپس آگیا۔ اِس کے بعد، باقی دن، فریقین اکادُکا حملوں پر اکتفا کرتے رہے۔ رات کے وقت جب رومی افواج آرام کے لئے پیچھے ہٹ گئیں تو ایرانیوں نے شبخون مار کر ان کا کیمپ لوٹ لیا، تاہم دن بھر کے نقصانات اور ان سے زیادہ مقدس آگ بجھ جانے کے باعث مجوسیوں کے حوصلے اِس قدر پست اور ان کا جوش اس قدر ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ نوشیرواں کو پسپائی ہی میں خیریت نظر آئی اور اُس نے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریائے فرات عبور کر لیا۔ رومیوں نے پیش قدمی کر کے بحیرۂ خزر کی چند بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا اور ستر ہزار ایرانیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے جنہیں بعد میں سائپرس بھیج دیا گیا۔

موسم بہار کی آمد پر رومی لشکر نے دوبارہ پیش قدمی کی اور اشوریا کے کئی زرخیز علاقے تباہ کر دیئے۔ ایران کے عمر رسیدہ حکمران کو بالآخر موت کی آغوش میں پناہ ملی اور امراء نے اس کی آخری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے رومیوں کے خلاف جوابی کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

نوشیرواں کے بعد ایران کے تخت پر اُس کا بڑا بیٹا ہرمز رونق افروز ہوا۔ یہ خود پسند اور مغرور حکمران ہر معاملے میں اپنے باپ کی ضد ثابت ہوا۔ اس نے نوشیرواں کے وفادار ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دربار سے نکال دیا اور ان کی جگہ ذلیل اور خوشامدی اپنے گرد جمع کر لئے۔ ایران میں جبر و تشدد کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور بعض علاقوں میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو مدائن کے مغرب کی طرف سے شہنشاہ روم اور شمال کی طرف سے خاقانِ ترک کی پیش قدمی کی خبریں آنے لگیں۔ ان غیر یقینی حالات میں ایران کو ایک لیڈر مل گیا اور محبانِ وطن ہرمز کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کے باوجود ملک کی حفاظت کے لئے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس اولوالعزم لیڈر کا نام بہرام چوبیں تھا اور وہ رسے کے قدیم شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

نوشیرواں کی فوج کے ایک جرنیل کی حیثیت سے بہرام نے رومیوں کے خلاف بعض معرکوں میں غیر معمولی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ملک کی حفاظت کا ذمہ لینے کے بعد اس دیو قامت انسان نے ایرانی عوام اور فوج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ خاقان نے ایک لاکھ جنگجو ترکوں کے ساتھ دریائے جیحوں عبور کر لیا لیکن ایک کوہستانی علاقے میں پیش قدمی کرتے وقت اُسے ایرانی تیر اندازوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور ترک شدید نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے۔ لیکن ہرمز نے محسوس کیا کہ سلطنت کے اندر اُس کا ایک طاقتور حریف پیدا ہو گیا ہے۔ خوشامدی امراء نے اُس کے کان بھرے کہ بہرام نے مالِ غنیمت کا کچھ حصہ چھپا لیا ہے اور یہ ظالم اور بے وقوف حکمران اُسے نیچا دکھانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

بہرام ترکوں کے خلاف لڑائی سے فارغ ہوا تو اُسے یہ اطلاع ملی کہ رومی افواج دریائے فرات کے کنارے پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر پیش قدمی کی اور دریا کے کنارے پہنچ کر رومی سپہ سالار کو پیغام بھیجا

کہ یا تو مجھے دریا کے پار آنے دو یا خود اسے عبور کر کے میرے مقابلے میں آجاؤ۔ رومی لشکر کے سپہ سالار نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تمہیں دریا کے پار آنے کا موقع دینے کو تیار ہوں۔ بہرام مکمل تیاریوں کے بغیر دریا عبور کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے مزید سپاہی اور جنگی سامان جمع کرنے میں کئی دن صرف کر دیئے۔ عوام اپنے بادشاہ سے نفرت کے باوجود ایک بہادر جرنیل کا ساتھ دینے کو تیار تھے اور وہ جوق در جوق ایرانی لشکر کے کیمپ میں جمع ہونے لگے، لیکن ہرمز، بہرام کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی سے اِس قدر خائف ہو چکا تھا کہ اُسے ایران کی فتح یا شکست سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اُس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مدائن سے ایک ایلچی بہرام کے پاس پہنچا اور اُس نے ایک اٹیرن اور نسوانی لباس پیش کرتے ہوئے کہا "شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ تم سپاہی کا لباس اتار کر عورت کا لباس پہن لو اور یہ اٹیرن لے کر لشکر کے سامنے سے گزرو۔"

ہرمز اور اُس کے سازشی وزیروں کا خیال تھا کہ بہرام فوج کے سامنے اپنی یہ توہین برداشت کرنے کی بجائے مستعفی ہو کر بھاگ جائے گا لیکن اُس نے اپنے بادشاہ کے احمقانہ حکم کی تعمیل میں نسوانی لباس پہنا اور اٹیرن ہاتھ میں لے کر باری باری صف بستہ سپاہیوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔ محبانِ وطن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اور بعض سر پھروں نے بادشاہ کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ تاہم اپنے سپہ سالار کی فرمانبرداری دیکھ کر کسی کو علمِ بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ہرمز کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اُس نے دوسرے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ بہرام کو پابہ زنجیر میرے سامنے حاضر کرو۔ اِس عرصے میں فوج کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا چنانچہ جب ایلچی بادشاہ کا حکم سنا رہا تھا تو سپاہیوں نے اُس کو پکڑ لیا اور باندھ کر ہاتھی کے آگے ڈال دیا۔ بہرام نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن کا رُخ کیا اور شاہی محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد باغی فوج نے اُن قید خانوں کے دروازے کھول دیئے جہاں سینکڑوں بے گناہ اپنے ظالم حکمران کی بدانجامی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب باغی شاہی محل کے اندر داخل ہوئے تو رہائی پانے والے قیدی اُن کی اگلی صف میں تھے۔ ایک ساسانی شہزادے نے شکست خوردہ حکمران کو پکڑا اور محل سے باہر لا کر اُس قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل دیا جہاں وہ خود رہ چکا تھا۔

ہرمز کا بڑا بیٹا خسرو پرویز باغیوں کے حملے کے وقت شہر سے بھاگ گیا تھا۔ لیکن بعض امراء اُسے تخت پر

بٹھانے کا وعدہ کر کے واپس لے آئے۔ ہرمز پر مقدمہ چلایا گیا۔ شہنشاہ ایران مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور انصاف د
کرسیوں پر وہ لوگ رونق افروز تھے جنہیں بہرام نے قید خانوں سے نکالا تھا۔ بادشاہ نے عدالت کو متاثر کرنے کے لئے
انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجائیں کیں۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ امراء متاثر ہو رہے ہیں تو اچانک اپنا انداز بدل لیا
اور دوسروں کو اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا ذمہ دار ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے بڑے بیٹے خسرو پرویز
پر مختلف الزامات عائد کرنے کے بعد اُس نے عدالت سے اپیل کی کہ اگر تمہیں میری حکومت پسند نہیں تو میں تخت
و تاج سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں لیکن میری آخری التجا یہ ہے کہ میری جگہ تم ضرور خسرو پرویز کی بجائے میرے چھوٹے
بیٹے کو اپنا حکمران تسلیم کرو۔ امراء اس پر مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے ہرمز کے چھوٹے بیٹے اور اُس کی ماں کو موت کے گھاٹ
اتار کر اُن کی لاشیں بے حرمتی کے لئے عوام کے حوالے کر دیں۔ پھر گرم سلاخوں سے ہرمز کی آنکھیں نکلوا دیں اور پرویز
کے سر پر تاج رکھ دیا۔

نئے حکمران نے کچھ عرصہ انقلابیوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اُس کے پاؤں جم گئے تو وہ بہرام کے
اثر و رسوخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ مجوسی کاہن اور امرا کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ بہرام سلطنت کے
سیاہ و سفید کا مالک بن جائے چنانچہ انہوں نے پرویز کو نسبتاً کمزور سمجھ کر اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کر دیا۔ جب عوام
کا جوش و خروش قدرے ٹھنڈا ہوا تو پرویز نے اپنے اندھے باپ کو قید خانے سے نکالا اور اپنے محل میں لے آیا۔ ہرمز
کی زندگی کی ساری دلچسپیاں اب صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل تک محدود تھیں۔ لیکن پرویز اُس کی بد
برداشت کرتا رہا۔

بہرام جس کے لشکر نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ ملک کو ہرمز کے مظالم
اور بے اعتدالیوں سے نجات دلانے کے بعد اُسے امید تھی کہ عوام، امراء اور مجوسی کاہن اُسے کندھوں پر بٹھا کر حکومت
کی مسند تک لے جائیں گے لیکن اس انقلاب کے نتائج اُس کی توقعات کے سراسر خلاف تھے۔ وہ امراء جسے اُس نے
قید و بند کی صعوبتوں سے نجات دلائی تھی اُس کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ بددیانت لوگ جنہیں
اُس کے سپاہیوں نے قوم اور ملک کے بدخواہ سمجھ کر قید میں ڈالا تھا رہا کئے جا رہے تھے۔ اور عوام جو اپنے مذہبی پیشواؤں
کے اشاروں پر چلنے کے عادی تھے اُسے بھلا چکے تھے۔ چنانچہ حالات اس قدر بگڑ گئے کہ پرویز اور بہرام کھلے بندوں

دوسرے کے سامنے آ گئے۔ پرویز اپنے محافظ دستوں اور مدائن کے عوام کو میدان میں لے آیا لیکن اُسے بہرام کے
آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور متلون مزاج اُمراء اُس کا ساتھ چھوڑ کر بہرام سے جا ملے۔ شاہی خاندان
کا ایک بااثر آدمی جو بہرام کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کا حلیف بن گیا تھا۔ پرویز کی شکست کے بعد میدان سے بھاگ کر
شاہی محل میں داخل ہوا اور اپنی ذات کو بہرام کی نظرِ عنایت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اُس نے ہرمز کا سر قلم کر
دیا۔ پرویز شکست کھانے کے بعد تیس وفادار ساتھیوں، چند لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے
کنارے سفر کرتا ہوا بازنطینی سرحد کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اور ایک سرحدی چوکی کے افسر نے اُسے اپنی
پناہ میں لے لیا۔

پرویز نے روم کے نئے شہنشاہ موریس کے دربار میں اپنے ایلچی بھیج کر قسطنطنیہ پہنچنے کی اجازت مانگی۔ موریس نے
اُس کے لئے ایک تاج اور چند قیمتی تحائف روانہ کر دیئے اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ تمہیں ہماری اعانت حاصل کرنے
کے لئے قسطنطنیہ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں۔ اور جب تک تم
اپنا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل نہیں کر لیتے ہمارے سپاہی اپنی تلواریں نیاموں میں نہیں ڈالیں گے۔"

بہرام، پرویز کو شکست دینے کے بعد ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا لیکن اُسے اطمینان
سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اہل مدائن اُسے اجنبی سمجھتے تھے۔ بہرام نے انہیں سختی سے دبانے کی کوشش
کی اور مدائن کے قید خانے ان لوگوں سے بھر دیئے جنہیں ابھی تک شاہی خاندان سے عقیدت تھی۔ مجوسی کاہن جو
نوشیرواں کے خاندان کا اقتدار بحال کرنے میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتے تھے عوام کو بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ جب خسرو پرویز
رومی لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے نمودار ہوا تو اہلِ مدائن جوق در جوق اُس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔
مدائن کے عوام کی متلون مزاجی، اُمراء کی بدعہدی اور مجوسی کاہنوں کی سازشوں سے پریشان ہو کر بہرام نے
مدائن سے باہر نکل کر پرویز کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اُسے یکے بعد دیگرے دو معرکوں میں شکست کھانے
کے بعد جیحوں کے مشرق کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُس نے خاقانِ ترک کے پاس پناہ لی۔ یہ وہی خاقان تھا جسے کچھ عرصہ قبل

بہرام کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن اُس نے ایک بہادر دشمن کی دلجوئی اور عزت افزائی اپنا فرض خیال کیا خاقان کی بیوی مدائن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اُس نے بہرام کا زندہ رہنا پرویز کے مستقبل کے لئے خطرناک سمجھ کر اُسے زہر دے دیا۔

بہرام کی موت ایک محب وطن اور بہادر سپاہی کی موت تھی۔ خسرو پرویز رومی تلواروں کی چھاؤں میں ایران کے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے عوض وہ آرمینیا کا تقریباً سارا علاقہ رومیوں کے حوالے کر چکا تھا۔ اب بازنطینی سلطنت کی سرحد طفلس تک پہنچ چکی تھی۔ تاہم ایران کے امرا اور مجوسی پیشوا اس بات پر مطمئن تھے کہ خسرو پرویز بہرام کی بہ نسبت کمزور ہے اور وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مدائن کے عوام کی یہ حالت تھی کہ وہاں جو خوشیاں کچھ عرصہ قبل ہرمز کی شکست اور بہرام کی فتح کے وقت منائی گئی تھیں اُس سے کہیں زیادہ بہرام کی شکست اور خسرو پرویز کی تخت نشینی پر منائی جا رہی تھیں۔

لیکن اُن کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ پرویز نے اطمینان کا سانس لیتے ہی آنکھیں بدل لیں اور ایران میں ظلم و تشدد کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ایک ہزار رومی سپاہی پرویز کے محل پر پہرہ دیتے تھے اور بہرام کی شکست اور موت کے بعد اُسے کسی اندرونی بغاوت کا خطرہ نہ تھا۔ اب وہ اپنی متلون مزاج رعایا کو سزائیں دینے میں پوری طرح آزاد تھا۔ رومی سپاہیوں کے ساتھ عیسائی پادریوں کا ایک گروہ بھی مدائن میں موجود تھا اور یہ لوگ ایران کے آتش پرست حکمران کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایران میں عیسائیت کے مستقبل کے متعلق ان لوگوں کے پرامید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرویز کی چہیتی ملکہ عیسائی[1] تھی۔ مجوسی مذہب کے پیشوا اس صورت حال سے بے حد پریشان تھے اور نئے حکمران کو اپنے اسلاف کے مذہب پر قائم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے

---

[1] ۔ اس عیسائی بیوی کا نام شیریں تھا اور بعض روایت کے مطابق یہ شہنشاہ موریس کی بیٹی یا بھتیجی تھی اور پرویز نے اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اُس کا نام شیریں رکھ دیا تھا۔ لیکن اکثر مورخین اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ شیریں آرمینیا کے کسی عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھی ——— یہ شیریں وہی ہے جس کے ساتھ فرہاد کے عشق کا قصہ مشہور ہے۔

تھے۔ نوجوان حکمران کے دل میں عیسائیت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ صرف اپنے رومی حلیفوں کو خوش رکھنے کے لئے کبھی کبھی عیسائی مبلغین کی باتیں سن لیتا تھا۔ تاہم اہل روم بہرام پر پرویز کی فتح کو اپنی فتح خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ حالات اچانک بدل گئے۔ قسطنطنیہ میں شاہ ایران کے سرپرست شہنشاہ موریس کے خلاف ایک عام بغاوت ہو گئی اور ایک فوجی رہنما فوکاس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے موریس اور اُس کے پانچ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کا چھٹا بیٹا تھیوڈوسیس فوکاس کے ہاتھوں بچ نکلا اور پرویز سے مدد لینے کے لئے مدائن کی طرف بھاگا لیکن فوکاس کے آدمیوں نے اُسے راستے میں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کی بیوی کو کچھ عرصہ قیدی بنا کر ایک خانقاہ میں رکھا گیا لیکن اُس نے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لینے کے لئے خانقاہ سے فرار ہونے کی کوشش کی اور فوکاس نے اُسے بھی قتل کرا دیا۔

ایران میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو مجوسی مذہب کے پیشواؤں نے محسوس کیا کہ اہل روم کو نیچا دکھانے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ انہوں نے پرویز کو غیرت دلائی کہ فوکاس نے تمہارے محسن کو قتل کیا ہے اور اس سے انتقام لینا تم پر فرض ہے۔ پرویز کو ملک گیری کی ہوس اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی تھی اور موریس سے ہمدردی محض ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ بازنطینی سلطنت میں اندرونی خلفشار کے آثار دیکھتے ہی اُس نے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

اہل روم فوکاس کے مظالم سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اس لئے وہ کسی محاذ پر بھی ایرانی لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ایرانیوں نے کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کئے بغیر آرمینیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر چند ماہ بعد خسرو پرویز کی فوج شام کے شمال مشرقی علاقوں کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی انطاکیہ کی طرف بڑھی۔ یہ شہر ایشیائی ممالک میں قیصر کے نائب السلطنت کا دارالحکومت تھا اور ماضی میں کئی بار ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر چکا تھا۔ لیکن وحشت و بربریت کا یہ طوفان جس کے دروازے خسرو پرویز نے کھولے تھے ماضی کے تمام طوفانوں سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس سیل ہمہ گیر کے سامنے رومیوں کے دفاعی حصار تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے۔

فوکاس نے بازنطینی سلطنت کے لئے وہی حالات پیدا کر دیئے تھے جو چند سال قبل ہرمز نے ایران کے لئے پیدا کئے تھے۔ اور جب اندرونی خلفشار کے ساتھ بیرونی جارحیت انتہائی خطرناک نتائج پیدا کرنے لگی تو ایرانیوں کی طرح رومیوں نے بھی اپنے ظالم اور نااہل حکمران کے خلاف بغاوت کر دی۔ قسطنطنیہ کے امراء اور مذہبی پیشواؤں نے افریقی

مقبوضات کے گورنر کو قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ لیکن عمر رسیدہ گورنر نے اپنی جگہ اپنے نوجوان بیٹے ہرقل کی خدمات پیش کر دیں۔ ہرقل کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ قرطاجنہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا اور باقی لشکر خشکی کے رستے چل پڑا۔ جب ہرقل کا جنگی بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل ہوا تو قسطنطنیہ کے باشندوں نے مسرت کے نعروں سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ فوکاس کے محافظ جنہیں وفادار رکھنے کے لئے اُس نے خطیر رشوتیں دی تھیں، افریقہ اور مصر کے منظم لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔

فوکاس کو پابہ زنجیر ہرقل کے سامنے لایا گیا اور وہ سخت اذیتوں کے بعد قتل کر دیا گیا۔

ہرقل تخت پر رونق افروز ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کی گلیوں اور بازاروں میں خوشیاں منانے والے عوام گرجوں میں دعائیں مانگنے والے راہب اور نئے حکمران کے دربار میں نذرانے پیش کرنے والے امراء یہ سن رہے تھے کہ پرویز کی فوجیں انطاکیہ پر قابض ہو چکی ہیں اور وہاں فرزندانِ تثلیث کے گرجے آتشکدوں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔

باب ۱۳

موسم سرما کی ایک رات آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ایک سوار فرمس کی سرائے کے قریب گھوڑے سے اترا اور اُس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے دروازے کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"آپ یروشلم سے آئے ہیں؟"

"ہاں" اجنبی نے جواب دیا۔

پوچھنے والے نے دروازہ کھول دیا اور اجنبی اپنے گھوڑے سمیت اندر داخل ہوا۔ سرائے کے ملازم نے پوچھا "آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "میرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں یہ رات یروشلم میں گزارنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ان دنوں شام ہوتے ہی شہر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"تو آپ کو کسی رومی افسر نے یہاں نہیں بھیجا؟"

"نہیں!——"

"ٹھہریئے! میں ابھی آتا ہوں" ملازم یہ کہہ کر بھاگ گیا اور اجنبی آگے بڑھ کر چھپر کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں فرمس جس کے ہاتھ میں مشعل تھی اپنے دو نوکروں کے ساتھ برآمدے میں نمودار ہوا اور اُس نے آگے بڑھ کر اجنبی سے پوچھا "آپ یروشلم کی طرف سے آئے ہو؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بے وقت تکلیف دے رہا ہوں۔ لیکن شہر کے دروازے بند تھے"

"تمہیں راستے میں کوئی اور مسافر تو نہیں ملا؟"۔

"نہیں! یروشلم سے آگے یہاں تک تمام راستہ سنسان تھا"

فرمس نے کہا" مجھے افسوس ہے کہ سرائے مسافروں سے بھری ہوئی ہے اور میں تمہارے لئے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں کر سکتا۔ آج بارش کی وجہ سے غزہ کا ایک قافلہ یہاں رُک گیا تھا"

اجنبی نے جواب دیا" مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس بارش میں سڑک پر آرام کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں پہلے بھی یہاں ٹھہر چکا ہوں۔ اگر آپ کے پاس سرائے کے اندر کوئی جگہ نہیں تو میں اصطبل میں گزارا کر سکتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ہو تو بھوکا بھی رہ سکتا ہوں۔ لیکن میرے گھوڑے کے لئے آپ کو جَو کے ایک ٹوکرے اور گھاس کے ایک گٹھے کا انتظام ضرور کرنا پڑے گا"

سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر مشعل اونچی کی اور غور سے اجنبی کی طرف دیکھ کر چلایا" عاصم! بھائی مجھے معاف کرنا۔ اس وقت میرا خیال کہیں اور تھا۔ تمہارے لئے میں تمام سرائے خالی کرا سکتا ہوں"

پھر وہ نوکروں کی طرف متوجہ ہوا" بیوقوفو! کھڑے کیا دیکھ رہے ہو گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ۔ اور ان کا کھانا اوپر کے کمرے میں پہنچا دو"

عاصم نے کہا" نہیں نہیں، اس وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صبح دیکھا جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے"

فرمس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا" آؤ! تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میں کسی کا منتظر تھا۔ اور ان کے لئے میں نے کھانا بھی تیار کروا رکھا تھا۔ اب وہ نہیں آئے تو خدا نے تم کو بھیج دیا ہے"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بالائی منزل کے اُس کشادہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں عاصم نے چند ماہ قبل ایک رات قیام کیا تھا۔ لیکن اب یہ کمرہ پہلے کی طرح آراستہ نہ تھا۔ خوشنما قالین اور پردے غائب تھے۔ دو پلنگوں پر صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ اور اُن کے درمیان ایک چھوٹی سی میز اور چار کرسیاں پڑی تھیں۔ سامنے انگیٹھی میں آگ سلگ رہی تھی اور دائیں بائیں دو طاقچوں میں چراغ روشن تھے۔

فرمس نے کہا" آج سردی بہت زیادہ ہے اور میں نے آگ یہاں اس لئے جلائی تھی کہ یروشلم سے آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ اب مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ اس موسم میں سفر کریں گے۔ لیکن اگر وہ آگئے تو مجھے تمہارے لئے دوسرا انتظام کرنا پڑے گا۔ میرا رہنے کا مکان خالی پڑا تھا لیکن شام کے وقت ایک قافلہ پہنچ گیا اور میں نے دو کمرے بارش میں ٹھٹھرے ہوئے مسافروں کے حوالے کر دیئے۔ اب میرے پاس ایک چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ اگر کوئی آگیا تو میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا"

عاصم نے کہا" آپ کو میرے متعلق اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے میں زمین پر سونے کا عادی ہوں۔ آج مجھے صرف بارش سے بچنے کے لئے چھت کی ضرورت ہے"

فرمس نے جواب دیا" لیکن پچھلے پہر خراٹے سن کر تم یہ محسوس کرو گے کہ چھت گر رہی ہے۔ انطونیہ کہا کرتی تھی کہ میرے خراٹوں سے بیک وقت پانچ آوازیں نکلتی ہیں"

عاصم نے پوچھا" اب وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"نہیں! وہ پچھلے ہفتے اپنی ماں کے ساتھ اسکندریہ چلی گئی۔ اگر دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی رک گئی تو وہ واپس آجائیں گی ورنہ شاید مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے"

عاصم نے کہا" میں نے راستے میں اس قسم کی افواہیں سنی تھیں کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث یروشلم اور شام کے دوسرے شہروں کے لوگ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کا رُخ کر رہے ہیں"

فرمس نے جواب دیا" یہ افواہیں نہیں۔ انطاکیہ پر ایرانیوں کے قبضے کے بعد رومی اُمراء نے اپنے بال بچوں کو شام کے دوسرے شہروں سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب ایرانیوں نے مزید پیش قدمی کی تو شام کے خوشحال لوگ بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے لگے اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام کے قافلے بھی اسکندریہ اور مصر کے دوسرے شہروں کا رُخ کر رہے ہیں"

عاصم نے پوچھا" آپ جن مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے وہ کون ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ دو انتہائی معزز خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم پطیوس سے جو پچھلی مرتبہ میری سرائے میں اُس سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں قیام کریں گی۔ پھر مجھے ان کو دمشق تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر رات کے وقت کسی نے اُن کا پیچھا کیا تو ... مل جانے گی پھر میرا یہ کام ہوگا کہ ایک دو دن انہیں یہاں چھپائے رکھوں۔ یہ خواتین کون ہیں؟ یہ بات میرے

لئے ایک معما ہے لیکن پطیوس ایک ایسا دوست ہے جس کی خاطر میں بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہوں۔ اب میں نیچے جاکر کچھ دیر اور اُن کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔ نوکر تمہارے لئے کھانا اور کپڑوں کا جوڑا لے آئے گا۔ میرا لباس تمہارے جسم پر عجیب معلوم ہوگا لیکن تمہارے لئے بھیگے ہوئے کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہیں۔" فرمس یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

عاصم کھانا کھانے کے بعد آگ کے سامنے بیٹھا اپنے کپڑے سکھا رہا تھا۔ فرمس دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب ایک پہر سے زیادہ رات گزر چکی ہے اور بارش بھی خاصی تیز ہوگئی ہے ان حالات میں مجھے دو عورتوں کا یروشلم سے یہاں پہنچنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر تمہیں نیند نہ آگئی تو ہم اطمینان سے باتیں کرسکتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے نیند یا تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔"

فرمس نے کہا۔ "میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بھیج کر غلطی کی ہے۔ مجھے اُن کے ساتھ جانا چاہیئے تھا لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہاں رُک جانے میں بھی قدرت کی ایک مصلحت تھی۔ میرے ایک محسن کو یہاں آنا تھا اور خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں پہنچے اور اُس کے راستے میں آنکھیں بچھانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن تم تنہا آئے ہو اور ان دنوں بڑے بڑے قافلے بھی شام کا رُخ کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ تم بہت کمزور ہوگئے ہو اور تمہارا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ تم کانٹوں پر چل کر یہاں پہنچے ہو۔ پچھلی مرتبہ جب تم یہاں آئے تھے تو تمہیں تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن آج مجھے تمہارے سامان میں تلوار نظر نہیں آئی۔ عاصم میرے اَن گنت سوالات کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمہاری زبان سے تمہاری سرگزشت سننا چاہتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر اس لئے نکل گیا تھا کہ تم اطمینان سے کھانا کھا سکو اور میرے سوالات تمہیں پریشان نہ کریں۔ میزبان کے آداب مجھے تم سے ایسی باتیں پوچھنے سے منع کرتے ہیں جن کا جواب دینا ایک مہمان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں۔ اور یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم کن حالات میں گھر سے نکلے ہو، تمہاری منزلِ مقصود کہاں ہے اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے فرمس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے وطن کی زمین میرے لئے تنگ ہو چکی ہے۔ اور میں اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ عرب کی حدود سے نکلنے کے بعد اس سرائے سے آگے میری کوئی منزل نہ تھی اور اب اس کمرے سے باہر میرے لئے ساری دنیا تاریک ہے۔"

فرمس نے پوچھا۔ "کیا لڑائی میں تمہارے دشمن غالب آگئے تھے؟"

"میں نے جس وطن کو چھوڑا ہے وہاں میرا کوئی دوست یا دشمن نہ تھا۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں محبت اور انتقام کی لذت سے محروم ہو چکا ہوں اور آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اس محرومی کے باوجود زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے اپنی سرگزشت سنا سکتے ہو؟"

وطن سے نکلنے کے بعد یہ پہلا انسان تھا جو عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اب اُسے اپنی نیند یا تھکاوٹ کا کوئی احساس نہ تھا۔ اُس نے احسانمندی کی نظر سے فرمس کی طرف دیکھا اور کسی توقف کے بغیر اپنی سرگزشت سنانی شروع کر دی۔

جب وہ سمیرا اور عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت کے واقعات سنا رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے پھر جب اُس نے اپنا قصہ ختم کیا تو فرمس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عاصم! تم آلام و مصائب کی اِس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ آج پوری انسانیت اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہی ہے۔ میں دس برس کا تھا جب میرے باپ کو اسکندریہ کے راہبوں نے صرف اِس لئے زندہ جلا دیا کہ اُس نے عیسائی ہوتے ہوئے رہبانیت کی مخالفت میں آواز بلند کی تھی۔ دو سال بعد میرے بڑے بھائی کو رومی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں، بابلیون کے ایک چوراہے پر پھانسی دی گئی۔ اس کے بعد میں قریباً آٹھ سال کبھی مصر، کبھی شام اور کبھی آرمینیا کی خاک چھانتا رہا۔ میرا دل نفرت و انتقام کے جذبات سے لبریز تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ زندہ رہنے کی خواہش میرے جذبات پر غالب آگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بے بس انسان ہوں اور زمانے کی گردش کا رخ بدل دینا میرے اختیار میں نہیں۔ میں صرف کلیسا کی فرمانبرداری اور حکومت کی اطاعت کر کے، زندہ رہ سکتا ہوں، پھر میں نے اسکندریہ کی ایک سرائے میں ملازمت کر لی۔ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی تھا اُس نے میری محنت اور دیانتداری کی قدر کی اور دو سال بعد مجھے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لیا۔ اسی سال ایک شریف خاندان

کی لڑکی سے میری شادی ہوگئی۔ اگلے سال سرائے کا مالک مرگیا چونکہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اِس لئے اُس کے بھائی اُس کی جائداد کے وارث بن گئے۔ اور میں نے اُن سے اُلجھنے کی بجائے علیحدہ تجارت شروع کردی۔ میرے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا لیکن میری بیوی کے بھائی نے میری مدد کی اور میں جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک سال مجھے تجارت کے سلسلہ میں یروشلم آنا پڑا۔ ہمارا قافلہ گرمیوں کی دوپہر گزارنے کے لئے اس جگہ اترا پڑا۔ ان دنوں یہ پرانی عمارت خالی پڑی تھی اور سڑک کے دوسری طرف صرف نانبائی کی ایک دوکان تھی۔ ہم نے وہاں کھانا کھایا اور نانبائی سے گفتگو کے دوران میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمارت ایک قدیم سرائے ہے جو کئی بار اُجڑی اور کئی بار آباد ہوئی ہے۔ چند سال قبل ڈاکوؤں نے یہاں ایک قافلے کو لوٹ کر سرائے کے مالک کے ایک بیٹے کو قتل کردیا تھا۔ اُس وقت سے یہ سرائے بند پڑی تھی اور اس کا موجودہ وارث جو اب یروشلم کا ایک بہت بڑا تاجر ہے، اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یہ جگہ پسند آگئی اور میں نے نانبائی سے اس کے مالک کا پتا پوچھ لیا۔

اگلے ہی دن اِس کے مالک سے میرا سودا ہوگیا۔ اُس نے جو قیمت مانگی وہ میری توقع سے بہت ہی کم تھی۔ اِس عمارت کی حالت بے حد خراب تھی۔ لیکن مجھے توقع تھی کہ اِس کی مرمت پر جو رقم صرف ہوگی وہ رائگاں نہیں جائے گی۔ یہ کمرہ میں نے بذاتِ خود بڑی حیثیت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ میں ایک سال تک اسکندریہ نہ جاسکا لیکن اس عرصہ میں میرا کاروبار اس قدر ترقی کرچکا تھا کہ پڑوس کے نانبائی نے اپنی دوکان بند کرکے میرے ہاں ملازمت کرلی۔ لیکن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے صرف ایک منفعت بخش تجارت ہی کافی نہ تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ ماضی کے تاریک سائے اب بھی میرا پیچھا کررہے ہیں اور حکومت کے کسی ادنیٰ عہدہ دار یا کلیسا کے کسی معمولی راہب کی ناراضگی میری تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ میرے خلاف ان دو جابر اور بے رحم طاقتوں کو حرکت میں لانے کے لئے کسی دشمن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا باپ کلیسا اور میرا بھائی حکومت کا باغی تھا۔ چنانچہ میں اپنی کمائی کا ایک حصہ حکومت کے اہل کاروں اور کلیسا کے اکابر کی دوستی خریدنے پر صرف کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ اس طرف سے گزریں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ چند ساعت وہ میرے پاس قیام کریں اور میں اُن کی خدمت کروں۔ اگر وہ میرے پاس نہیں آتے تو میں خود تحائف لے کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا ہوں۔ ایک مرتبہ یروشلم کا بشپ صرف پانی پینے کے لئے یہاں رُکا تھا لیکن میں نے چاندی کے برتنوں میں اُسے کھانا کھلایا اور پھر یہ برتن اُسے بطور نذرانہ پیش کردیئے۔ دوسری مرتبہ وہ یہاں آیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا آبائی

وطن بابلیون ہے لیکن میں وہاں صرف اس لئے نہیں جاسکتا کہ میرے باپ اور بھائی کی بعض غلطیوں کے باعث وہاں کلیسا اور حکومت سے میری وفاداری کے متعلق بھی شکوک پیدا ہوچکے ہیں۔ میرے حال پر وہ اِس قدر مہربان ہوا کہ مجھے بابلیون کے بشپ کے نام ایک خط لکھ کردیے گیا۔ اِس خط کا مفہوم یہ تھا کہ ہم نے کسی مصری کو فرمس سے زیادہ رومی سلطنت کا وفادار اور کلیسا کا جاں نثار نہیں دیکھا۔ اگر بابلیون میں اِس نیک مخلص اور ایثار پیشہ آدمی کے متعلق کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہے تو اسے دور کرنا آپ کا فرض ہے۔ پھر میں بابلیون گیا اور وہاں کے بشپ کو یہ خط اور اپنی طرف سے سونے کا ایک پیالہ پیش کیا۔ اور اِس کے بعد میری ماضی کی ساری سیاہی دُھل چکی تھی۔ میرا آبائی مکان جو حکومت نے ضبط کرلیا تھا مجھے واپس مل چکا ہے۔ پطیوس کو میں نے اچھی قسم کی شراب پیش کی تھی اور اس کے بعد سے وہ میرا دوست ہے۔

تم مجھے ایک دوست سمجھ کر یہاں آئے ہو اور میں تم سے یہ باتیں اِس لئے کررہا ہوں کہ تمہیں میرے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ظاہری اعتبار سے میں ایک کامیاب آدمی ہوں لیکن امن اور سکون کی زندگی اختیار کرنے کے بعد میں نے ہر قدم پر یہ محسوس کیا ہے کہ میرا ضمیر مرچکا ہے۔ میں نے صرف اپنے جسم کی آسائش کے سامان فراہم کئے ہیں لیکن میری روح تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ میں ظلم، جہالت، وحشت اور بربریت کے خلاف اپنے ضمیر کی چبھنیں سنتا ہوں لیکن ظالموں کو خوش رکھنے کے لئے مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب میں مرنا چاہتا تھا تو میری روح زندہ تھی۔ میں نیک و بد کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا تھا۔ اور جب میں نے زندہ رہنا ہی زندگی کا مقصد بنالیا تو میں اس دنیا میں ایک انسان کا حقیقی مقام کھوچکا تھا۔

میں رومیوں کی غلامی کو ایک لعنت سمجھتا ہوں لیکن میں نے ہر رومی کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ میں تمہیں انسانیت کا محسن خیال کرتا ہوں۔ مجھے کلیسا کے اُن خداؤں سے نفرت ہے جنہوں نے خائف انسانوں کو زندہ انسانوں کا قبرستان بنادیا ہے لیکن مجھ میں یہ حوصلہ نہیں کہ اُن کے خلاف زبان کھول سکوں۔

میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ میں ایک کمزور انسان تھا لیکن تم مجھ سے مختلف ہو۔ تمہارے متعلق میں یہ جانتا ہوں کہ تم طوفانوں سے لڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تم زیادہ عرصہ ایک خاموش اور پرسکون زندگی پر قانع نہیں رہ سکو گے۔ پچھلی مرتبہ جب تم اِس سرائے میں اُس دیوقامت شامی پر ٹوٹ پڑے تھے تو میں بار بار یہ سوچتا تھا کہ کاش میری زندگی میں بھی چند ایسے لمحات آسکتے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں خونخواری کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے خون

مہانے سے نفرت ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب کسی ظالم کی مخالفت یا کسی مظلوم کی حمایت میں اپنا خون اور گوشت پیش کر دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے تو ایک انسان کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچ سکے اور اس کے ضمیر کی آواز اس کے ہونٹوں تک نہ آ سکے لیکن میں کئی بار اس قسم کی ذلتیں دیکھ چکا ہوں۔ اور آج جب میں اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھتا ہوں جس کے ضمیر کی آواز نے اُسے اپنے دشمنوں کی حمایت میں تلوار اٹھانے پر آمادہ کر دیا تھا تو مجھے اپنی کمزوری پر شرم و ندامت محسوس ہوتی ہے۔ عاصم! تم بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہو لیکن تم کمزور یا بے بس نہیں ہو۔ تم نے کوئی جرم، کوئی غلطی یا کوئی گناہ نہیں کیا۔ صرف اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کیا تھا، اگر تمہارے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ راستہ غلط تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ایک اولوالعزم انسان میرے پاس آیا ہے اور میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ تم پامال شدہ گزرگاہوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے ـــــ تم عام انسانوں سے مختلف ہو۔

اب تم آرام سے سو جاؤ۔ جب تمہاری تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ ممکن ہے میں تمہارے لئے کوئی ایسا مشغلہ سوچ سکوں جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو۔"

فرمس عاصم کے کندھے پر تھپکی دے کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس اور اس کا نوکر ایک معمر عورت اور ایک دوشیزہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ نوکر نے ایک گٹھڑی جس سے ان خواتین کے لباس کی طرح پانی ٹپک رہا تھا۔ ایک کونے میں رکھ دی اور انگیٹھی میں بجھتے ہوئے انگاروں پر چند لکڑیاں رکھ کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فرمس نے رومی زبان میں کہا۔ "مجھے دوپہر کے وقت پطیوس کا پیغام مل گیا تھا۔ لیکن یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس موسم میں یروشلم سے نکلنا پسند کریں گی۔ میں ابھی آپ کا کمرہ خالی کرا دیتا ہوں۔"

عورت نے جس کی شکل و صورت اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دیتی تھی، کہا۔ "یہاں کسی غیر معتمد آدمی کو ہماری آمد کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کون ہے؟"

"یہ ایک مصیبت زدہ انسان ہے، میں اسے جانتا ہوں اور آپ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں۔" یہ کہہ کر فرمس نے عاصم کو جگانے کی کوشش کی لیکن اُس نے آنکھیں کھولنے کی بجائے کچھ بڑبڑا کر کروٹ بدل لی۔

عمر رسیدہ عورت نے کہا۔ "ٹھہرو! اسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ خدا کرے بارش تھم جائے۔ ہم دمشق پہنچنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔"

فرمس نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ تنہا دمشق کا سفر کرنا چاہتی ہیں؟"

"اگر تم کوئی قابل اعتماد آدمی نہ دے سکے تو پھر ہمیں تنہا ہی سفر کرنا پڑے گا۔ ہمارے نوکر ہمارے ساتھ نہیں آ سکے۔"

فرمس نے کہا۔ "آپ بہت پریشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

"پطیوس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"انہوں نے مجھے صرف یہ پیغام بھیجا تھا کہ یروشلم سے دو معزز خواتین رات کے وقت یہاں پہنچیں گی۔ اور مجھے اُن کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پطیوس کا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے رات کے وقت آپ کو تنہا کیسے بھیج دیا۔"

عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنے دو سپاہی ہمارے ساتھ روانہ کئے تھے اور وہ ہمیں تمہاری سرائے کے باہر چھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں یہاں کوئی ہمارے ساتھ دیکھ لے۔ شاید صبح ہوتے ہی یروشلم میں ہماری تلاش شروع ہو جائے۔ اُن ظالموں نے ہمارے ایک نوکر کو ہلاک کر دیا ہے اور دوسرے کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ اُن سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ ہم اور میری بیٹی یروشلم میں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی ہیں۔ یروشلم کے حاکم کو، تو ہم پر دست درازی کی جرأت نہیں ہوئی لیکن اُس کا اشارہ پا کر بعض راہبوں نے عوام کو ہمارے خلاف بہت مشتعل کر دیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ اگر ایرانی لشکر دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو وہ ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔ یروشلم کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہ نکل سکیں۔"

فرمس نے پوچھا۔ "وہ آپ کا دشمن کیوں تھا؟"

"وہ میرے والد کے ماتحت ایک نہایت معمولی افسر کی حیثیت سے کام کر چکا ہے۔ اور اُسے وہ زمانہ نہیں بھولا جب میں نے اُس کے منہ پر تھپڑ لگائے تھے۔"

فرمس نے کہا۔"میں یروشلم کے حاکم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ آپ کا اِس حد تک دشمن ہے تو آپ کے لئے دمشق یروشلم سے زیادہ محفوظ نہ ہوگا۔ ایرانیوں کی جاسوسی کا الزام آپ کے لئے ہر جگہ خطرناک ہے۔"

عورت نے تلملا کر کہا۔"تم میرے والد کو نہیں جانتے۔ اگر میں دمشق پہنچ جاؤں تو یروشلم کے حاکم کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

فرمس نے کہا۔"لیکن ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث دمشق کے حالات خاصے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اگر خدانخواستہ انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو آپ کیا کریں گی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ دمشق کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں۔"

عورت نے جواب دیا۔"میرے والد دمشق میں ہیں۔ مجھے بہرصورت وہاں پہنچنا ہے۔"

نوکر آگ جلا چکا تھا، نوجوان لڑکی انگیٹھی کے سامنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔

فرمس نے کہا۔"معاف کیجئے مجھے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ آپ سردی میں سے آئی ہیں۔ اس وقت آپ کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو خشک کپڑے مہیا کئے جائیں۔ میں آپ کو چادریں دے سکتا ہوں۔ آپ کے لئے کھانا بھی تیار ہے۔"

"ہم کھانا کھا کر آئے تھے۔"

نوجوان لڑکی نے کمرے کے کونے میں جا کر اپنی گٹھڑی کھولی اور بھیگے ہوئے کپڑے نکال کر دیکھنے لگی۔

فرمس نے اپنے نوکر سے کہا۔"تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں آگ کے سامنے اچھی طرح سوکھا کر لاؤ۔" پھر وہ عورت کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔"میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ میں اس آدمی کو جگا کر نیچے لے جاؤں، آپ کو یقین ہے کہ اس کی موجودگی آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہوگی؟"

"نہیں! اسے تکلیف دینے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم ہمارے لئے کسی قابلِ اعتماد ساتھی کا بندوبست کرو۔ صبح تک اگر بارش نہ تھمی تو بھی ہم روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انہیں ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔"

فرمس نے کہا۔"آپ اطمینان رکھئے! میرے آدمی سرائے کے باہر پہرا دیں گے اگر کوئی اس طرف آیا تو مجھے قبل از وقت اطلاع مل جائے گی اور میں آپ کو اسی سرائے کے اندر ایک ایسے تہ خانے میں چھپا دوں گا جس کا میرے ایک نوکر کے سوا، کسی کو علم نہیں۔ اور سفر میں بھی میں شاید ایک اچھا ساتھی آپ کے ساتھ کر سکوں۔"

"وہ آپ کا نوکر ہے؟"

"نہیں وہ ایک مہمان ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

فرمس نے عاصم کے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔"یہ ہے وہ۔ اگر یہ دمشق جانے پر رضامند ہو گیا تو آپ کو اس سے بہتر ساتھی نہیں مل سکتا۔"

"یہ یروشلم کا باشندہ ہے؟"

"نہیں، یہ عرب سے آیا ہے۔"

"عرب سے؟" نوجوان لڑکی نے چونک کر کہا۔"آپ ایک عرب پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

"ہاں! میں اُس شخص پر اعتماد کرنے میں بالکل حق بجانب ہوں، جو کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے چکا ہو۔"

لڑکی کی ماں نے کہا۔"ایک عرب کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے سکتا ہے؟"

"ہاں! قدرت نے نیکی کے سارے دروازے کسی قوم کے لئے بند نہیں کئے۔"

لڑکی نے کہا۔"میں نے پہلی بار سنا ہے کہ ایک عرب بھی کوئی نیکی کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میری اپنی بیٹی ہوتی تو میں اُس کے لئے بھی اس نوجوان سے بہتر محافظ تلاش نہ کر سکتا۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ ہم نے اِسے بے آرام نہیں کیا۔ اسے مدت کے بعد آرام کی نیند نصیب ہوئی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بارش کا زور ٹوٹتے ہی آپ کے سفر کا بندوبست کر دوں گا ——" فرمس اور اُس کا نوکر کمرے سے باہر نکل گئے۔

○

عاصم نے خواب میں کچھ دیر بڑبڑانے کے بعد کروٹ بدلی اور نوجوان لڑکی جو انگیٹھی کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی ماں اُس کے دائیں ہاتھ دوسری کرسی پر سو رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد تیسری پہلی بار عاصم کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی اور اس نوجوان کی شکل و صورت اُن نفرت انگیز داستانوں کو جھٹلا رہی تھی جو اس نے سن شعور سے لے کر آج تک عربوں کی جہالت اور درندگی کے متعلق سنی تھیں۔ اُسے یہ بات ناقابلِ

یقین معلوم ہوتی تھی کہ وہ بیچارگی کی حالت میں سرائے کے ایک کمرے میں بیٹھی ہے اور ایک عرب اُس کے قریب سو رہا ہے تاہم ایک بڑی مصیبت کا احساس اُس کے فخر و غرور پر غالب آچکا تھا۔ اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تلے پسا جا رہا ہے۔

عاصم اچانک دوبارہ بڑبڑایا اور بستر پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کا لحاف ایک طرف گر پڑا۔ لڑکی کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نوجوان نیند میں کسی سے لڑ رہا ہے۔ اُس کا چہرہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ چند ثانیے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اور کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھولیں اور اُس کی نگاہیں ایک ان جانی اور ان دیکھی صورت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ لڑکی نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ اُس کے سنہرے بال اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چادر سے باہر اُس کا ایک بازو، جو اب عاصم کی نگاہوں کے سامنے تھا، مرمر کی طرح سفید تھا۔

عاصم کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں کی طرف دیکھا اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کہاں ہوں؟"

لڑکی دوبارہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آسمان کی نیلاہٹ، سمندر کی گہرائی اور صبح کی روشنی تھی۔

"تم..... تم کون ہو؟" عاصم نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

لڑکی نے بے اعتنائی سے سر ہلاتے ہوئے سریانی زبان میں کہا۔ "میں آپ کی زبان نہیں جانتی۔"

"عاصم اچانک پلنگ سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اُس نے سریانی میں کہا۔ "معاف کیجئے سرائے کے مالک کو شاید آپ ہی کا انتظار تھا۔ اور مجھے یہ کمرہ اِس شرط پر دیا گیا تھا کہ جب اُس کے مہمان آجائیں گے تو میں اسے خالی کر دوں گا آپ کو یہاں پہنچتے ہی مجھے جگا دینا چاہیے تھا۔ مجھے یہاں سونے کا کوئی حق نہ تھا۔"

"تم سو رہے تھے اور ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے ہم نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔" لڑکی نے یہ کہہ کر اپنی ماں کو جھنجھوڑا اور وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نوجوان تم اپنی نیند پوری کر چکے ہو——؟"

"جی ہاں اور مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اس قدر تکلیف ہوئی۔"

عورت نے کہا۔ "ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اگر بارش اس قدر تیز

نہ ہوتی تو ہم یہاں رکنا بھی پسند نہ کرتے۔ بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

عاصم میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

بالآخر اُس نے کہا۔ "سرائے کے مالک نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ تم ہمارے ساتھ دمشق تک جانا پسند کرو گے؟"

"کب——؟"

"ہم صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اگر بارش نہ رکی تو بھی ہم صبح تک یہاں سے نکل جائیں گے۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سرائے کے مالک نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تم ایک بہادر آدمی ہو اور تمہاری نیکی اور شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم تمہاری اعانت کے محتاج ہیں، اگر تم دمشق تک ہمارا ساتھ دے سکو تو میں اِس نیکی کا پورا معاوضہ دے سکوں گی؟"

ماں اور بیٹی سراپا التجا بن کر عاصم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور اُس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اگر سرائے کے مالک کی یہی خواہش ہے، تو میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اور آپ سے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لوں گا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے دمشق خالی ہو رہا ہے۔ کیا ان حالات میں آپ کے لئے وہاں جانا خطرناک نہ ہو گا؟"

عورت نے جواب دیا۔ "ہمیں ایرانیوں سے کوئی خطرہ نہیں، اگر سارا دمشق خالی ہو جائے تو بھی ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور تمہیں ہم کو اس قدر نادار نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تمہاری خدمت کا کوئی صلہ نہ دے سکیں۔ بعض اہم وجوہ کی بنا پر ہمیں اِس بے سروسامانی کی حالت میں یروشلم سے نکلنا پڑا اور ہم اپنے نوکروں کو ساتھ نہ لا سکے لیکن تمہارے لئے ہمارے پاس اِس وقت بھی بہت کچھ ہے۔"

باہر بادل کی گرج سنائی دی اور بارش کا شور پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ عورت نے مضطرب ہو کر کہا۔ "اب صبح ہونے میں کتنی دیر ہے۔ خدا معلوم یہ طوفان کب تھمے گا۔ ہمارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی اُن کے آدمی اس طرف بھی ہمارا پیچھا کریں گے۔"

"آپ کا پیچھا کرنے والے کون ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

عورت نے اچانک سنبھل کر جواب دیا۔ "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہم صرف

ایک پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یروشلم کی فوج کا ایک بڑا افسر اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ تاہم ہمارے لئے یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"میرے خیال میں بارش کا زور ٹوٹ رہا ہے"۔ عاصم یہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا۔ "مغرب کی طرف بادل چھٹ رہے ہیں اور اب یہ معمولی بوندا باندی بھی زیادہ دیر نہ رہے گی۔ آپ کے پاس گھوڑے ہیں؟"

"ہاں ——"

"اگر آپ کے پاس گھوڑے تھے تو آپ کو بارش میں بھی یہاں قیام نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ میں ابھی سرائے کے مالک کو جگاتا ہوں۔"

فرمس اچانک کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔ "آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ میں سو رہا ہوں۔ گھوڑے تیار میں صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ ان خواتین کو دمشق تک پہنچنے کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت ہے اور مجھے اس خدمت کے لئے آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔"

عورت نے کہا۔ "اب تمہیں درخواست کرنے کی ضرورت نہیں یہ شریف نوجوان ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

فرمس کا ملازم کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اسے بستر پر رکھ کر بولا۔ "لیجئے میں نے انہیں بھی طرح سکھا دیا ہے۔"

فرمس نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ فوراً تیار ہو جائیے۔ ہم نیچے آپ کا انتظار کریں گے۔"

عاصم دروازے کے قریب ایک کھونٹی سے اپنے کپڑے اتارنے لگا تو فرمس نے اپنے نوکر سے کہا۔ "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں کھانے کے سامان کے ساتھ ان کی خرجین میں ڈال دو۔ اس کے بعد ان معزز خواتین کو نیچے لے آؤ۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہوا۔ "تمہارے سفر کے لئے یہ لباس موزوں نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لئے کچھ اور انتظام کیا ہے؟"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے سکونتی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ فرمس نے جلدی سے ایک صندوق کھولا اور ایک رومی افسر کی وردی نکال کر عاصم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"تم ایک رومی افسر کے بھیس میں دمشق جا رہے ہو۔ تمہارے لئے ایک عرب کی بجائے ایک رومی کی حیثیت سے ان عورتوں کی حفاظت کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ اُس نے فوج سے بھاگ کر یروشلم کی ایک خانقاہ میں پناہ لی تھی اور اپنی وردی میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔ دو سال اس نے راہبانہ زندگی بسر کی اور آخر کار اس سے بیزار ہو کر وہ خانقاہ سے بھی فرار ہو گیا۔ اس کے بعد اُس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اُس کا قد بالکل تمہارے برابر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وردی تمہارے ٹھیک آئے گی۔ اب جلدی کرو۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن میں رومی زبان کے چند الفاظ ہی جانتا ہوں۔ اور میرا رنگ بھی کسی رومی کو دھوکا نہیں دے سکے گا——"

"تمہارا رنگ خاصا سفید ہے۔ اور روم و یونان کے وہ لوگ جو مدت سے شام میں آباد ہیں، یہاں کی زبان سیکھ گئے ہیں اور تم سریانی زبان میں روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہو۔ پھر اگر کسی جگہ رومی زبان میں گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو تھوڑی دیر کے لئے بہرے بن کر ان خواتین کو آگے کر دینا۔ وہ خاصی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ تمہیں راستے میں ملیں گے وہ اس لباس کو دیکھ کر ہی مرعوب ہو جائیں گے۔ تم پانی مانگو گے تو دودھ ملے گا۔ تمہیں صرف ان عورتوں کا پیچھا کرنے والوں سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ جلد از جلد یہاں سے دور نکل جاؤ۔ یہ عورت دمشق کے کسی بااثر رومی کی بیٹی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یروشلم کے حاکم کے آدمی دو چار منزلوں سے زیادہ ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس لباس کی بدولت تم بوقت ضرورت تازہ دم گھوڑے بھی حاصل کر سکو گے؟"

عاصم وردی پہن چکا، تو فرمس نے صندوق سے تلوار نکال کر اُسے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اب اگر تم قیصر کے دربار میں جاؤ تو بھی تم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔"

عاصم نے کہا۔ "نہیں مجھے تلوار کی ضرورت نہیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ باقی عمر تلوار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں اس عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔ "عاصم! تم ایک بہادر آدمی ہو۔ اور راستے میں تمہیں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ تم بھاگنے کو ناپسند کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان بے بس عورتوں پر کسی نے حملہ کیا تو تم ان کی چیخیں برداشت نہ کر سکو گے۔"

موجودہ حالات میں مجھے یہ توقع نہیں کہ یروشلم کا حاکم انہیں گرفتار کرنے کے لئے کوئی لشکر بھیجے گا، لیکن اگر دو چار آدمیوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تم یقیناً تلوار کی ضرورت محسوس کرو گے۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ خطرے کے وقت تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی اور تم ان عورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکو گے تو میں یہ تلوار تمہیں پیش نہ کرتا۔"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمس نے تلوار کا تسمہ اُس کی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔ "خدا جانتا ہے کہ مجھے تمہاری جدائی پسند نہیں۔ جب تم اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث مجھے یہاں سے بھاگنا پڑا تو میں تمہیں اپنے ساتھ اسکندریہ لے جاؤں گا۔ اور پھر وہاں سے ہم بابلیون چلے جائیں گے۔ مگر قدرت تم سے یہ کام لینا چاہتی تھی۔ لیکن اب تم جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔ اگر حالات زیادہ خراب ہو گئے اور مجھے تمہاری آمد سے پہلے یہاں سے کوچ کرنا پڑا تو میں اسکندریہ اور اُس کے بعد بابلیون میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

عاصم نے صندوق سے ترکش اور کمان نکالتے ہوئے کہا۔ "اب کہ میں اپنے عہد سے انحراف کر رہا ہوں تو مجھے پوری طرح مسلح ہو کر جانا چاہیئے۔"

وہ کمرے سے باہر نکلے تو بارش تھم چکی تھی اور مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فرمس سرائے کے دروازے کے باہر کھڑا عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُن رہا تھا۔

باب ۱۴

آفتاب نمودار ہو چکا تھا۔ اور چند میل سرپٹ دوڑنے کے بعد عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ عاصم نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف، جو کچھ پیچھے رہ گئے تھے، دیکھنے لگا۔

لڑکی کی ماں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔ "گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام سے سفر کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ ہم دوپہر سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ یہ راستہ دمشق کی طرف جاتا ہے؟" یہ پہلا موقع تھا کہ وہ عاصم سے "تم" کی بجائے "آپ" کہہ کر مخاطب ہو رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دن کی روشنی میں انسانی حسن و جمال کے اِس پیکرِ مجسم کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی عمر چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم شباب کی تمام رعنائیاں اُس کے چہرے پر رقص کر رہی تھیں۔

اُس نے جواب دیا۔ "ہاں! میں اِس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا ہوں۔"

لڑکی نے کہا۔ "ہم خاصی دور آ گئے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کسی جگہ، سستانے کے لئے ٹھہر جائیں۔"

"نہیں۔" عاصم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔ "ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی! ہمت سے کام لو۔ ہماری منزل بہت دور ہے۔"

ایک گھاٹی کے موڑ سے انہیں گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عاصم نے جلدی سے گھوڑے کی باگ موڑی اور راستے سے ایک طرف ہٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ سپاہی ہیں۔ اپنے گھوڑوں کا رُخ دوسری طرف کر لیں اور راستہ چھوڑ دیں، انہیں ہمارے متعلق یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہم بھی

یروشلم جا رہے ہیں۔ پھر شاید وہ ہم سے ہمکلام ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔"

عاصم کے ساتھیوں نے بلاتاخیر اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند ثانیے بعد گھاٹی کے موڑ سے دو رتھ اور چند مسلح سوار نمودار ہوئے۔ سب سے اگلی رتھ پر ایک رومی افسر سوار تھا۔ اُس نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام لیا اور پھر ہانپتے ہوئے گھوڑوں کو چابک مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب یہ لوگ کچھ دور چلے گئے تو عاصم نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں یہ وردی پہننے پر اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ مجھ سے پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں گا۔"

لڑکی بولی "تمہیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ لوگ دمشق سے آ رہے تھے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے میرے اباجان کا نام کافی تھا۔ میں اگر انہیں یہ بھی بتا دیتی کہ تم ایک عرب ہو اور تم نے صرف ہماری خاطر ایک رومی کا بھیس بدلا ہے تو بھی وہ تمہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ دمشق کی فوج کے تمام عہدہ دار میرے اباجان کو جانتے ہیں۔ ہمیں اگر کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے، تو صرف یروشلم کے حاکم کے آدمیوں سے۔"

عاصم نے کہا "اگر یروشلم کے حاکم کے آدمی آپ کی تلاش میں اس طرف روانہ ہو چکے ہیں تو راستے میں ان لوگوں سے انہیں آپ کا پتا مل جائے گا۔ اس صورت میں آپ کو آرام کے لئے بہت کم وقت ملے گا۔ اب چلئے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ماں اور بیٹی نے بے بسی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے چل پڑیں۔

ایک ساعت بعد یہ لوگ ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ گندم اور جو کے لہلہاتے کھیتوں میں کہیں کہیں زیتون کے درخت کھڑے تھے۔ سامنے تھوڑی دور کسی بستی یا قصبے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم نے سڑک سے اتر کر ندی کے کنارے گھوڑا روکا اور اُسے پانی پلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرے خیال میں ہمیں اُس بستی کی بجائے یہیں کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ آپ اپنے گھوڑوں کو پانی پلا لیں۔ اس کے بعد ہم کوئی موزوں جگہ تلاش کریں گے۔"

لڑکی گھوڑے سے اتری اور اوک سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد نڈھال سی ہو کر ندی کے کنارے گئی۔ ماں نے بیٹی کی تقلید کی لیکن عاصم نے کہا "آپ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں ورنہ یہ پانی پیتے ہی بھاگ

لڑکی بادلِ ناخواستہ اٹھی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر بولی "ہمارے گھوڑوں میں اب بھاگنے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا "بھوکے گھوڑوں کے لئے یہ لہلہاتے کھیت خاصے صبر آزما ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔ ہمارے لئے سڑک کے قریب ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

لڑکی نے کہا "لیکن اب مجھ میں گھوڑے پر دوبارہ سوار ہونے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے کہا "چند قدم پیدل چلنا آپ کے لئے سودمند ہوگا، آئیے!"

ماں اٹھتے ہوئے بولی "چلو، بیٹی! یہ درست کہتے ہیں۔ ہمیں معمولی تکلیف سے بچنے کے لئے سڑک کے کنارے رُکنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔"

لڑکی منہ بسورتی ہوئی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ وہ کچھ دیر ندی کے کنارے چلتے رہے، ایک چھوٹا سا ٹیلا عبور کرنے کے بعد عاصم نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا "میرے خیال میں یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے، کم از کم ہمیں سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

لڑکی اور اُس کی ماں زمین پر بیٹھ گئیں اور عاصم نے تینوں گھوڑے زیتون کے درختوں سے باندھ دیئے۔ پھر اپنی خرجین سے ایک گٹھڑی، جس میں کھانا بندھا ہوا تھا، نکالی اور اُسے اپنے ساتھیوں کے آگے رکھ کر کھولتے ہوئے کہا "آپ تھکاوٹ سے زیادہ بھوک محسوس کر رہی ہوں گی۔ دیکھئے! ہمارے میزبان نے کس قدر تکلف سے کام لیا ہے۔ یہ کھانا ہمارے پورے سفر کے لئے کافی ہوگا۔"

لڑکی نے کہا "کیا آپ کے خیال میں ہمیں اگلی منزلوں میں بھی اسی باسی کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا؟"

عاصم نے جواب دیا "ہاں! اگر تازہ کھانا نہ ملا!"

لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بھوک کی شدت اُس کی قوتِ گویائی پر غالب آ گئی۔

پھر گوشت کے چند ٹکڑے اور روٹی کے چند نوالے کھانے کے بعد، اُس نے قدرے تازہ دم ہو کر کہا "دیکھئے! آپ کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے لئے یروشلم ٹھہرنا اس لئے خطرناک تھا کہ شہر کا حاکم درپردہ ہمارا [illegible] اور اُس کے جاسوسوں نے بعض افواہیں پھیلا کر عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کر دیا تھا۔ لیکن یروشلم سے باہر ہمیں کوئی گورنر کے آدمی ہمارا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آپ میرے نانا کو نہیں جانتے۔ ورنہ آپ کو

ہمارے متعلق اس قدر پریشانی نہ ہوتی آپ دیکھیں گے کہ جب یروشلم کے حاکم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس سے خفا ہیں تو وہ کانپتا ہوا میرے نانا کے پاس آئے گا اور ان کے پاؤں پر گر کر یہ کہے گا کہ میں بے قصور ہوں، میں تو آپ کی بیٹی اور نواسی کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم اپنے ایرانی نوکروں کو اپنے ساتھ یروشلم لے آئے تھے۔ اور عوام کسی دشمن کی افواہوں سے ان کے خلاف مشتعل ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے کی کوشش نہ کریں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

لڑکی کی ماں نے کہا۔ "فسطینہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہماری عزت اور ہماری جانیں خطرے میں ہیں۔ ہمارا ایک نوکر اب بھی انڈرونیکس کی قید میں ہے۔ اور اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔"

لڑکی نے ماں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے تھکی ہوئی نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ "اگر وہ ہمیں پکڑ کر لے جائیں تو آپ دمشق پہنچنے کی کوشش کریں۔ ہمارا مکان شہر کے مشرقی دروازے کے بالکل قریب ہے اور میرے نانا کا نام مختیوڈوسیس ہے۔ جب آپ انہیں یہ بتائیں گے کہ آپ کی فسطینہ گرفتار ہونے سے پہلے بارش کے طوفان میں یروشلم سے نکلی تھی اور پھر اُس نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یروشلم کے گورنر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور آپ میرے باپ کے متعلق بھی نہیں جانتے۔ اماں جان آپ انہیں بتائیے کہ میرا باپ کون ہے۔ پھر انہیں یقین آجائے گا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور ہم دمشق تک اطمینان سے سفر کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کی ماں اور عاصم اضطراب و پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں فسطینہ آنکھیں بند کئے گہری نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔

عاصم نے کہا۔ "آپ بھی تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔"

فسطینہ کی ماں نے زمین پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد اپنی بیٹی کی طرح وہ بھی گہری نیند سو رہی تھی۔

عاصم دیر تک فسطینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کا حسین چہرہ اُسے بیک وقت معصوم، شوخ اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ اُسے گزشتہ چند گھنٹوں کے تمام واقعات ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ خواب جس قدر دلچسپ اور دلفریب تھا اُسی قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر رات کے وقت یروشلم کے دروازے بند نہ ہوتے اور مجھے بارش سے پناہ لینے کے لئے قرمس کی سرائے کا رخ نہ کرنا پڑتا تو ان سے میری ملاقات بھی نہ ہوتی۔ میں دنیا سے تمام رشتے توڑ کر سکون

کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے اپنے سفر میں کسی کی رفاقت کی تمنا نہ تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قدرت نے تین مصیبت زدہ افراد کو مختلف سمتوں سے دھکیل کر ایک راستے پر ڈال دیا ہے؟ کیا قدرت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت فسطینہ کی بجائے سمیرا میرے پاس ہوتی ——— اُس سے میری پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھے۔ اور میں نے ان غیر متوقع حالات کو قدرت کا معجزہ سمجھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ سمیرا کی رفاقت کے بغیر میرے ذہن میں اپنے مستقبل کا کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ منات جس کی مورتی کے سامنے میں نے منتیں مانی تھیں صرف یہ چاہتا تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹک کر سمیرا کے گھر پہنچ جاؤں۔ اُس نے میرے کو بے بسی کے عالم میں میرے راستے میں ڈال دیا تھا۔ اُسی نے میرے دل میں عدی کے خاندان کے لئے دوستی اور محبت کے جذبات بیدار کر دیئے تھے اور مجھے اس بات کا قطعاً احساس نہ تھا کہ میں اپنے قبیلے سے بدعہدی کر رہا ہوں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے اُن پر موت کے دروازے کھول دیئے ہیں، میں جسے نیکی سمجھتا تھا وہ میری زندگی کا سب سے بڑا جرم بن جائے گی۔ اور میں جن پھولوں کو ہاتھ لگاؤں گا وہ خاکستر بن کر رہ جائیں گے۔

عاصم نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دل میں کہا۔ "قدرت کی بے رحم قوتو! اب تم مجھ سے مذاق نہیں کر سکتیں۔ اب میں نئے سپنے نہیں دیکھوں گا۔ اب مجھے کسی خواب کی تعبیر پریشان نہیں کرے گی۔ اب پھولوں کی جستجو مجھے انگاروں میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ نہیں کرے گی۔ تم میرے خالی ہاتھوں سے کچھ نہیں چھین سکو گے۔ دمشق پہنچنے کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ وہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے۔" پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ فسطینہ کی طرف دیکھ رہا تھا تو اُس کے دل میں اس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے۔ "کیا دمشق سے آگے اپنی زندگی کے ویران راستوں پر قدم رکھتے ہوئے مجھے کسی ہم سفر کی احتیاج محسوس نہیں ہوگی؟ کیا مجھے اس عارضی رفاقت کا تصور پریشان نہیں کرے گا؟"

عاصم کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ جتنا فسطینہ کی طرف دیکھتا اتنی ہی شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا کہ مستقبل کے تاریک خلا میں یہ تابناک چہرہ مدتوں اُس کا تعاقب کرتا رہے گا۔ تاہم اُسے یہ اطمینان تھا کہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو یہ مغرور لڑکی ایک غریب الدیار عرب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتی اور جب وہ دمشق پہنچ جائیں گے تو

ان کے راستے خود بخود ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اچانک اُسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور کہا۔ "جب آپ سڑک سے اتر کر اس طرف آ رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ میں سمجھا شاید آپ آگے کسی گاؤں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن ابھی میں اپنے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا تو آپ یہاں بیٹھے دکھائی دیئے۔ اگر آپ سڑک سے اُتر کر اس طرف نہ آتے تو تھوڑی دور آگے آپ ایک سرائے میں قیام کر سکتے تھے۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لے چلیں، میں بستی کے باہر اُس باغ کے پیچھے رہتا ہوں"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ کا شکریہ! لیکن اب ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے"

"تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اگر آپ ان کے لئے اناج اور چارا مہیا کر سکیں تو بڑی نوازش ہو گی"

"آپ بہت نیک دل معلوم ہوتے ہیں ورنہ رومیوں کے گھوڑے اگر بھوکے ہوں تو وہ انہیں ہماری فصلوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ابھی چارے کا انتظام کر دیتا ہوں"۔ بوڑھا یہ کہہ کر واپس چل دیا۔

○

کچھ دیر بعد گھوڑے چارا کھا رہے تھے اور بوڑھا کسان اور اُس کا ایک نوجوان بیٹا عاصم کے پاس بیٹھے تھے۔

کسان نے کہا۔ "جناب! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"

"کہیئے!"

"میرا بڑا بیٹا فوج میں ملازم ہے۔ پچھلے مہینے اُس نے مجھے غزہ سے اطلاع دی تھی کہ ہمارے دستے دمشق جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد سے اُس کا کوئی خط یا پیام نہیں آیا۔ اگر آپ اُسے گھر آنے کے لئے کچھ دن کی رخصت دلوا سکیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ میری بیوی بیمار ہے اور اُسے بہت یاد کرتی ہے۔ اُسے رخصت مل سکے تو بھی ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ خیریت سے ہے"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں اُسے دمشق میں تلاش کروں گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں

سپاہی کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اُس کی خیریت کی اطلاع مل جائے"

"آپ بہت نیک دل ہیں۔ ورنہ رومی افسر کسی شامی سے ہمکلام ہونا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں آج چند رومی ہمارے گاؤں سے گزرے تھے اور میں نے یہی التجا اُن کے افسر سے کی تھی۔ لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے مجھے چابک رسید کر دیا۔ اگر گاؤں کا ایک آدمی مجھے دھکا دے کر ایک طرف نہ ہٹاتا تو اُس نے مجھے اپنی رتھ کے نیچے کچل ہی دیا ہوتا"

عاصم نے کہا۔ "وہ کوئی بد دماغ آدمی ہو گا"

نوجوان نے کہا۔ "جناب! اگر میں وہاں ہوتا تو یہ ضرور پوچھتا کہ اگر تم انطاکیہ اور حمص سے شکستیں کھا کر بھاگے ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے"

بوڑھے نے خوفزدہ ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "جناب! یہ لڑکا بہت بیوقوف ہے آپ اس کی بات کا کوئی خیال نہ کریں"

عاصم نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ ایک غیرت مند بیٹا اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نوجوان اُس رومی افسر کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیتا تو بھی میں اسے حق بجانب سمجھتا"

بوڑھے کسان کا خوف اب پریشانی اور حیرت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ "جناب! ہم لوگ تصور میں بھی ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ جیسے نیک دل انسان کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے"

عاصم نے کہا۔ "مجھے آپ کی وفاداری پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس بات پر نادم ہوں کہ رومی فوج کا ایک افسر آپ سے اس قدر بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ میں دمشق پہنچتے ہی آپ کے بیٹے کا پتا چلاؤں گا، اُس کا نام کیا ہے؟"

"اُس کا نام یوسف ہے اور اُس کے خدوخال میرے اِس چھوٹے لڑکے سے اِس قدر مشابہت رکھتے ہیں کہ آپ اُسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے"

عاصم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ دمشق کے حالات مجھے کتنی دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔ تاہم مجھے موقع ملا تو میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا"

"جناب! آپ کے خیال میں دمشق کے حالات بہت زیادہ مخدوش تو نہیں ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "دمشق کو خطرہ ضرور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایرانی اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے۔"

"جناب مجھے بھی یقین ہے کہ فوکاس جیسے ظالم حکمران سے نجات حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے حالات بدل چکے ہیں اور ہمارا انیا شہنشاہ میدان میں آتے ہی ایرانیوں کا منہ پھیر دے گا۔"

عاصم کو روم اور ایران کی جنگوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے اس بات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کہ فوکاس کس قدر ظالم تھا اور نئے قیصر کے عزائم کیا ہیں، وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ سادہ دل کسان اُس کو ایک رومی افسر سمجھ رہا ہے اور وہ اُسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میرا ظاہری لباس تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔ تاہم یہ تصنع اُس کے بدوی مزاج کے خلاف تھا اور ندامت کے احساس سے اُس کی گردن جھکی جا رہی تھی۔

بوڑھے کو اس بات کی خوشی تھی کہ رومی فوج کا ایک بڑا عہدہ دار اُس سے ہمکلام ہے۔ وہ مشرق و مغرب کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا اور عاصم اپنے دل پر جبر کر کے اُس کے ہر الٹے سیدھے سوال کا جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تو اُس نے فسطینہ کی ماں کا بازو ہلا کر اُسے جگایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پریشانی کی حالت میں بوڑھے کسان اور اُس کے بیٹے کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "آپ خاصی دیر سو چکی ہیں، اب ہمیں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے گھوڑے بھی تازہ دم ہو چکے ہیں۔ یہ شریف آدمی اُن کے لئے چارا لے آیا تھا۔"

ماں نے کسی توقف کے بغیر فسطینہ کو جگا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

بوڑھے کسان نے کہا۔ "جناب! اب تو شام ہونے والی ہے اگر آپ آج رات میرے ہاں ٹھہر سکتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"نہیں! ہمارے لئے بلا تاخیر دمشق پہنچنا ضروری ہے۔ اگر میں دوبارہ اس راستے سے گزرا تو آپ کے پاس ضرور ٹھہروں گا۔ ہاں! دیکھیے، اگر گاؤں کے باہر سے کوئی راستہ سڑک سے ملتا ہے تو ہمیں اُس پر ڈال دیجئے۔ اس وقت مجھے گاؤں میں سے گزرنا پسند نہیں۔ میں راستے میں جتنے آدمیوں سے ملا ہوں وہ مجھ سے عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔ اور مجھے ان کی باتوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔"

"ہاں جناب! ان دنوں ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث چاروں طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے اور عام لوگ یہی خیال کرتے

ہیں کہ ملک کے حالات رومیوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ لیکن آپ کو گاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ندی کے اسی کنارے چلتے رہیں تو تھوڑی دور آگے جا کر آپ کو ایک پگڈنڈی ملے گی جو گاؤں سے باہر دمشق کی سڑک سے جا ملتی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے لڑکے کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں! اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے سونے کا ایک سکہ بوڑھے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو! یہ تمہارا انعام ہے۔"

کسان زمین سے سکہ اٹھانے کی بجائے سراپا احتجاج بن کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا ——————

عاصم گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اُس نے زمین پر پڑا ہوا سکہ اٹھا کر اُس کے بیٹے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "لیجئے یہ صرف انعام ہے۔"

لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اُس کا اشارہ پا کر عاصم کے ہاتھ سے سکہ لے لیا۔ عاصم دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر عاصم مڑا اور فسطینہ کی ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ کسان غریب ضرور تھا لیکن بھکاری نہیں تھا، آپ کو اُس کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

عورت نے ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے تلخ ہو کر کہا۔ "اگر ہم اُسے کچھ نہ دیتے تو وہ ہمیں بھکاری سمجھتا۔ میں نے یہ بات آج تک نہیں سنی کہ سونا دیکھ کر کسی شامی کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ آپ کو اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھوڑے سے اُترنے کی ضرورت نہ تھی۔"

اس مغرور خاتون کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ مجھے صرف یروشلم کے رومی حاکم کا خوف ہے۔ لیکن میں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہوں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی میری نگاہ میں ایک شامی کسان کا درجہ نیچا نہیں کر سکتی۔

عاصم نے اضطراب کی حالت میں اُس کی طرف دیکھا لیکن اِس مسئلہ پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور وہ کسان جو ابھی تک ٹیلے پر کھڑا تھا اپنے بیٹے سے یہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ عورت کسی امیر اور با اثر رومی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ اُس نوجوان کی ماں نہیں ہو سکتی۔ آج گاؤں کا کوئی آدمی نہیں مانے گا کہ ایک رومی نے مجھ سے ایک دوست کی طرح باتیں کی ہیں۔ لیکن تم یہ دیکھ چکے ہو کہ وہ میرے ساتھ کس قدر ادب سے پیش آتا تھا۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ میں تمہارے گھر ٹھہرا کروں گا۔ ایسا شریف آدمی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دمشق

پہنچتے ہی تمہارے بھائی کو تلاش کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے بھائی کو اس کی مدد سے فوج میں ترقی مل جائے۔"

نوجوان نے کہا۔"لیکن مجھے تو اُس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رومی نہیں ؟"

"تم بیوقوف ہو اگر وہ ایک چرواہے کے لباس میں ہوتا تو بھی مجھے اُس کے رومی ہونے میں شک نہ ہوتا۔ تم نے ایک نہایت احمقانہ بات کی تھی اگر وہ عالی نسب نہ ہوتا تو ہماری شامت آجاتی۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ اُسے ہمارے گاؤں سے گزرنا کیوں پسند نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔"

بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔"ارے پاگل! گاؤں میں وہ اس لئے داخل نہیں ہوا کہ وہاں تم جیسے بے وقوفوں کی کمی نہیں۔ اور وہ ہر مسافر کا راستہ روک کر عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔"

○

غروب آفتاب تک عاصم اور اُس کے ساتھی چند کوس اور سفر کر چکے تھے۔ شام کے وقت سڑک کے قریب انہیں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی۔ عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔"ہمارے لئے سڑک کے قریب بستی میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے گھوڑوں کو پانی پلاتے ہی روانہ ہو جائیں گے اور کچھ دور آگے کسی موزوں جگہ قیام کریں گے۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آدھی رات تک سفر کر سکتے ہیں۔"

وہ سڑک سے اتر کر بستی کے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ وہاں چند دیہاتی پانی بھر رہے تھے انہوں نے ان مسافروں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ عاصم نے احتیاطاً اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو بستی کے ایک معمر آدمی نے انہیں رات کے وقت اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کا شکریہ! لیکن ہم اگلی بستی میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک نوجوان نے معمر آدمی سے کہا۔"تم عجیب آدمی ہو۔ اگر وہ تمہاری دعوت قبول کر لیتے تو ہمارے پاس انہیں ٹھہرانے کے لئے کون سی جگہ تھی ؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔"بھئی! مجھے معلوم تھا کہ ایک رومی افسر یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ اور اسی لئے میں نے

سے دعوت دی تھی۔"

ایک اور آدمی نے کہا۔"میں نے آج تک کسی رومی افسر کو رات کے وقت ایک مسلح دستے کے بغیر سفر کرتے نہیں دیکھا۔ اور اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اگلی بستی یہاں سے ایک منزل دُور ہے۔"

بوڑھے نے کہا۔"بھئی ایسے گھوڑوں پر چند میل چلنا کون سا مشکل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیچھے اُن کے ساتھی آرہے ہوں۔"

عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے دوبارہ سڑک پر پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد یہ سڑک ایک ایسے وسیع میدان سے گزر رہی تھی جہاں انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے آسمان صاف تھا اور فضا میں دسویں رات کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی ـــــ سڑک کے دونوں کناروں پر ریت کے ٹیلوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کچھ دیر سرپٹ دوڑنے کے بعد اُن کے تھکے ہوئے گھوڑے معمولی رفتار سے چل رہے تھے۔ اچانک عاصم نے اپنی گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں نے بھی پریشان ہو کر اپنے گھوڑے روک لئے۔

فسطینہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔"کیوں کیا بات ہے ؟"

عاصم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُسے اپنا سوال دہرانے کی جرأت نہ ہوئی۔ چند ثانیے یہ تینوں دم بخود کھڑے رہے۔ پھر عاصم نے کہا۔"کوئی آرہا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ تاہم ہمیں راستے سے ایک طرف ہٹ کر اُن کے گزر جانے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ آیئے!" عاصم نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑ کر ایڑ لگا دی اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کی آڑ میں کھڑے تھے۔ اور فسطینہ سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ گورنر کے آدمی ہیں۔ آپ وعدہ کریں کہ اگر وہ ہمیں گرفتار کر کے یروشلم لے گئے تو آپ اُن سے بچ کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گے اور میرے نانا کو خبردار کر دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"وہ اس وقت ہمیں سڑک سے نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر وہ اس طرف آبھی جائیں تو بھی آپ کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ چار سوار آپ کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔"

فسطینہ نے کہا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ صرف چار ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا "میرے لئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سننے کے بعد اُن کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں ایک عرب ہوں ـــــ لیکن آپ اطمینان رکھیئے، وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ اگر پچھلی بستی کے لوگوں نے اُن کی رہنمائی کی ہے تو وہ اگلی بستی میں داخل ہونے سے پہلے کسی جگہ نہیں رُکیں گے۔"

عاصم کے یہ الفاظ فسطینہ اور اُس کی ماں کی تسلی کے لئے کافی نہ تھے۔ وہ دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب سنائی دینے لگی اور عاصم نے فسطینہ سے مخاطب ہو کر کہا "میرا خیال غلط نہ تھا وہ صرف چار ہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا "اب ہمارے لئے سڑک پر سفر کرنا خطرناک ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا "اب ہمیں سڑک پر جانے کی ضرورت نہیں۔ آئیے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں، لیکن ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد فسطینہ کی ماں نے کہا "آپ کس طرف جا رہے ہیں؟"

"دمشق کی طرف"، اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اِس صحرا میں راستہ نہیں بھول جائیں گے؟"

"آپ گھبرائیں نہیں میں ستاروں سے اپنا راستہ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن اب ہم زیادہ دیر سفر نہیں کریں گے میں قیام کے لئے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا ہوں ـــــ آج کی رات آپ کو آسمان کی چھت کے نیچے سونا پڑے گا۔"

وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کچھ دیر اور عاصم کے پیچھے چلتی رہیں۔ بالآخر عاصم نے ریت کے چند بلند ٹیلوں کے درمیان رکتے ہوئے کہا "میرے خیال میں یہ جگہ موزوں ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ عاصم نے گھوڑوں کو جھاڑیوں سے باندھ دیا۔ پھر اُس نے اِدھر اُدھر سے کچھ سوکھی لکڑیاں اور گھاس کے تنکے جمع کئے اور اپنی خرجین سے چقماق نکال کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فسطینہ اور اس کی ماں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اُس کی کارگزاری دیکھ رہی تھیں۔ جب آگ سلگنے لگی تو فسطینہ کی ماں نے کہا "یہاں آگ جلانا خطرناک تو نہ ہوگا؟"

"نہیں" اُس نے اطمینان سے جواب دیا "ہم سڑک سے خاصی دور ہیں، اور اس سردی میں آگ کے بغیر رات گزارنا بہت مشکل ہوگا۔ آپ الاؤ کے قریب آجائیں۔"

وہ اٹھ کر آگ کے قریب بیٹھ گئیں اور فسطینہ نے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "میرا جسم سُن ہو رہا ہے اور میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ اس بیابان میں اچانک ہمیں کوئی خانقاہ دکھائی دے گی اور جب ہم اُس کے دروازے پر دستک دیں گے تو کوئی نیک دل راہب باہر نکل کر ہمارا خیر مقدم کرے گا۔ اور ہمیں یہ مژدہ سنائے گا کہ تمہارے لئے اندر ایک کشادہ کمرے میں آگ جل رہی ہے۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔"

عاصم نے خرجین سے ایک اونی چادر نکال کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا "آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ میں کچھ اور ایندھن جمع کر لوں۔"

جب عاصم اپنی تلوار سے ایک جھاڑی کاٹ رہا تھا تو فسطینہ اٹھی اور کٹی ہوئی شاخیں اٹھا اٹھا کر الاؤ کے قریب ڈھیر کرنے لگی۔

عاصم نے کہا "آپ تکلیف نہ کریں، یہ جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔"

فسطینہ نے جواب دیا "اس سفر کے بعد مجھے یہ کانٹے تکلیف نہیں دے سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ الاؤ کے گرد بیٹھے دوپہر کا بچا ہوا کھانا کھا رہے تھے۔ گذشتہ کئی گھنٹے کی بے آرامی کے باعث عاصم پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا، لیکن فسطینہ اور اُس کی ماں کے لئے ایک ویرانے میں رات بسر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور وہ نیند یا تھکاوٹ کی بجائے خوف محسوس کر رہی تھیں۔ ماں اپنی آنکھوں کے اشاروں سے اپنی بیٹی کو یہ سمجھا رہی تھی کہ ہم ایک خطرے سے بچنے کے لئے دوسرا خطرہ مول لے چکے ہیں۔ یہ نوجوان بہرحال ایک اجنبی ہے اور اگر اُس نے ہماری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو ہم اِس ویرانے میں کیا کر سکیں گے۔ لیکن جب وہ عاصم کی طرف دیکھتیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے دِل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔

چانک فسطینہ کی ماں نے کہا "میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"میرا نام عاصم ہے" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی "یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آپ سرائے میں موجود تھے اور ہمیں دمشق پہنچانے

کا خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے ۔"

عاصم نے جواب دیا "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں دمشق جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ آپ بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں ۔"

"میں کبھی اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی ۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں نے اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی ۔"

فسطینہ نے پوچھا۔ "اگر وہ سوار ہم پر حملہ کر دیتے تو آپ کیا کرتے ؟"

عاصم مسکرایا۔ "مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرے ترکش کے چند تیر یقیناً کم ہو جاتے ۔"

"اور اگر وہ زیادہ ہوتے تو ؟"

"تو مجھے زیادہ تیر ضائع کرنے پڑتے ۔ کم از کم میں آپ کو گرفتار ہوتے دیکھنا پسند نہ کرتا ـــــ معاف کیجئے آپ کا یہ مشورہ میرے لئے ناقابل قبول تھا کہ اگر وہ حملہ کر دیں تو مجھے لڑنے کی بجائے دمشق پہنچ کر آپ کے گھر اطلاع دینی چاہیئے ـــــ جب میں اپنے وطن سے نکل کر شام کا رُخ کر رہا تھا تو میں نے اپنی تلوار اتار کر پھینک دی تھی اور اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اب میں کسی لڑائی میں حصہ نہیں لوں گا۔ لیکن آپ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد جب میں نے سرائے کے مالک سے یہ تلوار حاصل کی تھی تو مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر آپ کو راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکوں گا ۔"

فسطینہ نے کہا۔ "آپ ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا قبول کر لیتے ؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ کو میرے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی ہے ؟"

فسطینہ کی ماں نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور اُسے اپنے شبہات پر ندامت محسوس ہونے لگی۔ "آپ نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کس مصیبت میں مبتلا ہیں ۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان کا چہرہ پہچان سکتا ہوں تاہم اگر آپ مجھے اپنے حالات بتا سکیں تو میری بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ لیکن گر کوئی ایسی بات ہے جسے ظاہر کرنا آپ مناسب خیال نہیں کرتیں تو میں اصرار نہیں کروں گا ۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "اگر اب بھی میں آپ پر اعتماد نہ کروں تو یہ احسان فراموشی ہوگی! سُنیئے :

میرا نام یوسیبیا ہے۔ اور فسطینہ میری بیٹی ہے۔ میں ایک یونانی خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا دادا فوج میں بھرتی ہو کر قسطنطنیہ سے دمشق آگیا تھا۔ اپنی ذہانت اور کارگزاری کی بدولت وہ دمشق کی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن گیا اور ایک شامی خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں آباد ہو گیا۔

جب میں پندرہ برس کی تھی تو میرے والد تھیوڈوسیس ایران کی سرحد کے قریب ایک قلعے کے محافظ تھے میری ماں فوت ہو چکی تھی اور وہ مجھے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اپنے باقی خاندان کے متعلق مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میری پیدائش سے قبل جب ایرانیوں نے حملہ کیا تھا تو میرے والد کے دو بھائی انطاکیہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے اور میرے دادا اور دادی اس حادثہ سے دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔

ایک لڑکی کے لئے سرحد کا یہ دور افتادہ قلعہ قطعاً موزوں نہ تھا۔ لیکن اب میرے والد کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں ہمیشہ اُن کے پاس رہوں۔ وہ فرصت کے لمحات میں مجھے سواری اور تیر اندازی سکھایا کرتے اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مجھے تنہائی کا احساس نہ ہو۔ مجھے اپنے والد کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی چار مہینے گزرے تھے کہ ایران سے انقلاب کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک رات پچھلے پہر میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میرے والد نے مجھے جگایا اور کہا۔ "بیٹی اگر تم ایران کے شہنشاہ کو دیکھنا چاہتی ہو تو اپنا لباس تبدیل کر کے باہر آجاؤ ۔"

میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی، لیکن چند سوال کرنے کے بعد مجھے معلوم ہُوا کہ ایران کی سلطنت پر وہاں کے سپہ سالار بہرام نے قبضہ کر لیا ہے اور خسرو پرویز مدائن سے فرار ہو کر یہاں پہنچنے والا ہے۔ میرے والد ایران میں خانہ جنگی کی خبریں سُن کر بہت خوش ہُوا کرتے تھے، لیکن خسرو پرویز کو اس قلعے میں پناہ دینے کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ قیصر کے دربار سے اُس کے لئے دوستی کا پیغام آئے گا یا وہ اُس کی گردن اڑا دینے کا حکم بھیجیں گے۔ بہر حال وہ ایک شہنشاہ تھا اور میرے والد ایرانیوں سے انتہائی نفرت کے باوجود اُس کا استقبال کرنے کے لئے مجبور تھے۔

مجھے ایرانیوں کے تصور سے خوف آتا تھا لیکن ایک شہنشاہ کو دیکھنے کی خواہش میرے خوف پر غالب آگئی، میں اپنا بہترین لباس پہن کر باہر نکلی تو صبح ہو رہی تھی اور قلعے کے دروازے پر تمام افسر اور سپاہی قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ یہاں اُس نوجوان سے میری پہلی ملاقات ہوئی جو میرا رفیق حیات بننے والا تھا۔ وہ بیش قیمت

لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کا چہرہ اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اُس کی تلوار کے دستے میں بیش قیمت جواہرات چمک رہے تھے ــــــ وہ میرے باپ سے باتیں کر رہا تھا اور دو ایرانی جو اُس کے نوکر معلوم ہوتے تھے، ادب سے اُس کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں کچھ دیر تذبذب کی حالت میں چند قدم دُور کھڑی رہی۔ بالآخر میرے باپ نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور میں جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ایران کا شہنشاہ یہی ہے لیکن جب میں نے اُسے جھک کر سلام کیا تو میرے والد اور فوج کے دوسرے افسر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

یہ نوجوان ایران کا شہنشاہ نہ تھا بلکہ اُس کا ایک وفادار ساتھی تھا۔ جس نے رات کے وقت میرے والد کو پرویز کی آمد کی اطلاع دی تھی۔"

یوسیبیا اس ملاقات کی ایک ایک تفصیل بیان کرنا چاہتی تھی لیکن فسطینہ نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔"اماں! آپ ہر ایک کے سامنے یہ قصہ لے بیٹھتی ہیں۔ بھلا ان کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ انہیں آرام کرنے دیجئے۔"

یوسیبیا نے غصے کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔"میں آپ کو سارے واقعات سنا کر پریشان نہیں کروں گی۔ اس نوجوان کا نام سین تھا اور اُس سے میری دلچسپی کی پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی بے تکلفی سے ہماری زبان میں گفتگو کر سکتا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی ماں، اُن ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک تھی جنہیں نوشیرواں کی فتوحات کے زمانے میں ایرانی آرمینیا اور شام کے شہروں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

خسرو پرویز اور اُس کے ساتھیوں نے ہمارے قلعے میں صرف ایک روز قیام کیا اور اگلے دن، چند کوس دور، ایک شہر کے حاکم کے پاس چلے گئے۔ اور قسطنطنیہ سے قیصر کا پیغام آنے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصہ میں سین ایک مرتبہ سیر و شکار کے بہانے ہمارے پاس آیا اور تین دن اِس قلعے میں مہمان رہا۔ اُس کے دورانِ قیام میں، میں یہ محسوس کرنے لگی کہ ایرانیوں سے میری نفرت بتدریج کم ہو رہی ہے۔ وہ آتش پرست تھا لیکن اُس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عیسائیوں سے نفرت نہیں کرتا۔ میرے والد کسی ایرانی کو اپنا دوست سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سین ایران کے شہنشاہ کا خاص آدمی تھا، اس لئے وہ اس کی خاطر مدارت کرنے پر مجبور تھے۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ شہنشاہ موریس ایران سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا یہ زریں مو

پسند نہیں کریں گے اور خسرو پرویز کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دی جائے گی۔ سین بار بار ہمیں اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اگر پرویز رومیوں کی مدد سے اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایران اور روم کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور اِس کے برعکس اگر ایران میں بہرام کے قدم جم گئے تو وہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے روم پر چڑھائی کر دے گا۔ سین کے قیام کے آخری دن، میں شام کے قریب گھوڑے پر سیر کر کے واپس آ رہی تھی کہ وہ قلعے سے کچھ دُور ٹہلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں بادلِ ناخواستہ رک گئی۔ اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔"میں کل صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اور پھر شاید مدت تک آپ کو نہ دیکھ سکوں۔ چند دن تک قیصر کا حکم پہنچ جائے گا اگر انہوں نے ہماری مدد کی تو ہم مدائن پر حملہ کر دیں گے۔"

میں نے گھبرا کر کہا۔"چلئے، میرا یہاں آپ سے باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

اُس نے کہا۔"آپ کو مجھ سے خوف آتا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔"نہیں۔ اگر آپ ایران کے بادشاہ ہوتے تو بھی مجھے آپ سے خوف نہ آتا۔"

اُس نے کہا۔"اگر میں ایران کا بادشاہ ہوتا تو اپنا تاج اتار کر تمہارے قدموں میں ڈال دیتا۔"

میں کچھ دیر سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اچانک اُس کے ہاتھ سے باگ چھین ں اور گھوڑے کو چابک رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری رگوں کا سارا خون سمٹ کر میرے چہرے میں آ گیا ہے۔ رات کے وقت جب والد نے مجھے دستر خوان پر بلایا تو میں سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے بستر پر لیٹ رہی ــــــ سین اگلے دن چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد جب روم کے لشکر نے پرویز کی مدد کے لئے مدائن کی طرف بڑھا تو میرے والد کو بھی اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ میرا تنہا قلعے میں رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے مجھے والد کے ایک دوست کے گھر پہنچا دیا گیا، جو پڑوس کے شہر کا حاکم بھی تھا۔ قلعے میں میرے والد کا قائم مقام انڈرونیکس تھا۔ یہ آدمی کسی صورت اس منصب کا اہل نہ تھا لیکن وہ قسطنطنیہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس کے گورنر نے اُس کی سفارش کی تھی۔ ان دنوں یہی انڈرونیکس یروشلم کا حاکم ہے۔ اور مجھ سے اُس کی

دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب میرے والد کی غیر موجودگی کے دنوں میں وہ میرے پاس شادی کا پیغام لے کر آیا تھا تو میں نے اُس کے منہ پر چپت رسید کر دی تھی۔

بہرام کو شکست دینے اور خسرو پرویز کو تخت پر بٹھانے کے بعد جب میرے والد واپس آئے تو میں بھی شہر سے قلعے میں آگئی۔ رات کے وقت میں اُن کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور وہ مجھے مدائن کے حالات بتا رہے تھے۔ اچانک میں نے سین کے متعلق پوچھا اور وہ میری طرف غور سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا "بیٹی سین چند دن تک یہاں آرہا ہے"۔ "وہ یہاں کیوں آرہا ہے"؟ میں نے پریشان ہو کر سوال کیا

وہ بولے تمہیں معلوم نہیں؟"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ آخری ملاقات کے بعد مجھے سین کے الفاظ اکثر یاد آیا کرتے تھے، پھر بھی میں یہ اطمینان محسوس کرتی تھی کہ وہ دوبارہ مجھے پریشان نہیں کرے گا۔ لیکن اب وہ پھر آرہا تھا اور میں خوشی سے زیادہ خوف محسوس کر رہی تھی۔ تاہم میں نے کہا "اباجان کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں؟"

انہوں نے کہا "بیٹی سین نے تم سے شادی کا پیام دیا ہے اور ہماری فوج کے سپہ سالار نے اس کی سفارش کی ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ خسرو پرویز نے ذاتی طور پر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اِس مسئلہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں۔ ہماری فوج کے دوسرے افسر بھی مجھے یہ سمجھاتے تھے کہ یہ شادی ایران اور روم کے تعلقات کے لئے ایک اچھا شگون ثابت ہوگی"۔

میں اضطراب کی حالت میں کھڑی ہوگئی لیکن میرے والد نے مجھے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا "بیٹی میرے لئے اُن سب کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہوگا، اگر یہ معاملہ شہنشاہ موریس کے پاس پہنچا تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی پرویز کی حمایت کریں گے۔ سین ایران کے شہنشاہ کو بہت عزیز ہے۔ لیکن اگر تمہاری مرضی نہ ہو تو تمہیں اُس سے شادی کرنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں وہاں یہ کہہ آیا ہوں کہ اگر میری بیٹی رضامند ہوئی تو میں مخالفت نہیں کروں گا۔ اب اگر تم اِس شادی سے بچنا چاہتی ہو تو تمہیں سین کے سامنے انکار کرنا پڑے گا۔ میں اُس سے یہ وعدہ کر آیا ہوں کہ اُسے براہ راست تم سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اور اُس نے یہ بات مان لی ہے کہ اگر تم انکار کر دو تو وہ ہمیں دوبارہ پریشان نہیں کرے گا۔ وہ شاید اسی مہینے یہاں پہنچ جائے، اور تمہیں اقرار یا انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح

سوچ لینا چاہیئے کہ تم اپنے فیصلے پر کہاں تک قائم رہ سکو گی"۔

اگلے روز میرے والد نے مجھ سے پوچھا "یوسیبیا انڈرونیکس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے بھی آج تمہارے رشتے کی درخواست کی ہے۔ میں نے فی الحال اُسے ٹال دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں پسند آجائے تو ہمارے لئے سین کو جواب دینا آسان ہو جائے گا"۔

میں نے غصے کی حالت میں انہیں یہ بتا دیا کہ انڈرونیکس نے مجھے آپ کی غیر حاضری میں ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میں اُسے مناسب جواب دے چکی ہوں۔ اب اُسے آپ کے سامنے منہ کھولنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ میں اُسے انتہائی قابل نفرت انسان سمجھتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر وہ انطاکیہ کے گورنر کا رشتہ دار نہ ہوتا تو آپ اُسے اپنا نوکر رکھنا بھی پسند نہ کرتے۔

میری باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ والد نے اُسی دن انڈرونیکس کو اس کی خدمات سے سبکدوش کر کے انطاکیہ روانہ کر دیا۔

چند دن بعد سین بھی آگیا۔ مدائن کے رومی سفیر کا ایک خاص ایلچی اور چند ایرانی امراء اُس کے ساتھ تھے۔

جب سین نے ان سب کی موجودگی میں مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میری زبان گنگ ہوگئی اور میں جواب دینے کی بجائے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی ——— اُس نے میرا پیچھا کیا اور جب میں اپنے ہاتھوں میں مُنہ چھپا کر سسکیاں لے رہی تھی تو وہ کہہ رہا تھا "یوسیبیا تم مجھ سے اس لئے دُکھی ہو کہ میں آتش پرست ہوں۔ لیکن میں زرتشت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا ——— تمہیں معلوم نہیں کہ خسرو پرویز بھی ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں اتنا ضرور سوچ لینا چاہیئے کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا ———"۔

میرا باپ پریشانی کی حالت میں اُس کے پیچھے دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب آپ کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکی ہے"۔

تیسرے دن ہماری شادی ہوگئی۔

عاصم نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا "آپ کا شوہر زندہ ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "ہاں! لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عاصم نے دوبارہ سوال کیا۔

"اُسے قسطنطنیہ میں قید کرلیا گیا تھا۔ میں آپ کو پوری داستان سناتی ہوں۔ شادی کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ مدائن چلی گئی تھی۔ وہاں زندگی میرے لئے ایک سہانا خواب تھی۔ پرویز شہنشاہ موریس کو اپنا باپ سمجھتا تھا اور میں یہ محسوس کرتی تھی کہ ایران اور روم کے درمیان جنگ کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکے ہیں۔ مدائن میں ہمارے پادری کسی روک ٹوک کے بغیر تبلیغ کرسکتے تھے لیکن چند سال بعد میں یہ محسوس کرنے لگی کہ مجوسی پیشوا ایران میں عیسائیت کے پرچار سے خائف ہیں۔ اور شاہ ایران اپنی ظاہری رواداری کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ قیصر نے اپنی اعانت کے بدلے اُس سے آرمینیا کے علاقے چھین کر بہت بڑی قیمت وصول کی ہے۔ میرا شوہر پرویز کے انتہائی قابلِ اعتماد آدمیوں میں سے تھا اور میرے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ ایران ایک وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ تاہم شہنشاہ موریس کے ساتھ خسرو پرویز کے تعلقات ایسے تھے کہ ہمیں کسی فوری جنگ کا خطرہ نہ تھا۔ لیکن ایک دن اچانک یہ خبر آئی کہ قسطنطنیہ میں بغاوت ہوگئی ہے اور فوکاس نے شہنشاہ موریس کو قتل کرکے سلطنت پر قبضہ کرلیا ہے۔ ایران کے امراء اور مذہبی اکابر نے پرویز کو مشورہ دیا کہ اب روم سے حساب چکانے کا وقت آگیا ہے۔ پرویز خود بھی برسوں سے کسی موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے موریس کے قتل کی اطلاع ملتے ہی یہ اعلان کردیا کہ ہم فوکاس سے موریس کے قتل کا انتقام لیں گے۔ میرا شوہر جنگ کے خلاف تھا، اور اُس نے بھرے دربار میں یہ کہا کہ ہمیں روم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح حالات کی چھان بین کرلینی چاہیئے۔ اگر شہنشاہ مجھے اجازت دیں تو میں قسطنطنیہ جانے کو تیار ہوں، اگر وہاں میری تسلی نہ ہوئی تو ہم روم پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے ـــــ پرویز جنگ پر تلا ہوا تھا، تاہم اُس نے میرے خاوند کی یہ درخواست رد نہ کی۔

میرے والد بڑھاپے میں ملازمت سے سبکدوش ہوکر دمشق اپنے گھر آگئے تھے۔ اور میں نے انہیں کئی سال سے نہیں دیکھا تھا۔ قسطینہ کو بھی اپنے نانا کا گھر دیکھنے کا شوق تھا۔ اِس لئے ہم بھی اُن کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ چند منزلوں تک ہم نے ایک ساتھ سفر کیا۔ پھر ہمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے اور انہوں نے ہمیں اپنے دو وفادار نوکروں اور چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا کہ میں قسطنطنیہ سے

فارغ ہوکر دمشق آؤں گا اور اِس کے بعد ہم اکٹھے مدائن چلے جائیں گے۔ شام کی ایک سرحدی چوکی کے سالار نے ہمیں اپنی حفاظت میں دمشق پہنچانے کا ذمہ لے لیا اور ہم نے ایرانی سپاہی واپس کردیئے، تاہم میرے شوہر کے دو وفادار نوکر ہمارے ساتھ رہے۔ دمشق پہنچ کر ہمیں چند مہینے سین کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ میرے والد نے دمشق کے حاکم کی وساطت سے اُس کا پتا لگانے کی کوشش کی تو ہمیں یہ اطلاع ملی کہ فوکاس نے انہیں موریس کا طرف دار سمجھ کر گرفتار کرلیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اِس خبر سے ہماری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میرے والد نے قسطنطنیہ میں اپنے دوستوں کو پیغام بھیجے۔ انطاکیہ کے گورنر سے مداخلت کے لئے التجائیں کیں لیکن فسطینہ کے باپ کو رہا کروانے کے لئے اُن کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ پھر جب ایران نے چڑھائی کردی تو ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اُن کے لئے فوکاس کی قید سے رہا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ـــــ اب دعائیں ہمارا آخری سہارا تھیں۔ دمشق کے ایک راہب نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر ہم یروشلم جائیں تو وہاں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔ والد بڑھاپے کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ لیکن دمشق سے زائرین کا ایک قافلہ یروشلم جارہا تھا اور ہم اپنے دو ایرانی نوکروں کے ساتھ اِس قافلے میں شامل ہوگئے۔ اباجان نے ہمیں یروشلم کی فوج کے ایک سالار لیطیوس کے نام تعارفی خط دے دیا تھا۔ یہ شخص اباجان کے ایک دوست کا بیٹا تھا۔ اُس نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن میں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے لئے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کردیں۔ اُس نے ہمیں کرائے پر ایک مکان لے دیا، تاہم یہ شرط پیش کی کہ ہم کم از کم دو دن اُس کے پاس ضرور ٹھہریں گے۔ ہم نے لیطیوس سے زیادہ اُس کی نیک دل بیوی کے اصرار پر یہ شرط منظور کرلی۔ دو دن اُن کے ہاں مہمان رہنے کے بعد کرائے کے مکان میں چلے گئے۔ یروشلم میں ہماری مصروفیات مختلف خانقاہوں اور گرجوں میں جاکر دعائیں کرنے تک محدود تھیں۔ اور ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہمیں سین کے متعلق کوئی امید افزا خبر نہیں ملے گی ہم واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے کھلے دل سے تمام گرجوں اور خانقاہوں کو نذرانے پیش کئے۔ دولت کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ میں نے خانقاہوں سے کئی مشہور و معروف راہبوں کی ہڈیاں حاصل کیں اور بعض انتہائی متبرک ہڈیوں کے عوض میں نے اپنے قیمتی زیورات تک لٹا دیئے۔"

"راہبوں کی ہڈیاں!" عاصم نے چونک کر پوچھا "وہ کس کام آتی ہیں؟"

فسطینہ اُسے اِس قدر بدحواس دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی لیکن یوسیبیا نے قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی "ہم خدا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں کو بہت متبرک سمجھتے ہیں اور یروشلم کی خانقاہوں میں بعض راہبوں کی ہڈیاں تو جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مشہور راہب کی تین سو سال پرانی ہڈیوں کو چھونے کی خوشی میں اپنا موتیوں کا ہار اتار کر بشپ کی نذر کر دیا تھا اور انہوں نے مجھے اُس مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا عنائت کیا تھا جس میں یہ بزرگ پانی پیا کرتے تھے۔ لیکن تم یک عرب ہو اور ایرانیوں کی طرح تمہیں بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

عاصم نے اس بحث میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی وہ یوسیبیا کی سرگزشت کا آخری حصہ سننے کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے کہا۔ معاف کیجئے! میں ہڈیوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا، آپ یہ بتایئے کہ اس کے بعد کیا ہوا؟"

یوسیبیا نے کہا "پھر کوئی بیس دن بعد پطیوس اپنی بیوی کے ہمراہ ہمارے پاس آیا اور اُس نے کہا آج فلسطین کے نئے حاکم نے اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے اور کل شام وہ شہر کے رؤسا اور بڑے بڑے عہدہ داروں کو کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے فسطینہ اور آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں لکھوا دیا ہے۔ جب میں نے حاکم سے آپ کے والد کا ذکر کیا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آپ کو دعوت میں ضرور لاؤں۔ مجھے اِس دعوت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن فسطینہ کا دل بہلانے کے لئے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

ہماری بدقسمتی سے یہ نیا گورنر وہی انڈرونیکس تھا، جسے میں نے بے عزت کر کے قلعے سے نکلوایا تھا اور مجھے یہ بات اُس وقت معلوم ہوئی جب میں اُس کے محل میں داخل ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ ہم سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا اور اُس کی بیوی نے بھی ہماری بہت دلجوئی کی۔ لیکن مجھے یہ جاننے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ انڈرونیکس ابھی تک پرانے واقعات نہیں بھولا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں ایک ایرانی کی بیوی ہوں اور میرا شوہر قسطنطنیہ میں قید ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں تھیوڈوسیس کی بیٹی ہوں اور مجھے بلاوجہ پریشان کرنا اُس کے لئے سودمند نہ ہوگا۔ تاہم میں اُس کی طرف سے خوفزدہ تھی۔ چند دن ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا، لیکن جب دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کی اطلاعات آنے لگیں تو مجھے یروشلم میں قیام کرنا خطرناک محسوس ہونے لگا۔ کسی طرح لوگوں کو پتا چل گیا کہ میرا شوہر ایرانی ہے اور ہمارے نوکر بھی ایرانی ہیں اور یہ بات انھیں مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھی۔

ایک روز ہم ایک خانقاہ کی زیارت کر کے واپس آ رہے تھے کہ ہمیں مکان کے دروازے پر لوگوں کا ایک ہجوم دکھائی دیا۔ ہم اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہمارے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ ہمیں مرتد، غدار اور ایرانیوں کے جاسوس کہہ رہے تھے۔ پھر چند آدمی "پکڑو، مارو، ڈالو" کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور ہم بھاگ کر قریب کے ایک مکان میں گھس گئے۔ اندر صرف چند عورتیں اور بچے تھے۔ ایک عورت نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ مشتعل ہجوم دروازے پر حملہ کرنے والا تھا کہ رومی سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے لوگوں کو بھگا دیا اور ہمیں وہاں سے نکال کر اپنے گھر پہنچا دیا۔ گھر سے ہمارے دونوں نوکر غائب تھے۔ میری درخواست پر ایک سپاہی پطیوس کو اطلاع دینے چلا گیا اور باقی ہماری حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔ پطیوس اطلاع ملتے ہی ہمارے گھر پہنچا اور بہ صورت حال معلوم کرتے ہی شہر کے کوتوال کے پاس چلا گیا۔ رات کے وقت وہ واپس آیا تو ہمیں اُس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ جب ہم خانقاہ کی زیارت کو گئے ہوئے تھے تو پولیس کے آدمی ہمارے نوکروں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور اب انہیں یہ بیان دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ایرانیوں کے جاسوس ہیں۔"

میں نے اُسی وقت انڈرونیکس کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن پطیوس نے کہا "اس وقت اُس کے پاس جا کر آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں اُس سے مل آیا ہوں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب تک پولیس اچھی طرح چھان بین نہیں کر لیتی آپ کے نوکروں کو رہا نہیں کیا جا سکتا، تاہم آپ کے متعلق اُس نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ مشتعل لوگوں کو آپ کے مکان سے دور رکھوں۔ آپ تسلی رکھیئے! آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ جب تک آپ کو خطرہ ہے میرے سپاہی آپ کے مکان پر دن رات پہرا دیتے رہیں گے۔"

میں نے کہا "تم نے انڈرونیکس کو یہ نہیں بتایا کہ میرے نوکر عیسائی مذہب قبول کر چکے ہیں۔"

وہ بولا "میں نے کہا تھا لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ اُن کے مذہب کے متعلق تحقیقات کرنے کا معاملہ کلیسا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر کلیسا نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ مرتد ہیں۔ تو میں اِس معاملے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

مجھے اپنے والد کو اطلاع دینے کا خیال آیا لیکن میں یہ محسوس کرتی تھی کہ اس معاملے میں وہ بھی ہماری طرح بے بس ہوں گے۔

چند دن اور گزر گئے۔ اِس عرصہ میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمارے گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہم کو دروازے

سے باہر بھاگنے کی اجازت نہ تھی۔ سپاہی جو ہمارے گھر پر پہرا دیتے تھے ہمیں بازار سے ضرورت کی اشیاء خرید کر لا دیتے تھے۔ ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ گورنر ہمارے خلاف کوئی خطرناک سازش کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا ملال تھا کہ پطیوس نے دوبارہ ہماری خبر تک نہ لی۔ میں نے سپاہیوں کی وساطت سے اپنے باپ کو اس صورت حال سے خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ایک روز کلیسا کے بشپ اور چند پادری ہمارے پاس آئے اور ہم سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان سب کو معلوم تھا کہ میں نے خانقاہوں اور گرجوں میں کس فیاضی کے ساتھ نذرانے پیش کئے ہیں۔ لیکن اُن کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے مذہب ہی پر شک نہیں کرتے، بلکہ ہمیں ایران کا جاسوس بھی سمجھتے ہیں۔

میں غصے سے بے قابو ہو کر خدا معلوم کیا کہہ گئی۔ کہ بشپ نے مجھ پر کلیسا کی توہین کا الزام عائد کر دیا۔ پھر جب میں روتے ہوئے اُن کے پاؤں پر گر پڑی تو انہوں نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ بیٹی کلیسا تمہارے اس جرم سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ تم ایران کے دو جاسوسوں کو اپنے ساتھ لے کر یروشلم آئی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اُن پر کوئی شبہ نہ ہو ـــــ لیکن وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اُن کے مُنہ سے سچی باتیں اگلوانے کے لئے ہمارے پاس مؤثر ذرائع موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے اور مذہب سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دینے کے لئے ایک قربانی دینی پڑے گی۔ ہم تمہیں سزا دینے نہیں آئے ـــــ بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے آئے ہیں ـــــ تم اگر اپنی بیٹی کو راہبہ بننے کی اجازت دے دو تو تمہارے خلاف نوکروں کے بیانات سننے کے بعد بھی کوئی تمہاری معصومیت پر شک نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے نوکر عیسائی ہیں اور وہ ایرانیوں کے جاسوس نہیں۔"

پادری نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ درست ہو لیکن لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم مذہب سے محبت کا عملی ثبوت دو اور تمہاری طرف سے بہترین ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ تم فسطینہ کو ہمارے حوالے کر دو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مقدس باپ! فسطینہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کیجئے۔"

جب بشپ اور دوسرے راہب مجھے سمجھانے کے بعد مایوس ہو گئے تو انہوں نے فسطینہ کو رہبانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ ڈر کر روتی ہوئی مجھ سے چمٹ گئی۔ اور وہ مجھے یہ دھمکی دے کر چلے گئے کہ تم

اپنے دین سے گمراہ ہو چکی ہو۔ ایرانیوں کی پیش قدمی نے تمہارے خلاف یروشلم کے عوام کو بہت مشتعل کر دیا ہے۔ اب اگر انہوں نے تمہارے مکان پر دھاوا بول دیا تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور حکومت بھی شاید تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے کی جرأت نہ کرے۔"

مجھے یہ تمام باتیں ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھیں۔ رات کے وقت اچانک پطیوس ہمارے پاس آیا اور اُس نے اطلاع دی کہ ہم واقعی کسی بڑے خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہمارے ایک نوکر کو خوفناک اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے لیکن اُس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ اور اب دوسرے نوکر کو شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے اور اس سے ہمارے خلاف بیان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اینڈرونیکس کے ایما پر ہو رہا ہے۔ اگر وہ دمشق میں میرے باپ کے اثر و رسوخ سے خائف نہ ہوتا تو نوکروں کی بجائے ہم سے اقبالِ جرم کرانے کی کوشش کی جاتی۔ اینڈرونیکس کا خیال ہے کہ اگر نوکر ہمارے خلاف گواہی دے دے تو اُسے کلیسا سے ہمارے لئے بدترین سزا کی سفارش کرانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ اور پھر میرا باپ بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

میں نے پطیوس کی باتیں سُن کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمارا دوسرا نوکر بھی اپنی جان پر کھیل جائے گا لیکن ہمارے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔"

پطیوس نے جواب دیا۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس اُسے ہلاک کرنے کے بعد کسی دقت کا سامنا کئے بغیر یہ اعلان کر سکتی ہے کہ آپ کے دونوں نوکروں نے جرم کا اقبال کر لیا تھا، اُن کی لاشیں پولیس کی من گھڑت داستانوں کی تردید نہیں کر سکیں گی ـــــ ویسے بھی اب اینڈرونیکس کو آپ کے خلاف کسی اقدام کی ضرورت نہیں۔ اگر ایرانی فوجیں دمشق میں داخل ہو گئیں تو عوام، جنہیں ایک منظم سازش کے تحت آپ کے خلاف مشتعل کیا گیا ہے، یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اینڈرونیکس نے آپ کی حفاظت میرے ذمے کی ہے لیکن اُسے یقین ہے کہ کلیسا کے مذہب اور عوام آپ پر حملہ کریں گے تو میرے سپاہی اُن کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکیں گے۔ اور اُس نے اشارتاً مجھے یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو فوج کو ایک ایرانی کی بیوی کی جان بچانے کے لئے کلیسا اور عوام کا عتاب مول نہیں لینا چاہیئے۔ اور میں نے مصلحتاً اُس سے یہ کہہ دیا تھا کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے سپاہیوں کو عوام کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے اگر اُسے یہ علم ہو گیا کہ میں آپ سے بدظن

رکھتا ہوں۔ تو وہ اِس مکان کی حفاظت کے لئے ایسے پہرے دار مقرر کرنا مناسب سمجھے گا جو خطرے کے وقت آنکھیں بند کرلیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں گزشتہ چند دن آپ کے پاس نہیں آیا۔"

میں نے کہا۔ "لیکن میں اپنے باپ کو بھی ان حالات سے خبردار نہیں کرسکی۔ آپ کے سپاہی بھی وہاں ہمارا پیغام پہنچانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

پطیوس نے جواب دیا۔ "اس میں ایک مصلحت تھی۔ اینڈرونیکس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے آپ کے والد کے متعلق بھی یہ شبہہ ہے کہ وہ درپردہ ایرانیوں کے طرف دار ہیں۔ اور اُس کا اصلی مدعا انہیں پھانسنا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ کے والد ان حالات کی اطلاع ملتے ہی یروشلم پہنچ جائیں گے اور یہاں آکر انہیں بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو آپ کو درپیش ہیں، اس لئے میں نے اینڈرونیکس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر آپ کے والد کو ان حالات کا پتا چل گیا تو وہ آپ کو بچانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کردیں گے (انطاکیہ کے گورنر اور فوج کے بڑے بڑے رومی عہدہ دار اُس کے دوست ہیں، اس لئے جب تک تھیوڈوسیس کی بیٹی کے خلاف ہمارے ہاتھ کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہیں آتا۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہاں سے کوئی خبر اُس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اور یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میری باتوں نے اُس پر اثر کیا اور اُسے میرے متعلق بھی اِس بات کا یقین ہوگیا کہ میں آپ کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے یہ چند دن ضائع نہیں کئے۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کا انتظام کرچکا ہوں۔ میں نے یہاں کے ایک بشپ کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ آپ کو کلیسا کی پناہ میں لے لے۔"

میں نے کہا۔ "بشپ آج صبح چند راہبوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے میری بیٹی کو رہبانیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے انکار کردیا اور وہ مجھے دھمکیاں دے کر چلے گئے۔"

پطیوس نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے۔ میں بشپ سے مل چکا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اِس وقت مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔ اب میری باتیں غور سے سُنیئے۔ میں نے بشپ کو یہ بات سمجھائی تھی کہ آپ ایک دولت مند اور بااثر ایرانی جرنیل کی بیوی ہیں۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران کی فوجیں کہاں پہنچ کر دم لیں گی۔ لیکن اگر آپ سین کی بیوی اور بیٹی کو پناہ دے سکیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کا شکر گزار ہو اور اگر خدانخواستہ یروشلم کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ آپ کے احسان کے بدلے ہمارے گرجوں اور خانقاہوں پر کوئی زیادتی نہ ہونے دے۔ اگر یروشلم کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے تو بھی ایک ایسے

عورت کی جان بچا کر آپ نیک کاموں کے لئے اُس سے خاصی دولت حاصل کرسکیں گے۔ بشپ نے پہلے تو یہ کہہ کر میری درخواست رد کردی کہ مجھے ایک ایرانی کی بیوی کی موت وحیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میں نے اُسے سمجھایا کہ فوکاس کے قتل کے بعد قسطنطنیہ میں ایک نیا انقلاب آچکا ہے۔ اور ہرقل کے برسرِ اقتدار آنے سے جہاں روم اور ایران میں صلح کے امکانات روشن ہوگئے ہیں۔ وہاں یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ سین جسے فوکاس نے قید کیا تھا بہت جلد رہا کردیا جائے گا۔ وہ پرویز کا خاص آدمی ہے اور اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی زیادتی اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی ——— اور نیا قیصر بھی شاید اسے اچھا نہیں سمجھے گا۔

میری باتیں بشپ کے دل میں بیٹھ گئیں اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ فسطینہ کو راہبہ بننے کی ترغیب دے گا۔ بہرحال اب یہ ضروری ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالا جائے۔ میں اینڈرونیکس سے بھی ملا تھا۔ اُسے فوکاس نے یروشلم کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور وہ اپنے سرپرست کی موت پر سخت پریشان ہے ——— میں نے اُسے بھی یہی بات سمجھائی تھی کہ اگر ہرقل صلح کا خواہش مند ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ سین کو فوراً رہا کردے گا۔ ممکن ہے کہ اب تک وہ قسطنطنیہ سے مصالحت کی تجاویز لے کر پرویز کے پاس پہنچ بھی چکا ہو۔ ان حالات میں آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سین کے خسر کی دشمنی مول لینا آپ کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہوگا۔ اُس نے پریشان ہو کر پوچھا کہ پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے اور میں نے اُسے سمجھایا کہ ہمیں سین کی بیوی اور بیٹی کو خانقاہ میں بھیج کر وقت کا انتظار کرنا چاہیئے وہاں راہب آپ کی طرف سے اُس کا دل صاف کرنے کی کوشش کریں گے اور اُن سے یہ حلف لینا مشکل نہ ہوگا کہ وہ آپ کے خلاف زبان نہیں کھولیں گی۔

کل بشپ دوبارہ آپ کے پاس آئے گا۔ آپ غروبِ آفتاب تک اُسے باتوں میں مصروف رکھیں اور اس کے بعد اُس کے ساتھ خانقاہ میں چلی جائیں۔ وہ خانقاہ، جہاں آپ کو ٹھہرانے کا انتظام کیا جائے گا، شہر کے باہر ہے۔ جب آپ خانقاہ سے کچھ دور ہوں گی تو آپ کے محافظوں پر اچانک حملہ ہوگا۔ حملہ کرنے والوں میں سے دو آدمی آپ کو گھوڑوں پر سوار کرکے چند میل دور ایک سرائے کے دروازے پر پہنچا دیں گے۔ اِس سرائے کا مالک میرا دوست ہے اور اُسے آپ کی حفاظت کے لئے ضروری ہدایات بھیج دی جائیں گی۔ باقی آدمی بشپ اور راہبوں کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر کوس دور کسی اور راستے پر چھوڑ آئیں گے ——— اِس کے بعد جب وہ واپس آئیں گے تو میرا کام یہ ہوگا کہ آپ کو غلط

راستوں پر تلاش کیا جائے ـــــ میں آپ کے نوکر کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں اُس کے متعلق سوچ سکوں۔ کل تک آپ کا یہاں سے نکل جانا اس لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے متعلق وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ ممکن ہے آپ کا نوکر آپ کے خلاف کوئی بیان دینے پر تیار ہو جائے اور اینڈرونیکس کسی تاخیر کے بغیر آپ کی قسمت کا فیصلہ کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے ایران اور روم کی صلح نہ ہو سکے اور یہاں کے عوام آپ کے خون کے پیاسے ہو جائیں۔ پھر آپ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ خانقاہ میں پہنچ کر آپ کی بیٹی ایک راہبہ بن جائے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اینڈرونیکس بزدل بھی ہے اور ظالم بھی۔ اور میں ایسے آدمی پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے دوبارہ نہیں مل سکوں گا۔ اور میرا آپ سے ملاقات کرنا ٹھیک بھی نہیں۔ میں بشپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ عوام کے اشتعال سے بچنے کے لئے آپ کو دن کی بجائے رات کی تاریکی میں یہاں سے لے جانا بہتر ہوگا۔ کل میں اُسے آپ کے پاس بھیجنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا "راستے میں ہم پر حملہ کرنے والے کون ہوں گے؟"

اُس نے جواب دیا "آپ کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو میرے متعلق کوئی پریشانی ہے تو یہ اطمینان رکھیئے کہ وہ سپاہیوں کے لباس میں نہیں ہوں گے۔"

پطیوس ہمیں یہ باتیں سمجھا کر چلا گیا۔ اگلی رات بارش ہو رہی تھی اور بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو خاصی دیر ہمارے گھر بیٹھنا پڑا۔ بالآخر اُس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں خانقاہ میں جانے کا ارادہ اگلے دن پر ملتوی کر دینا چاہیئے۔ لیکن میں نے گڑگڑا کر التجا کی کہ کل تک شاید شہر کے مشتعل عوام ہمارے گھر پر حملہ کر دیں اور یہ لوگ ہمیں ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے ـــــ باقی داستان شاید آپ کے لئے دلچسپ نہ ہو۔ شہر اور خانقاہ کے درمیان جن آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تھا اُن کے چہروں پر نقاب تھے ـــــ انہوں نے آن کی آن میں بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو باندھ کر اپنے گھوڑوں پر ڈال لیا۔ اور انہوں نے اُف تک نہ کی ـــ اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔"

عاصم نے اٹھ کر چند لکڑیاں الاؤ پر ڈالتے ہوئے کہا "معزز خاتون! میں آپ کا احسانمند ہوں کہ آپ نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا۔ اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھے اعتماد کے قابل پائیں گی۔ اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

یوسیبیا نے کہا "نہیں! مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آپ سو جائیں! آپ نے دوپہر کے وقت بھی آرام نہیں کیا۔"

عاصم نے ایک طرف ہٹ کر لیٹتے ہوئے کہا "اگر آپ کوئی خطرہ محسوس کریں تو مجھے جگا دیں۔"

باب ۱۵

رات کے تیسرے پہر فسطینہ اچانک گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ یوسیبیا اس کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"امی! آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟" اُس نے پوچھا۔

ماں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا "بیٹی رات کے وقت اِس ویرانے میں، ہم میں سے کسی ایک کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔"

فسطینہ نے کہا "میری نیند پوری ہو چکی ہے، اب آپ سو جائیں۔"

یوسیبیا لیٹ گئی، فسطینہ نے الاؤ میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ کے قریب بیٹھ گئی۔

یوسیبیا نے کہا "بیٹی میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا ساتھی اچھی طرح آرام کرے لیکن اگر تمہیں نیند آجائے تو اسے جگا دینا۔"

فسطینہ نے کہا "امی آپ فکر نہ کیجئے۔ اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا گہری نیند سو رہی تھی اور فسطینہ پریشانی اور خوف کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی رات کے سناٹے میں کبھی کبھی بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔ پھر فضا پر خاموشی چھا جاتی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ آس پاس ریت کے ٹیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے اچانک لاتعداد دشمن نمودار ہوں گے اور اُن پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی کبھی وہ حوصلے سے کام لے کر اٹھتی اور چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد دوبارہ بیٹھ جاتی۔ تنہائی، خوف اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ تاہم جب وہ آگ کی روشنی میں عاصم کا چہرہ دیکھتی تو اُسے ایک طرح کی تسکین محسوس ہونے لگتی۔ اُس نے بچپن میں اپنے ایرانی نوکروں سے سنا تھا کہ درندے آگ کے قریب نہیں آتے۔

چنانچہ اُس نے تھوڑی دیر میں تمام وہ ایندھن جو عاصم نے جمع کیا تھا اٹھا اٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب، وہ اس بات سے پریشان ہو رہی تھی کہ آگ کے بلند شعلے دور دور سے نظر آسکتے ہیں۔

اچانک عاصم کا گھوڑا کان کھڑے کر کے زمین پر پاؤں مارنے لگا اور اُس کے نتھنوں سے گھُرگھُر کی آواز سنائی دینے لگی۔ پھر دوسرے گھوڑے بھی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ فسطینہ دم بخود ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اُسے بائیں ہاتھ ایک ٹیلے کے نشیب میں کوئی متحرک شئے دکھائی دی اور ایک ثانیے کے لئے اُس کا خون رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہونے لگا اور وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے عاصم کی طرف کھسکنے لگی ——— دہشت سے کانپتے ہوئے اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ عاصم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کسی توقف کے بغیر تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

"بھیڑیے! بھیڑیے!" فسطینہ نے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عاصم نے ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ "مجھے آپ نے پریشان کر دیا تھا۔ میں سمجھا آپ کے دشمن پہنچ گئے ہیں۔"

فسطینہ نے جلدی سے کمان اور ترکش اٹھا کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بھیڑیے نظر نہیں آتے، دیکھئے وہ سامنے کھڑے ہیں اُس جھاڑی کے بالکل قریب۔"

عاصم نے فسطینہ کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لینے کی بجائے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر ٹیلے کی طرف پھینک دی اور کہا۔ "دیکھئے، وہ بھاگ گئے ہیں اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

وہ بدحواس ہو کر بولی۔ "آپ کے خیال میں وہ بھیڑیے نہیں تھے۔ ابھی ہمارے گھوڑے اُن کے ڈر سے رسّے تُڑا رہے تھے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہاں، ہاں وہ بھیڑیے ہی تھے لیکن صرف دو تھے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اُن کے کئی اور ساتھی ان ٹیلوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے صرف آگ کی وجہ سے ہم پر حملہ نہیں کیا لیکن میں نے تمام لکڑیاں جلا دی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟"

"نہیں میں اپنی نیند پوری کر چکی ہوں۔ جب میں بیدار ہوئی تھی تو امی جان بیٹھی ہوئی تھیں۔"

عاصم نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاصی رات گزر چکی ہے۔ ہمیں تھوڑی دیر میں یہاں سے کوچ کر دینا چاہئے" ——— وہ بولی۔ "آپ کو یقین ہے کہ بھیڑیے اب زیادہ تعداد میں جمع ہو کر ہم پر حملہ نہیں کریں گے؟"

عاصم نے الاؤ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ اطمینان رکھئے! اگر اس جنگل کے تمام بھیڑیے آجائیں تو بھی میں آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

فسطینہ مطمئن سی ہو کر اُس کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی۔ "آپ کبھی بھیڑیوں سے لڑے ہیں؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا۔ "آج تک میرا بھیڑیوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ میں صرف اُن انسانوں کو خطرناک سمجھتا ہوں جو بلاوجہ ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔"

"آپ نے کبھی انسانوں سے جنگ کی ہے؟"

"ہاں! لیکن اب میں انسانی خون کی پیاس محسوس نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "جب آپ سو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انڈرونیکس کے آدمی ان جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ سے ہمارے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر پندرہ بیس آدمی اچانک ہم پر حملہ کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔"

عاصم بولا۔ "آپ نے سوچا ہوگا کہ میں بھاگ جاؤں گا۔"

"نہیں۔" اُس نے عاصم کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔ "میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ایک عرب جس کا کل تک ہم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اتنا رحم دل کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دے۔"

عاصم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کل تک مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ میری زندگی کسی کے کام آسکتی ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری طرح آپ بھی کسی مصیبت سے گزر چکے ہیں۔"

عاصم نے فسطینہ کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُن کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ٹوٹ رہی ہیں۔ پھر اچانک اُسے ایک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی اور اُس نے کہا۔ "میرا خیال ہے اگر ہم طلوعِ آفتاب سے پہلے چند کوس اور طے کر لیتے تو اچھا ہوتا، ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اور ہمیں کسی ایسی جگہ پہنچ کر دم لینا چاہئے، جہاں انہیں چارا مل سکے۔ آپ اپنی والدہ کو جگا دیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم جس قدر یروشلم سے دُور ہوں گے،

اُسی قدر محفوظ ہوں گے۔"

○

طلوعِ آفتاب کے ایک ساعت بعد ایک سنگلاخ زمین پر عاصم اور اُس کے ساتھی سفر کر رہے تھے۔ اُن کے بائیں ہاتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ عاصم کا سخت جان گھوڑا بھوک اور تھکاوٹ کے باوجود گردن اٹھا کر چل رہا تھا اور فسطینہ کا گھوڑا بھی اُس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یوسیبیا چند قدم پیچھے تھی۔ اور اُس کے گھوڑے کی رفتار ہر آن سست ہوتی جا رہی تھی۔ عاصم نے ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور گھوڑے سے اتر کر بھاگتا ہوا پہاڑی پر چڑھ گیا۔ چوٹی پر سے تھوڑی دیر دوسری طرف جھانکنے کے بعد وہ مڑا اور اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو کر بولا "ہم راستے سے زیادہ دور نہیں، تھوڑی دیر اور چلنے کے بعد ہم ایک بستی میں پہنچ جائیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا "میرا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر یہاں رُک جائیں۔"

"نہیں" عاصم نے جواب دیا "یہاں رُک کے ہم گھوڑوں کی بھوک کا علاج نہیں کر سکتے۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ بالآخر یوسیبیا نے پوچھا "ابھی ہم بستی کے قریب نہیں آئے؟"

عاصم نے جواب دیا "ہم بستی سے آگے نکل چکے ہیں۔ لیکن آپ کو چند قدم اور چلنا پڑے گا۔"

یوسیبیا نے پوچھا "آپ نے بستی میں رکنے کا ارادہ بدل دیا ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں! ارادہ تو نہیں بدلا ہے لیکن آپ کے لئے بستی سے دُور رہنا ہی بہتر ہوگا۔ میں پہلے اکیلا وہاں جاؤں گا۔"

فسطینہ بولی "لیکن آپ تو کہتے تھے کہ ہم بستی سے آگے نکل آئے ہیں؟"

"اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں بستی والوں کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ میں یروشلم سے نہیں بلکہ دمشق سے آ رہا ہوں، تاکہ اگر وہاں ہماری تلاش ہو رہی ہو تو مجھ پر کوئی شبہ نہ کرے۔"

تھوڑی دور چل کر عاصم اپنے گھوڑے سے اُترا اور اُسے ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد بولا "اب آپ

اپنے گھوڑے یہاں باندھ دیں اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن آپ کو ساتھ لے جانا زیادہ خطرناک ہے۔ اگر میں کسی وجہ سے نہ آؤں تو آپ کچھ دیر میرا انتظار کرنے کے بعد کسی اگلی بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ اگر میں زندہ ہوا تو وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنا گھوڑا یہاں اس لئے چھوڑے جا رہا ہوں کہ آپ کا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ اگر دوسرا گھوڑا بھی ہمت ہار دے تو آپ دونوں اس پر سوار ہو سکتی ہیں۔ اس نے عرب کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ میری خورجین سے آپ کو کچھ بچا ہوا کھانا بھی مل جائے گا اور مشکیزے میں تھوڑا سا پانی بھی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری واپسی تک آئندہ سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر بستی سے تازہ دم گھوڑے مل گئے تو ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

یوسیبیا اور اُس کی ماں گھوڑوں سے اتر پڑیں اور عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے کی طرف بڑھا پھر اچانک اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور اُس نے مُڑ کر اپنی کمان اور ترکش یوسیبیا کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "آپ نے کہا تھا کہ آپ بچپن میں تیراندازی سیکھا کرتی تھیں۔ میں احتیاطاً اپنی کمان اور ترکش آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، ہم عرب اگر چاروں طرف سے مایوس ہو جائیں تو ہماری آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے کم از کم اپنے ایک دشمن کو اپنے ساتھ لیتے جائیں۔"

یوسیبیا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے پر چڑھا اور اُن کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

○

سڑک کے کنارے ایک قدیم سرائے کے کھلے احاطے میں تقریباً سو مرد عورتیں اور بچے جمع تھے جن میں سے چند ایک طرف چٹائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور باقی سرائے کے مالک سے جھگڑ رہے تھے۔ ایک طرف ایک چھپر کے نیچے سات گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور دوسری طرف چند اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ عاصم سڑک سے اتر کر احاطے میں داخل ہوا۔ لوگ اُسے ایک رومی سمجھ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک مسافر نے شکایت کی "جناب ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور سرائے کا مالک ہمیں کھانا نہیں دیتا۔ یہ یہودی ہے آپ اسے سمجھائیے!"

سرائے کا مالک اپنی بھاری توند ہلاتا ہوا آگے بڑھ کر چلایا "حضور! میں یہودی نہیں، عیسائی ہوں، میں انہیں

سمجھا رہا ہوں کہ آج دو قافلے یہاں سے گزرے ہیں اور وہ باسی ٹکڑے تک ہڑپ کر گئے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی دیر صبر کریں تو میں انہیں سوکھی روٹیاں دے سکتا ہوں لیکن یہ میری بات نہیں سنتے۔"

عاصم نے شور مچانے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم تھوڑی دیر صبر کیوں نہیں کرتے۔ تم چاہتے ہو کہ یہ شخص اپنا کاروبار بند کر کے بھاگ جائے؟"

لوگ جو عاصم کے الفاظ سے زیادہ اُس کے رومی لباس سے مرعوب تھے۔ ادھر ادھر ہٹ گئے۔

سرائے کے مالک نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جناب! ایرانی جاسوسوں کا کوئی پتا چلا؟"

"کون سے ایرانی جاسوس؟" عاصم نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

سرائے کے مالک نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے میں سمجھا تھا کہ آپ اُن لوگوں کے ساتھی ہیں جو صبح سے ہماری بستی کے ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

عاصم نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تلاشی لینے والے کون ہیں؟" سرائے کے مالک نے جواب دیا۔ "جناب! وہ یروشلم سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو عورتیں جو وہاں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی تھیں فرار ہو کر اس طرف آئی ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی رومی افسر اُن کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔"

عاصم نے پوچھا۔ "میں حیران ہوں کہ اس بستی کے لوگوں نے ایران کے جاسوسوں کو پناہ دینے کی جرأت کیسے کی؟"

"جناب! بستی کے لوگ روم کے غدار نہیں ہو سکتے لیکن انہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ وہ پہلے میری سرائے میں آئے تھے اور سرائے کی تلاشی لینے کے بعد لوگوں کے گھروں میں گھس گئے ہیں۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ ہیں جناب! اور انہوں نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر یہاں سے وہ جاسوس عورتیں برآمد نہ ہوئیں تو بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آ رہا ہوں اور کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، میرے گھوڑے نے یہاں سے کچھ دور دم توڑ دیا ہے اور میں پیدل یہاں پہنچا ہوں ـــــ اب مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

"جناب! میرے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور وہ یروشلم کے سپاہیوں نے اپنے لئے رکوا لئے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اُن کے افسر کو رضامند کر لیں تو مجھے آپ کو اپنا بہترین گھوڑا دینے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔ وہ دیکھئے میرا ابلق گھوڑا کتنا خوبصورت ہے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر وہ ایرانی جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں تو مجھے اُن کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ تم میرے لئے اگر ایک اونٹ کا بندوبست کر دو تو میں اسے بھی غنیمت سمجھوں گا۔ میں یروشلم کے حاکم کے پاس ایک نہایت ضروری پیغام لے کر جا رہا ہوں، اگر آگے کسی بستی سے مجھے گھوڑا مل گیا تو میں تمہارا اونٹ وہاں چھوڑ دوں گا۔ اس خدمت کے لئے تمہیں معقول انعام دیا جائے گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا۔ "جناب یہ اونٹ ان مسافروں کے تھے اور یروشلم کے سپاہیوں نے یہ بھی چھین لئے ہیں۔ آپ کو اُن سے بات کرنی چاہئے۔ وہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے دمشق کے متعلق کچھ پوچھوں، کیا یہ درست ہے کہ دمشق پر ایرانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟"

ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہاں، جناب! خدا کے لئے، ہمیں سچ سچ بتائیے کیا رومی فوج دمشق کی حفاظت کر سکے گی؟"

"دمشق کی حفاظت بہر قیمت ہوگی۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے، ایرانی لشکر کو دمشق سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔"

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! دمشق پر حملہ ہو چکا ہے میں وہیں سے آ رہا ہوں، آپ ہمیں کب تک جھوٹی تسلیاں دیں گے۔"

پریشان لوگ اب عاصم کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔ "تم کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں میں سراسیمگی پھیلانا کتنا بڑا جرم ہے۔"

ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! ہمیں معلوم ہے۔ لیکن لوگوں سے صحیح حالات چھپانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ غلط افواہوں پر بھی یقین کر لیتے ہیں۔"

عاصم وہاں سے کھسکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پانچ مسلح سپاہی وہاں آ پہنچے اور عاصم اپنے دل میں ناخوشگوار

دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ پانچوں شامی تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو اپنے لباس سے کوئی افسر معلوم ہوتا تھا عاصم کو دیکھتے ہی آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا۔ "آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آرہا ہوں۔"

"یہاں کب پہنچے تھے؟"

"ابھی پہنچا ہوں۔"

"آپ نے راستے میں ایک رومی افسر اور دو عورتیں دیکھی ہیں؟"

"رات کے وقت میں نے اس طرف آنے والے کئی قافلے دیکھے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن عورتوں اور رومی افسر کے متعلق آپ پوچھ رہے ہیں وہ اُن کے ساتھ تھے یا نہیں۔"

"میں جن لوگوں کے متعلق پوچھ رہا ہوں وہ یروشلم سے دمشق کی طرف جارہے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "رات کے وقت مجھے دمشق کی طرف جانے والا کوئی مسافر نہیں ملا۔ اور طلوع سحر کے بعد بھی میں نے کسی عورت کو اُس طرف جاتے نہیں دیکھا۔ میرے گھوڑے نے پچھلے پہر راستے میں دم توڑ دیا تھا اور میں پیدل چل کر یہاں پہنچا ہوں۔ مجھے دمشق کے سپہ سالار نے ضروری ہدایات دے کر یروشلم بھیجا ہے اور مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

شامی افسر نے مشکوک نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ دمشق سے تنہا سفر کر رہے ہیں؟"

"ہاں ——"

"راستے میں آپ نے کسی جگہ قیام نہیں کیا؟"

"نہیں ——"

شامی افسر نے عاصم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ عجیب بات ہے کہ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہماری چوکی ہے جہاں آٹھ دس گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن آپ وہاں سے مدد لینے کی بجائے یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

عاصم کی حالت اُس شخص کی سی تھی جس کی گردن میں اچانک پھندا ڈال دیا گیا ہو۔ تاہم اُس نے اپنے

اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چوکی کے محافظوں کو دمشق بلا لیا گیا ہے۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب! جب گزشتہ شام ہمارا قافلہ وہاں سے گزرا تھا تو چوکی کے سپاہی وہیں تھے۔"

شامی افسر اور اُس کے ساتھی جواب طلب نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھنے لگے لیکن اُس نے انتہائی پریشانی کے باوجود مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "چوکی کے سپاہی مجھے آدھی رات گزرنے کے تھوڑی دیر بعد راستے میں ملے تھے۔ اگر اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میرا گھوڑا آگے چل کر جواب دے جائے گا تو میں یقیناً اُن میں سے کسی کا گھوڑا چھین لیتا۔ اُس وقت میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ چوکی کے تمام گھوڑے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

شامی افسر بظاہر مطمئن ہو چکا تھا لیکن عاصم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اُس کے شبہات دُور نہیں ہوئے۔

سرائے کے مالک نے پوچھا۔ "جناب! کھانے کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

شامی افسر نے جواب میں کہا۔ "کھانا تیار ہو چکا ہے تو لے آؤ۔"

وہ بولا۔ "جناب! آپ کے لئے کھانا تیار ہو چکا ہے۔ لیکن آپ اندر تشریف لے چلیں یہاں یہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔"

شامی نے عاصم سے کہا۔ "میرے خیال میں آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ چلئے، کھانے کے بعد ہم آپ کے سفر کا بندوبست کر دیں گے۔"

جب وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچے تو شامی نے اپنے ایک آدمی کو الگ بُلا کر کوئی بات سمجھائی اور وہ اُس چھپر کی طرف بھاگ گیا، جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر جب عاصم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے وقت مڑ کر دیکھا تو وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سڑک کا رُخ کر رہا تھا۔

عاصم کو تھوڑی دیر قبل یہ اطمینان تھا کہ اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو فسطینہ اور اُس کی ماں مزید خدشات کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھ سکیں گی۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ یروشلم جانے کے لئے تیار تھا اور اُسے اس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ وہاں اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ لیکن اب اُسے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا چکا ہے۔ اور اگر اُسے چوکی کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تو اُسے واپس آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چوکی کے سپاہی اُس کے ساتھ آجائیں اور وہ فسطینہ اور اُس کی

ماں کو تلاش کرنے کے لئے اس علاقے کا گوشہ گوشہ چھان ماریں۔ پھر یہ حقیقت بھی زیادہ دیر چھپی نہیں رہ سکتی کہ میں رومی نہیں ہوں ـــــ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

ایک نوکر نے کھانا لا کر بوسیدہ میز پر رکھ دیا۔ عاصم کی بھوک مر چکی تھی، تاہم وہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کھانا کھا رہا تھا۔

شامی افسر نے کہا۔ "ہم دمشق کے متعلق بہت پریشان ہیں، وہاں سے متضاد خبریں آ رہی ہیں۔ چند دن قبل ہم نے یہ سنا تھا کہ ہماری فوج شہر کے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرے گی۔ لیکن آج یہ افواہ گرم ہے کہ ایرانیوں نے شہر پر حملہ کر دیا ہے ـــــ آپ کو صحیح حالات کا علم ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ دمشق میں ایرانی لشکر کو عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے عاصم کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ عورتیں جنہیں ہم تلاش کر رہے ہیں ایرانیوں کی جاسوس ہیں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک رومی افسر بھی اُن کے ساتھ ہے لیکن خدا معلوم یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ کسی بستی میں چھپے ہوئے ہیں۔ تاہم میں نے احتیاطاً ایک آدمی کو آگے بھیج دیا ہے اگر وہ آگے نکل گئے ہیں تو چوکی کے آس پاس کسی بستی سے اُن کا سراغ مل جائے گا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "آپ کب سے ان جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں؟"

"کل سہ پہر سے ہم نے ایک لمحہ آرام نہیں کیا۔ یروشلم کی فوج انہیں الرقیم کے راستے پر تلاش کر رہی ہے۔ لیکن شہر کے حاکم کو یہ شبہہ تھا کہ وہ ہمیں چکما دے کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گی، چنانچہ مجھے اِس راستے پر اُن کا پتا لگانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم راستے کی کسی بستی میں چھپ کر اُن کا انتظار کریں گے لیکن یروشلم سے چند میل اِدھر ہمیں دمشق سے آنے والے سپاہی ملے اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے ان جاسوسوں کو ایک رومی افسر کے ساتھ راستے میں دیکھا ہے۔ میں دس آدمی پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اِس وقت تک سڑک کے آس پاس تمام بستیاں چھان ماری ہوں گی۔ جب ہمارا ساتھی اگلی چوکی سے اُن کا پتا معلوم کر کے آ جائے گا تو ہم بھی واپس ہو جائیں گے آپ کو یقین ہے کہ چوکی خالی ہو چکی ہے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہاں دو چار آدمی موجود ہوں، لیکن گھوڑے وہاں نہیں تھے؟"

اچانک باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور چند ثانیے بعد ایک سرپٹ سوار نے صحن میں جمع ہونے والے لوگوں کے قریب پہنچ کر پوری قوت سے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور نیچے کود کر بھاگتا ہوا سرائے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی تھا جسے شامی افسر نے اگلی چوکی کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور بے اختیار چلانے لگا۔ "جناب! غضب ہو گیا، ایرانی لشکر دمشق میں داخل ہو گیا ہے۔"

ایک ثانیے کے لئے شامی افسر کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اُس نے اُٹھ کر پوچھا۔ "تم اتنی جلدی چوکی سے ہو کر واپس کیسے آ گئے؟"

وہ بولا۔ "جناب! فوج کا ایک دستہ مجھے راستے میں ملا ہے۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی گھوڑے سے گر پڑا تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ میرا گھوڑا تازہ دم تھا، اس لئے میں اُن سے آگے نکل آیا ہوں۔ وہ زیادہ دور نہیں ہیں۔"

شامی افسر نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "تم چوکی تک کیوں نہیں گئے؟"

"جناب یہ خبر آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور وہاں قتلِ عام ہو رہا ہے؟"

آن کی آن میں یہ وحشت انگیز خبر صحن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ چکی تھی اور پریشان حال لوگ جن کی زبانیں تھوڑی دیر کے لئے گنگ ہو گئی تھیں، چیختے چلاتے کمرے کے اندر اور باہر جمع ہو رہے تھے۔ پھر اچانک دور سے گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی اور باہر سے کوئی بلند آواز میں چلایا۔ "فوج آ رہی ہے۔ فوج آ رہی ہے۔" اور وہ سڑک کی طرف بھاگنے لگے۔

شامی افسر اور اُس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے اور عاصم اُن کے پیچھے چل دیا۔ شامی افسر نے صرف ایک بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ بھی اُن کے ساتھ آ رہا ہے بھاگ کر سڑک کے کنارے جمع ہونے والے ہجوم سے جا ملا۔ عاصم نے ادھر ادھر دیکھا، صحن خالی ہو چکا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں شام کے راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ عاصم چند قدم، سڑک کی طرف، اٹھانے کے بعد چھپر کی طرف مڑا اور گھوڑوں کی قطار کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب اُسے سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، اُس نے ابلق گھوڑے کا

توبڑا اتار کر اُسے لگام دی، اس کے بعد دو اور گھوڑوں کے توبڑے اتارے اور ان میں جتنا اناج تھا وہ ایک توبڑے میں ڈال کر زین سے باندھ دیا پھر جلدی سے رسّا کھولا اور گھوڑے کو چھپر سے نکال کر زیتون کے درختوں میں سے گزرتا ہوا سرائے کی پچھلی طرف پہنچا اور اُس پر سوار ہوگیا۔

کچھ لوگ ابھی تک آس پاس کے مکانوں اور جھونپڑیوں سے نکل نکل کر سڑک کا رُخ کر رہے تھے لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک عورت نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

اس عرصے میں شامی افسر کے ساتھ ایک دل چسپ واقعہ پیش آچکا تھا۔ سپاہیوں کا دستہ جو رتھوں اور سواروں پر مشتمل تھا سرائے کے قریب پہنچا تو اُن کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں نہیں رکیں گے۔ شامی افسر اچانک اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے سڑک کے بیچ میں کھڑا ہوگیا۔ اگلی رتھ پر ایک قوی ہیکل رومی نے اپنی پوری طاقت سے باگیں کھینچ کر گھوڑوں کو روکا تو شامی افسر نے قریب آکر ادب سے سوال کیا۔

"جناب! میں آپ سے دمشق کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں؟"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" رومی نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں نے ابھی ایک منحوس خبر سنی ہے۔"

"اور یہ منحوس خبر سننے کے بعد بھی تم راستہ روک کر ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتے ہو؟"

"جناب! میں پچھلی چوکی کے سپاہیوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ دمشق چلے گئے ہیں یا راستے سے آپ کے ساتھ لوٹ آئے ہیں؟"

رومی افسر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی اُس نے کچھ کہے بغیر شامی کے ایک کوڑا رسید کر دیا اور ساتھ ہی اپنے رتھ کے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آن کی آن میں آٹھ رتھ اور اُن کے پیچھے کوئی ڈیڑھ سو سوار آگے نکل گئے۔ اور تماشائی پریشان حال شامی افسر کے گرد جمع ہونے لگے۔ شامی افسر نے چاروں طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"وہ کہاں ہے؟ وہ رومی کہاں گیا؟"

اُس کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔ "جناب! وہ یہیں تھا۔ وہ ہمارے ساتھ آرہا تھا۔"

شامی افسر لوگوں کو دھکے دے کر اپنے راستے سے ہٹاتا ہوا سرائے کی طرف بھاگا اور پھر صحن میں نظر دوڑانے کے بعد چلانے لگا۔ "اُسے تلاش کرو، اُسے پکڑو اگر وہ نکل گیا تو میں تمہاری کھالیں اتروا دوں گا۔"

سرائے کے مالک نے بھاگ کر چھپر کی طرف دیکھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جناب! غضب ہوگیا وہ میرا ابلق گھوڑا لے گیا ہے۔"

شامی افسر نے بھاگ کر ایک گھوڑے کا رسّا کھولتے ہوئے کہا۔ "وہ زیادہ دور نہیں جا سکتا، اُس کے ساتھی کہیں آس پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان عورتوں کا ساتھی ہے۔ تم جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "جناب ابلق گھوڑے پر ایک سوار ابھی اُس طرف جا رہا تھا۔"

دوسرے نے کہا۔ "جناب میں نے بھی اُسے دیکھا ہے لیکن وہ ایک رومی افسر تھا۔"

"بیوقوف وہ رومی نہیں تھا۔" شامی نے گھوڑے پر اچھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

○

یوسیبیا نے اضطراب کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فسطینہ اُسے بہت دیر ہوگئی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟"

"امی مجھے ڈر ہے کہ وہ گرفتار ہو چکا ہے۔"

"اُس نے ہمیں تاکید کی تھی کہ اگر مجھے دیر ہو جائے تو تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔"

"امی آپ جانتی ہیں کہ اُس کے بغیر ہم سفر نہیں کر سکتے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اُس کی نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا گھوڑا ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی میں اُس کی نیت پر شبہ نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ اگر گرفتار کرنے والوں نے اُسے جسمانی اذیتیں دے کر ہمارا پتا معلوم کرنے کی کوشش کی تو ممکن ہے کہ وہ ہمت ہار دے۔ آخر ہم نے اُس

پر کون سا احسان کیا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

"امی میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور واپس آئے گا۔ اُس کی صورت دیکھ کر مجھے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ اگر وہ میرا بھائی ہوتا تو بھی میں اُس پر اس سے زیادہ اعتماد نہ کر سکتی۔ میں دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتی ہوں۔" فسطینہ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی! بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر تمہیں دوسری طرف سے کسی نے دیکھ لیا تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی۔ ٹھہرو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

یوسیبیا ترکش اور کمان اٹھا کر فسطینہ کے ساتھ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ماں اور بیٹی چوٹی پر ایک پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ٹیلے سے کوئی آدھ میل دور دو چرواہے بھیڑوں کا ایک گلہ ہانک رہے تھے ان سے آگے ایک بل کھاتی ہوئی سڑک جس پر مسافروں کے چھوٹے چھوٹے قافلے نظر آتے تھے۔ بستی کے درختوں میں روپوش ہو جاتی تھی۔

"وہ دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں، بالآخر یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ! اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے اور پیاسے گھوڑوں پر زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔"

اچانک فسطینہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو، امی! ایک سوار اس طرف آ رہا ہے۔ شاید دشمن کو ہمارا سراغ مل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کے پیچھے ایک فوج ہوگی۔"

یوسیبیا کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹی مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔"

"ان درختوں کی طرف دیکھو، امی! وہ سیدھا اس طرف آ رہا ہے۔"

یوسیبیا چلائی۔ "بیٹی وہ سچ مچ اس طرف آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھی نے انہیں ہمارا پتا دے دیا ہے۔ اب تم میرا کہا مانو اور بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وہ کہتا تھا کہ میرا گھوڑا بہت سخت جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم عزت بچا سکو گی۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کروں گی۔ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو بھی کم از کم میرے دو تیر خالی نہیں جائیں گے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "امی آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی؟"

یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ جلدی کرو۔ ممکن ہے کہ تم گھر پہنچ کر میرے لئے کچھ کر سکو۔"

فسطینہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی ماں کی التجائیں سنتی رہی، بالآخر وہ چلائی۔ "امی! ذرا غور سے دیکھو۔ وہ آ رہا ہے، وہ زندہ ہے، اُس نے ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔ وہ دو بے بس عورتوں کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا تھا۔"

تھوڑی دیر میں عاصم ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔ تیز رفتار گھوڑا چند چھلانگوں میں نیلے کے وسط تک پہنچ گیا۔ لیکن اس سے آگے چڑھائی سخت تھی اور اُس کے پاؤں پھسل رہے تھے۔ عاصم گھوڑے سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر پیدل دوڑنے لگا۔ فسطینہ پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے بڑھی تو وہ بلند آواز میں چلایا۔ "فسطینہ! پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ آ رہے ہیں، جلدی کرو۔"

فسطینہ بدحواس ہو کر پیچھے پلٹی اور پتھر کی اوٹ سے سامنے دیکھنے لگی۔ اچانک اُس کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ دائیں طرف چند سوار درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہو رہے تھے۔

یوسیبیا نے کہا۔ "فسطینہ! اب بھی وقت ہے تم بھاگ جاؤ۔"

لیکن اُس نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "امی! اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

عاصم نے چند قدم چوٹی کے دوسری طرف اترنے کے بعد کہا۔ "فسطینہ! اس گھوڑے کی باگ پکڑ لو اور اپنی ماں کے ساتھ فوراً نیچے چلی جاؤ۔"

فسطینہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عاصم نے یوسیبیا کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لیتے ہوئے کہا۔ "آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ یہ گھوڑا تازہ دم ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا گھوڑا ابھی اس کا ساتھ دے سکے گا۔ ان پہاڑیوں کی اوٹ میں کوئی ایک کوس چلنے کے بعد آپ دمشق کے راستے پر پہنچ جائیں گی۔ یہ آپ کا آخری مرحلہ ہے مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔ دمشق پر ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور راستے میں جو لوگ آپ کو ملیں گے وہ آپ سے زیادہ پریشان ہوں گے۔ اب جلدی کیجئے، میں آپ سے بہت جلد آ ملوں گا ــــ لیکن آپ میرا انتظار نہ کریں۔ میں یہ اطمینان کر چکا ہوں کہ آپ کو تلاش کرنے والے اس بستی سے آگے نہیں گئے ــــ اور میں آپ کو یہ یقین بھی دلا سکتا ہوں کہ ان پانچ آدمیوں میں سے، جو اس وقت میرے

پیچھے آرہے ہیں۔ کوئی آپ کا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

فسطینہ کی ماں اُس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔ لیکن اُس نے آبدیدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ تنہا اُن پانچ آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں۔ دیکھو وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ قدرت تمہیں ان بھیڑیوں سے بچانا چاہتی ہے وہ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تمام واقعات اِس طرح پیش نہ آتے۔ آپ کو ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت تھی وہ میں لے آیا ہوں۔ میرا گھوڑا بھوکا تھا اُس کے لئے مجھے اناج کا تو بڑا مل گیا ہے۔ اگر آپ کو راستے میں کوئی ضرورت پیش آئی تو میری خرجین میں پڑے ہوئے چند سکے آپ کے کام آسکیں گے۔ اب جلیئے!"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی ماں کے ساتھ چل پڑی ـــــ عاصم نے اپنی کمان اور ترکش پتھروں کی آڑ میں رکھ دیئے اور چند قدم آگے بڑھ کر ٹیلے کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پانچ سوار ٹیلے کے نیچے پہنچ کر رکے اور گھوڑوں سے کود کر ایک نصف دائرے میں اوپر چڑھنے لگے۔

شامی افسر نے بلند آواز میں کہا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایران کی جاسوس عورتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم انہیں ہمارے حوالے کر دو تو میں تمہاری جان بچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "تمہیں تھیوڈوسیس کی بیٹی اور نواسی پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔"

شامی افسر نے کہا۔ "تھیوڈوسیس کی بیٹی کا شوہر ایک ایرانی ہے لیکن اگر وہ ایرانیوں کی جاسوس نہ ہو تو بھی ہم کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ہم صرف یروشلم کے حاکم کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔"

"تم اپنے گھر کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایرانی دمشق پر قبضہ کر چکے ہیں اور انہیں یروشلم پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

شامی چلایا۔ "تم ایک غدار ہو اور تمہاری سزا موت ہے۔"

"اِس وقت میری بہ نسبت تم موت سے زیادہ قریب ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر اچانک ایک بھاری پتھر نیچے لڑھکا دیا۔ اور پیچھے ہٹ کر ان پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ جہاں اُس کا ترکش اور کمان پڑی تھی۔

نیچے سے آواز آئی۔ "تمہارے پتھر ہمارے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم ان عورتوں کو باعزت طریقے سے یروشلم پہنچا دیں تو اپنی تلوار پھینک کر نیچے آجاؤ، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ایرانیوں نے انطاکیہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔"

عاصم نے اٹھ کر دوسری طرف دیکھا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی تین سو گز دور جا چکی تھیں پھر وہ حملہ کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اوپر آرہے تھے۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے چند پتھر اٹھا کر نیچے پھینک دیئے اور پھر ترکش اور کمان اٹھا کر پتھروں کی آڑ لیتا ہوا بائیں طرف ایک چٹان کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا ـــــ اب وہ اوپر آنے والے تمام آدمیوں کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا ـــــ یہ لوگ سیدھے اوپر چڑھنے کی بجائے دائیں بائیں چکر کاٹ کر اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے دو آدمی چٹان کے بالکل قریب آچکے تھے۔ اچانک عاصم کی کمان سے ایک تیر نکلا اور ایک سپاہی زخمی ہو کر لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ دوسرے نے بھاگ کر ایک پتھر کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن عاصم کا دوسرا تیر اُس کی پسلی میں لگا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف گر پڑا۔ باقی تین آدمی جو، دائیں ہاتھ، پتھروں کے پیچھے چھپ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے اچانک خاموش ہو گئے۔ عاصم ٹیلے کی چوٹی سے ذرا پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہوا دوبارہ ان پتھروں کے پیچھے جا بیٹھا جہاں اُس نے چند ثانیے پہلے پتھر لڑھکائے تھے۔ اچانک اُسے دائیں ہاتھ کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدمی رینگتا ہوا چوٹی کے اُوپر پہنچ چکا تھا، عاصم اور اُس کے درمیان صرف دس قدم کا فاصلہ تھا۔ عاصم نے جلدی سے سر نیچا کر کے اپنی تلوار نکالی اور پھر اچانک پتھروں کی آڑ سے نکلا اور پلک جھپکتے میں اُس کے سر پر جا پہنچا۔ یہ ان سپاہیوں کا افسر تھا اور پیشتر اِس کے وہ اپنی کمان سیدھی کر سکتا عاصم کی تلوار کی نوک اُس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ عاصم نے کسی توقف کے بغیر اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے تیر کی زد میں تھے لیکن میں نے بلاوجہ ایک اور آدمی کی جان لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ مجھے تمہاری گردن سے اِس چھوٹے سے سر کا بوجھ اتارنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے کہا "تم مجھے قتل کر کے بھاگ نہیں سکو گے، تھوڑی دیر میں میرے کئی اور ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے"

"لیکن تم اُن کی کارگزاری نہیں دیکھ سکو گے۔ اپنے ساتھیوں کو آواز دو"

شامی افسر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا۔ دو آدمی چند قدم نیچے پتھروں کی اوٹ سے سر نکال کر دیکھنے لگے۔

عاصم نے بلند آواز میں کہا۔ "اگر تم اپنے ساتھی کی جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک کر آگے آجاؤ"

وہ تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، عاصم نے اپنی تلوار کو ذرا دبایا اور شامی افسر چلایا۔ "تم سنتے نہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ جلدی کرو!"

وہ اپنے ہتھیار پھینک کر آگے بڑھے۔ اور عاصم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اُٹھ کر کہا۔ "میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو تمہاری جانیں محفوظ ہیں۔ مجھے تمہارے دو ساتھیوں کی ہلاکت کا افسوس ہے لیکن مجھے کرائے کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا جانا پسند نہ تھا"

شامی افسر نے کہا۔ "اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر میرا پیچھا نہ کرسکو۔ دیکھو! اُس طرف میرے دو گھوڑے بندھے ہوئے ہیں، تم اپنے ایک آدمی کو حکم دو کہ وہ اُن کے رسے اتار کر یہاں لے آئے۔ لیکن یاد رکھو! اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا"

شامی افسر کے اشارے سے ایک سپاہی نیچے چلا گیا اور عاصم نے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اپنے ساتھی کے قریب لیٹ جاؤ" اُس نے کسی توقف کے بغیر حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر بعد اُن کا تیسرا ساتھی رسے لے کر آگیا۔ عاصم نے ایک رسا بیچ میں سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے شامی افسر سے کہا۔ "اب تم اٹھ کر اطمینان سے اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دو"

شامی افسر نے کہا۔ "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ ہم تمہارا پیچھا نہیں کریں گے"

"میں تمہارے وعدے سے زیادہ اپنی احتیاط پر بھروسا کرنا چاہتا ہوں ——— جلدی کرو اور یاد رکھو اگر تمہارے ساتھی سے مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو میں سب سے پہلے تم سے نپٹنے کی کوشش کروں گا"

افسر نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو عاصم نے کہا۔ "اب تمہاری باری

ہے لیکن تمہیں لیٹنے کی ضرورت نہیں میں صرف تمہارے ہاتھ باندھنے چاہتا ہوں"

عاصم نے دوسرے رسے سے اُس کے ہاتھ باندھنے اور گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد اطمینان سے نیچے پڑے ہوئے سپاہیوں کا معائنہ کیا اور اُن کے ہاتھ پاؤں ذرا مضبوطی سے کس دیئے پھر آگے بڑھ کر پتھروں کی آڑ سے اپنی کمان اور ترکش اٹھایا اور جکڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "دیکھو! میں تمہارے ساتھی کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھے اس کی گردن کی رسی کھینچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ جن خواتین کو تم تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہیں لیکن اگر وہ چند دن تک دمشق نہ پہنچیں تو اس کی لاش مشرقی دروازے پر لٹک رہی ہوگی ——— میں نہیں جانتا کہ تمہیں اپنے افسر کی جان کتنی عزیز ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم رومیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک شامی بھائی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالو گے۔ بستی کے لوگ تمہیں بہت جلد تلاش کر لیں گے، اس کے بعد تمہارے لئے یہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے گھروں کی فکر کرو۔ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے یروشلم پہنچنے میں تاخیر سے کام لیا تو وہ شاید تم سے پہلے وہاں پہنچ جائیں"

عاصم اپنے قیدی کے گلے کا رسا پکڑ کر چل دیا۔ اُس کا رُخ ٹیلے کی اُس نشیب کی طرف تھا جہاں یہ لوگ اپنے گھوڑے چھوڑ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی سے اُتر کر ان جھاڑیوں کے قریب پہنچے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عاصم نے تین گھوڑوں کی لگامیں اتار کر انہیں ایک طرف ہانک دیا۔ اس کے بعد ایک گھوڑے پر اپنے قیدی کو لادا اور دوسرے پر خود سوار ہو گیا۔ اس طرف سے، ٹیلوں اور پہاڑیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ دور چلنے کے بعد، وہ نسبتاً ایک آسان راستے سے دوسری طرف جا نکلا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ دمشق کے راستے کے قریب پہنچے تو عاصم نے اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں تمہیں کسی مناسب جگہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہارے رستے کا دوسرا سرا میری زین سے بندھا ہوا ہے۔ اگر تم نے راستے میں کسی کو اپنا مددگار سمجھ کر شور مچایا تو مجھے تمہاری زبان مستقل طور پر بند کرنے کے لئے صرف اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر میں راستے میں کسی سے بات کروں تو تم میری تردید نہیں کرو گے مجھے یقین ہے کہ اب تک ایرانیوں کے خوف سے راستے کی تمام چوکیاں خالی ہو چکی ہوں گی۔ تاہم اگر کسی نے ہماری

طرف توجہ کی تو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میں کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھوں۔"

قیدی نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "جناب! میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ اب مجھے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کسی بات کی فکر نہیں۔ دمشق کی شکست کے بعد رومی یروشلم میں نہیں ٹھہریں گے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں تمہیں زیادہ دور نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے، کہ تمہارے ساتھی میرا پیچھا نہیں کر رہے۔"

"جناب! اب اگر اُن کی مدد کے لئے یروشلم کی پوری فوج آجائے تو بھی وہ دمشق کا رُخ نہیں کریں گے۔ وہ تو دمشق کی شکست کی خبر سنتے ہی واپس جانا چاہتے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں آپ کا پیچھا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے متعلق جو پچھلی بستیوں میں آپ کو تلاش کر رہے ہیں میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پوری رفتار سے یروشلم کا رُخ کر رہے ہوں گے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جو عورتیں تھیں وہ کئی کوس دور جا چکی ہیں اور اب انہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ آگے جا چکی ہیں۔"

"جناب! یہ سمجھنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو سرائے میں دیکھتے ہی فوراً گرفتار نہیں کیا۔ اور یہ آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ رومی نہیں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ شامی ہوں گے۔ یہاں غسانی قبیلے کے کئی معززین رومیوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن آپ کی بعض باتوں سے میرا یہ شبہ بھی دُور ہو گیا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "اور اب تمہارے خیال میں میں کون ہوں؟"

قیدی نے کہا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ خالص عرب ہیں۔ کم از کم آپ کی زبان سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "اچھا، اب ہوشیار ہو جاؤ! میں گھوڑے کی رفتار تیز کر رہا ہوں۔"

دوپہر کے وقت فسطینہ اور اُس کی ماں نے ایک چھوٹی سی بستی کے قریب ندی کا پل عبور کیا، تو فسطینہ نے اپنا گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "امی اب ہم بہت دور آگئے ہیں میرے خیال میں ہمیں اس ندی کے کنارے تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے ——— بستی کے اندر داخل ہونا ٹھیک نہیں وہاں لوگ ہمیں پریشان کریں گے۔"

ماں نے کہا۔ "بیٹی! میں تم سے زیادہ تھک گئی ہوں اور اب اگر کوئی خطرہ بھی ہو تو میں آگے نہیں جا سکتی۔"

فسطینہ نے کہا۔ "امی! راستے میں ہمیں کتنے آدمی ملے ہیں، لیکن کسی نے ہماری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے اور یہ بستی بھی شاید خالی معلوم ہوتی ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اتریں اور اُن کی باگیں پکڑ کر بائیں طرف چل پڑیں۔ ندی کے بلند کنارے سرسبز درختوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پل سے تھوڑی دور انہیں نیچے اترنے کا راستہ دکھائی دیا۔ انہوں نے نیچے جا کر گھوڑوں کو پانی پلایا۔ پھر اپنی پیاس بجھائی اور اس کے بعد درختوں سے گھوڑے باندھ دیئے۔ فسطینہ نے اناج کا توبڑا کھول کر عاصم کے گھوڑے کے منہ پر چڑھا دیا اور اپنی ماں کے پاس سبز گھاس پر بیٹھ گئی۔

بستی سے ایک چرواہا، جو اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے لا رہا تھا، انہیں کچھ فاصلے سے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ دمشق سے تشریف لائی ہیں؟"

فسطینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن یوسیبیا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔"

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ابھی پہنچ جائیں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "ہماری بستی خالی ہو رہی ہے۔ صرف چند لوگ رہ گئے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر میں آرام کر سکتی ہیں۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "نہیں شکریہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔"

چرواہے نے کہا۔ "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے لئے گھر سے دودھ لا سکتا ہوں۔"

یوسیبیا نے کہا "بہت اچھا لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم بستی کے لوگوں کو جمع کر کے یہاں لے آؤ۔ ہم پہلے ہی پریشان ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں کسی کو یہاں نہیں آنے دوں گا" چرواہا یہ کہہ کر پوری رفتار سے بستی کی طرف بھاگنے لگا

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن میں اُس کے متعلق بہت پریشان ہوں"

فسطینہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ پھر اُس نے اچانک پُرامید سی ہو کر کہا "امی! وہ ضرور آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ جب وہ ہمارے لئے گھوڑا لینے گیا تھا تو آپ اُس کی نیت پر شک کرتی رہیں۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُس پر شک کیا تھا۔ جب ہم اُس سے جُدا ہو رہے تھے تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں اُس سے معافی چاہوں۔ اس سے کہوں کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ایک عرب تھا۔"

"بیٹی! دنیا کا کوئی خطہ فرشتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔"

مجھے تو اس کا نام بھی یاد نہیں رہا ممکن ہے ہم اُسے دوبارہ نہ دیکھیں، شاید وہ زخمی ہو چکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ .....؟"

فسطینہ کی آواز بیٹھ گئی اور وہ سسکیاں لینے لگی "امی! مجھ سے وعدہ کرو کہ ہم کسی دن وہاں جائیں گے۔ نہیں! ہم ہر سال اُن ٹیلوں کا طواف کیا کریں گے، جہاں ہمارے لئے اُس نے اپنا خون گرایا ہے۔ ہم وہاں ایک گرجا تعمیر کروائیں گے۔ جب آپ نانا جان سے کہیں گی تو وہ خوشی سے اُس کی یادگار تعمیر کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میں ابا جان کو بھی مجبور کروں گی کہ وہ اپنی ساری دولت وہاں نذر کریں۔"

یوسیبیا نے کہا "بیٹی حوصلے سے کام لو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

"امی! اگر وہ نہ آیا تو نانا جان اور ابا جان کو اس بات کا کتنا صدمہ ہو گا کہ وہ ہمارے ایک محسن کو کوئی صلہ نہ دے سکے ـــــ لیکن ....." فسطینہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور پل کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ....." امی مجھے

ہے کہ اگر وہ آیا تو سیدھا آگے نکل جائے گا۔ میں پل پر جا کر اُس کا راستہ دیکھتی ہوں۔"

ماں نے برہم ہو کر کہا "فسطینہ پاگل نہ بنو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ میں اُن درختوں کے پاس چھپ کر راستہ دیکھوں گی۔" فسطینہ یہ کہہ کر بھاگتی ہوئی پل کے قریب جا پہنچی۔

دمشق کی سمت سے سواروں کی ایک ٹولی اور اُس کے بعد پیدل انسانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ گزر گیا لیکن فسطینہ کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ وہ پل کے قریب ایک درخت کی آڑ میں کھڑی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اُسے ایک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر سڑک کے موڑ سے ایک سوار نمودار ہوا اور اُس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔ یہ عاصم تھا۔ اُس نے پل کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور پھر قدرے توقف کے بعد سڑک کے دائیں جانب، نشیب کی طرف باگ موڑ لی۔ فسطینہ اُس کی طرف بھاگنا چاہتی تھی لیکن اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ اُس نے آہستہ آہستہ چند قدم اٹھائے پھر آدھا پل عبور کرنے کے بعد وہ ایک ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی۔ عاصم پانی کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ چلّو سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ اپنے منہ پر چھینٹے مار رہا تھا کہ پیچھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فسطینہ ہچکچائی رکی اور پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی، اُس کا دل مسرت سے اچھل رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں اُن درختوں کے پیچھے چھپ کر آپ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ ہمیں دیکھے بغیر آگے نہ گزر جائیں۔ آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ زخمی تو نہیں ہیں؟" فسطینہ نے یہ کہہ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

عاصم نے کہا "فسطینہ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ تمہاری والدہ کہاں ہیں؟"

"وہ پُل کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"تم رو رہی ہو، دیکھو میں زندہ ہوں، اور مجھے کوئی زخم بھی نہیں آیا۔"

فسطینہ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور پھر عاصم کی طرف دیکھ کر اچانک سوال کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عاصم ہے"۔ عاصم نے قدرے حیران ہو کر جواب دیا۔

"آپ ان سے لڑے تھے؟"

"ہاں"

"اگر آپ نہ آتے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ ہمارے محسن کا نام کیا تھا۔ آپ ان سب کو قتل کر آئے ہیں؟"

"نہیں میں نے صرف دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ دو کو باندھ کر اُس ٹیلے پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک کو پکڑ کر ساتھ لے آیا تھا"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے یہاں سے دو میل دُور چھوڑ دیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب اگر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں تو بھی آپ دمشق پہنچ سکتی ہیں"

فسطینہ نے اچانک سنجیدہ ہو کر پوچھا "آپ ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے؟"

عاصم نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ اب آپ کو میری ضرورت نہیں؟"

"آپ کا خیال غلط ہے، آئیے امّی آپ کا انتظار کر رہی ہیں"۔ فسطینہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی پل کی طرف چل پڑی اور عاصم اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اُس کے پیچھے ہو لیا۔

باب ۱۶

ایرانیوں کی فتح کے بعد انطاکیہ کے رومی گورنر کا محل شہنشاہ ایران کی قیام گاہ بن چکا تھا۔ ایک دن پرویز محل کے ایک کشادہ کمرے میں رونق افروز تھا اور اُس کے چند مصاحب مسند سے نیچے، دائیں بائیں، دو قطاروں میں کھڑے تھے نقیب کی آواز سُن کر مختلف محاذوں سے آنے والے ایلچی باری باری کمرے میں داخل ہوتے، اپنی معروضات پیش کرتے اور شہنشاہ سے ہدایات لینے کے بعد رخصت ہو جاتے۔ آج سب سے پہلے حاضری دینے والے ایلچی نے دمشق کے محاصرے کی خبر سنائی تھی، اس لئے پرویز کے نزدیک دوسرے محاذوں سے آنے والے ایلچیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ وہ کسی کو مختصر سی ہدایات اور کسی کو اگلے دن پیش ہونے کا حکم دے کر رخصت کر رہا تھا۔ سب سے آخر میں نقیب نے سین کا نام پکارا اور شہنشاہ کے مصاحب حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ پرویز نے محل کے داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا "ہمارا خیال ہے کہ آج جن لوگوں کو ملاقات کی اجازت دی گئی تھی، اُن کی فہرست میں سین کا نام نہیں تھا۔ اور ہم جس سین کو جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں تھا"

داروغہ نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا "عالیجاہ! یہ وہی ہیں اور حضور کے غلام نے انہیں انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اِسی وقت حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونے پر مصر تھے ـــــ وہ کوئی اہم خبر لے کر آئے ہیں"

ایک قوی ہیکل آدمی جس کی چال میں غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جُھک جُھک کر سلام کرتا ہوا آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر سربسجود ہو گیا۔

چند ثانیے کمرے کے اندر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر پرویز نے کہا "تم رومیوں کی قید میں تھے؟"

"جی، عالیجاہ" اس نے اُٹھ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انطاکیہ پہنچ کر اپنا لباس تبدیل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

"عالیجاہ! یہ غلام کسی تاخیر کے بغیر قدم بوسی کو حاضر ہونا چاہتا تھا۔"

"تم مہمان خانے میں آرام کرو! مابدولت فرصت کے وقت تمہاری سرگزشت سنیں گے۔"

سین کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اُس نے اپنے بچپن کے ساتھی اور دوست کی طرف دیکھا اور کہا "عالیجاہ میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں۔"

پرویز نے سوال کیا "کیا دمشق فتح ہو چکا ہے؟"

"عالیجاہ! میں قسطنطنیہ کے قید خانے سے چھوٹ کر سیدھا یہاں پہنچا ہوں۔ اس لئے مجھے دمشق کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر ہمارے لئے تمہاری کوئی اہم خبر نہیں ہو سکتی۔ بہرحال ہم خوش ہیں کہ تم واپس آ گئے ہو۔ ہمیں تمہارا وہاں جانا پسند نہ تھا لیکن تم ایران کی تلواروں کی بہ نسبت اپنی زبان کو زیادہ موثر سمجھتے تھے۔ اب تمہیں یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ رومی صرف تلوار کی زبان سمجھتے ہیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! میں ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں۔"

"قسطنطنیہ سے ہم صرف ایک خبر سُن کر خوش ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ رومیوں نے ہماری فوج کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے ہیں۔"

"عالیجاہ قسطنطنیہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ فوکاس باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے اور رومیوں نے افریقی ممالک کے گورنر کے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ فوکاس کے جو ساتھی شہنشاہ موریس کے قتل کے ذمہ دار تھے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ہرقل نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا لیکن انقلاب سے قبل مجھے قسطنطنیہ کے قید خانے سے جزیرۂ قبرص میں منتقل کر دیا گیا تھا اور ہرقل کی یہ خواہش تھی کہ میں انطاکیہ کا رُخ کرنے سے پہلے اُس سے ملاقات کروں۔ چنانچہ مجھے دوبارہ قسطنطنیہ جانا پڑا۔ اب حضور کا یہ ناچیز غلام ہرقل

کی طرف سے امن اور دوستی کا پیغام لے کر حضور کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہے۔"

پرویز نے اطمینان سے جواب دیا "قسطنطنیہ کے انقلاب کی خبر اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ جنگ میں تاخیر کے باعث ہم قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع کھو چکے ہیں۔ اب حملہ کرنے کے لئے ہمیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔"

سین نے کہا "لیکن ہمارا دشمن مارا جا چکا ہے اور روم کا نیا حکمران، لڑائی کے بغیر، ہمارے جائز مطالبات ماننے کو تیار ہے۔"

پرویز نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیئے جائیں۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! قسطنطنیہ روم کا دارالسلطنت ہے اور اُس کی حفاظت کے لئے لاکھوں انسان جان کی بازی لگا دیں گے۔"

پرویز نے تلخ ہو کر کہا "تم ہم سے یہ کہنے آئے ہو کہ ہم قسطنطنیہ فتح نہیں کر سکیں گے۔"

"نہیں عالیجاہ! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حالات نے حضور کو روم سے جنگ کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ بدل چکے ہیں اور ہرقل، فوکاس کی غلطیوں کی تلافی کرنے پر آمادہ ہے۔"

پرویز نے کہا "سین! ہمارے ایک بہادر اور وفادار سپاہی کو یہ بار بار ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ اُس کی بیوی نے اُسے رومیوں کا طرفدار بنا دیا ہے۔ تم ہمارے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ گئے تھے اور انہوں نے تمہیں قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب تم اُس فوج کو راستہ دکھاؤ گے جو تمہارے لئے قیصر کے محل کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ ہم تمہیں قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان سونپنا چاہتے ہیں لیکن تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم تھکے ہوئے ہو۔ اس لئے ہم تمہیں آرام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اِس کے بعد تمہیں ضروری ہدایات مل جائیں گی۔ مہمان خانے کا داروغہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ یہاں تمہارے قیام کے لمحات تمہاری توقع سے زیادہ خوشگوار ہوں۔ اور اگر وہ تمہاری تفریح کے سامان مہیا نہ کر سکے تو تم شہر کے کسی مکان کا دروازہ اپنے لئے بند نہیں پاؤ گے۔"

سین نے کہا۔ "عالیجاہ! مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس نہیں، ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل سب سے بڑا آرام ہے لیکن میری بیوی اور بیٹی دمشق میں ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں محاذِ جنگ کا رُخ کرنے سے پہلے اُن کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

پرویز نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "یہ بات ہمیں معلوم نہ تھی، ہمارا خیال تھا کہ تم انہیں ساتھ لے گئے تھے اب تم دمشق پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ دمشق تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے فتح ہو چکا ہوگا اور ہم تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجنے کی بجائے کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ سکیں گے۔"

سین نے احسان مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! آپ اس غلام کو اعتماد کے قابل پائیں گے۔"

پرویز نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے دمشق کا محاصرہ طویل ہو جائے تو تمہیں سپہ سالار کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ہم آئندہ تمہارے مُنہ سے نصرانیوں کی حمایت میں ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔" شہنشاہ ایران یہ کہہ کر اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا عقب کے کمرے میں چلا گیا۔ حاضرین چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر آگے بڑھ بڑھ کر سین کو مبارکباد دینے لگے۔

ایک مجوسی پیشوا نے اُس کے کان میں کہا۔ "آپ بہت خوش قسمت ہیں اگر آپ کی جگہ کوئی اور اِس طرح کی باتیں کرتا تو شاید اُس کی کھال اُتار دی جاتی۔"

سین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے مبارکباد دینے والے اُس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

ایک ساعت بعد سین بیس سواروں کے ہمراہ دمشق کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو بدترین حالات میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آج اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی سے زیادہ اُسے پرویز کے طرزِ عمل کے متعلق پریشانی تھی۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل وہ یہ سوچتا تھا کہ شہنشاہ اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا۔ اور نئے قیصر کی طرف سے صلح کے پیغام کو آرمینیا اور شام کی فتوحات سے زیادہ اہمیت دی جائے گی ـــــ پرویز اُس کے لئے صرف ایک شہنشاہ نہ تھا بلکہ بچپن کا ساتھی اور جوانی کا دوست بھی تھا۔ جب محل کے محافظوں نے اُس کا راستہ روک کر اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جہاں پناہ آج

آپ سے ملاقات نہیں کر سکیں گے تو اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اگر داروغہ بروقت مداخلت نہ کرتا تو وہ محافظ دستے کے ایک گستاخ افسر کے مُنہ پر تھپڑ مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ پھر جب شاہی نقیب ملاقات کرنے والوں کے نام پکار رہا تھا تو اُس کا غم و غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ وہ معمولی افسر جو مختلف محاذوں سے پیغامات لائے تھے باری باری دربار میں حاضری دے کر باہر نکل رہے تھے اور وہ بے بسی کی حالت میں باہر ٹہل رہا تھا کبھی وہ یہ سوچتا تھا کہ شاید داروغہ نے شہنشاہ کو اُس کی آمد کی اطلاع نہ دی ہو۔ کبھی اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ شاید دربار میں اُس کے رقیبوں اور حاسدوں کا پلّہ بھاری ہو چکا ہے۔ پھر جب سب سے آخر میں نقیب نے اُسے آواز دی تو اُس کے سارے گلے جاتے رہے۔ لیکن اِس ملاقات کے بعد اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بدل چکی ہے انطاکیہ کا فاتح اُس شخص سے مختلف تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا اور جس کے لئے اُس نے بارہا اپنی جان کی بازی لگائی تھی۔ شہنشاہ کی سرد مہری سے زیادہ اُسے اِس بات کی شکایت تھی کہ دربار میں بعض ایسے لوگوں نے بھی اُس کی بے بسی کا تماشا دیکھا تھا، جنہیں اُس کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انطاکیہ سے روانہ ہونے کے بعد سین خاصی دیر تک اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتا رہا لیکن اچانک اُس کے دل میں ایک اور خیال آیا اور اُسے مستقبل کے افق پر اُمید کی ایک نئی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا ـــــ "کیا شہنشاہ نے مجھے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان پیش نہیں کی۔ کیا میرے رقیب اور حاسد اب کسی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے آقا کی نگاہوں سے گر چکا ہوں۔ شہنشاہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں رومیوں کی طرف داری کر رہا ہوں اور اب شاید مجھے لڑائی سے خوف آتا ہے لیکن کیا اب یہ ثابت کر دکھانا میرے اختیار میں نہیں کہ ایران کا کوئی سپوت تلوار کے کھیل مجھ سے بہتر نہیں جانتا میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کا مقام مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اب اُس کے ذہن میں قسطنطنیہ کی جنگ کے مختلف نقشے تیار ہو رہے تھے لیکن پھر اُسے اپنی بیوی اور بیٹی کا خیال آیا اور اُسے ایک تلخی سی محسوس ہونے لگی ـــــ وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا۔ کیا ایران اور روم کی جنگ ضروری ہے۔ کیا فوکاس کی موت کے بعد پُرانے حالات بدل نہیں گئے۔ کیا رومیوں کے خلاف تلوار اٹھاتے وقت مجھے یہ خیال پریشان نہیں کرے گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بدعہدی کر رہا ہوں۔ جب میں اُسے یہ بتاؤں گا

کہ مجھے قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والی فوج کی رہنمائی سونپی گئی ہے تو وہ کیا خیال کرے گی ـــــ میں نے ہمیشہ اُسے یہ اُمید دلائی تھی کہ اب روم اور ایران کی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل کی خبر سننے کے بعد میں نے اُسے یہی تسلی دی تھی کہ میں روم اور ایران کے تعلقات خراب نہیں ہونے دوں گا لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

سین کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ پرویز سے ملاقات کے بعد اُسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ جنگ کو روکنا اب اُس کے بس کی بات نہیں رہی ـــــ اور اپنے متعلق اُس کا آخری فیصلہ یہی تھا کہ میں صرف ایک سپاہی ہوں۔

○

باقی راستے، کسی پریشانی کا سامنا کئے بغیر عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے ایک رات دمشق سے دس کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ راستے کی دوسری بستیوں کی طرح اِس بستی میں بھی صرف نادار کسان اور چرواہے رہ گئے تھے۔ خوش حال لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ ایک بوڑھے کسان نے اپنے جھونپڑے سے باہر نکل کر ان مسافروں کا خیر مقدم کیا اور جب عاصم نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا "جناب! یہاں کوئی سرائے نہیں لیکن گاؤں کے سب سے بڑے رئیس کا مکان خالی پڑا ہے۔ ایک بوڑھے نوکر کے سوا وہاں کوئی نہیں۔ اگر آپ اس مکان میں ٹھہرنا پسند کریں تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عاصم نے کہا "ہم دمشق پہنچنا چاہتے تھے لیکن ہمارے گھوڑے تھک چکے ہیں اور ان خواتین کو بھی آرام کی ضرورت ہے ـــــ آج رات ہم تمہارے مہمان ہیں اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیئے۔"

کسان نے جواب دیا "جناب! اگر آپ کے آرام کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے جھونپڑے میں ٹھہرانے پر اصرار کرتا۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بستی کے رئیس کا مکان زیادہ موزوں ہوگا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ دمشق کیوں جا رہے ہیں؟۔ آپ وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں لیکن ہمارے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رات گزارنے کے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرنا ہے۔"

"آئیے، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" کسان نے یہ کہہ کر عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کشادہ حویلی کے دروازے کے سامنے گھوڑوں سے اُترے۔ کسان نے مکان کے محافظ کو آوازیں دیں۔ ایک بوڑھا آدمی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بدحواس ہو کر عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کسان نے کہا "یہ بستی میں سرائے تلاش کر رہے تھے اور میں انہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

نوکر نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "میرا مالک یہاں نہیں ہے لیکن اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ یہ سارا مکان خالی پڑا ہے۔ آئیے!"

عاصم نے کہا "تمہیں ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا پڑے گا یہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! آپ فکر نہ کریں۔"

وہ چار دیواری کے اندر داخل ہوئے اور نوکر نے کسان سے کہا "تم ان کے گھوڑے اصطبل میں لے جاؤ۔ میں ان کے لئے کھانا تیار کرتا ہوں۔"

عاصم نے کہا "ہمارے کھانے کے لئے تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں ہمارے لئے سوکھی روٹی بھی ایک نعمت ہوگی۔"

نوکر نے جواب دیا "جناب! میرے آقا نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ہماری بھیڑیں ایرانیوں کے کام نہیں آنی چاہییں، اس لئے میں ہر روز ایک بھیڑ کاٹ کر پڑوسیوں کو تقسیم کیا کرتا ہوں۔ آج میں نے جو برہ ذبح کیا تھا اُس کا خاصا گوشت گھر میں پڑا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "لیکن تمہیں سب سے پہلے ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا چاہیئے وہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! اگر آپ پچاس گھوڑے لے کر آتے تو بھی ہمارے گھاس کے ذخیرے میں کمی نہ آتی۔"

عاصم نے یوسیبیا اور فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ اندر تشریف لے جائیے میں گھوڑے بندھوا کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا اور فسطینہ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ عاصم خوجین اٹھائے اندر داخل ہوا اور اُس نے ایک کُرسی پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے اُمید نہ تھی کہ اس بستی میں ہمیں اتنی آرام دہ جگہ مل جائے گی۔ یہ نوکر کوئی نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ اب اگر آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ ایرانی ہیں تو بھی آپ کو کوئی خطرہ نہیں، اس بستی میں صرف وہ نادار لوگ رہ گئے ہیں جو اپنے لئے رومیوں یا ایرانیوں کی غلامی میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ وہ آدمی جو ہمیں یہاں لے کر آیا تھا، یہ کہہ رہا تھا کہ ہم بھیڑوں کا گلہ ہیں، اور بھیڑوں کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اُن کی اون اور ان کا گوشت رومیوں کے کام آتا ہے یا ایرانیوں کے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "اب اس بات کا تو ڈر نہیں رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ دمشق پہنچ کر ہم کن حالات کا سامنا کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "دمشق میں ایرانی لشکر کا کوئی عہدہ دار آپ کے شوہر کے نام سے ناواقف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں آپ کے والد کی حیثیت عام رومیوں سے مختلف ہوگی۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ نئے قیصر نے آپ کے شوہر کو رہا کر دیا ہو اور وہ دمشق پہنچ چکے ہوں۔"

فسطینہ بولی۔ "اگر میرے ابا جان قید سے رہا ہو چکے ہوتے تو وہ دمشق میں ہمارا انتظار کرنے کی بجائے فوج لے کر یروشلم پہنچنے کی کوشش کرتے۔"

یوسیبیا نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"نہیں"۔ اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں ایک مدت سے جانتی ہوں اور تمہیں بیٹا کہتے ہوئے مجھے ایک طرح کی خوشی اور تسکین محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھے یہ پوچھنے کا موقع نہیں ملا کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو۔ تمہاری صورت ان انسانوں سے مختلف ہے جو کسی کے ساتھ بُرائی یا زیادتی کر سکتے ہیں — میں تمہیں بیٹا کہہ چکی ہوں اور ایک ماں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے

بچوں کے دُکھ درد میں شریک ہو، بُرا نہ مانو تو میں تمہاری سرگزشت سننا چاہتی ہوں۔ اگر میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکی تو کم از کم تمہیں تسلی ضرور دے سکوں گی۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میری سرگزشت سن کر آپ کو ایک ذہنی کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ممکن ہے آپ بھی مجھے ایک دیوانہ سمجھنے لگیں۔"

"نہیں، بیٹا! تم سناؤ۔"

یوسیبیا کے اصرار پر عاصم نے ماضی کے وہ واقعات بیان کر دیئے، جن کے باعث اُس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو چکی تھی۔

فسطینہ کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اُس نے سمیرا سے اپنی محبت کی داستان کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی لیکن اپنی گفتگو کے دوران میں جب کبھی وہ فسطینہ کی طرف دیکھتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کی ذہین نگاہیں، اُس کے احساس کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہیں۔

جب وہ عدی کے گھر کا آخری منظر بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا تو فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور وہ اپنی ماں سے یہ کہہ رہی تھی۔ "امی! مجھے اب بھی سمیرا کی موت کا یقین نہیں آتا۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب یہ اپنے وطن سے روانہ ہوئے ہونگے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی۔ اور پھر اُس کی علالت یا کسی اور مجبوری کے باعث یہ اُسے راستے کی کسی بستی یا شہر میں چھوڑ آئے ہوں گے۔ مجھے یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ان کے دشمنوں نے پیچھا کیا ہوگا اور وہ سمیرا کو چھین کر واپس لے گئے ہوں گے۔ امی! اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میں ہر روز یہ دعا کیا کرتی کہ وہ انہیں مل جائے۔ میں اپنے ابا جان سے التجا کرتی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ میں کسریٰ کے پاس جا کر یہ فریاد کرتی کہ میں سین کی بیٹی ہوں اور یہ ہمارے محسن ہیں، اس لئے ان کی اعانت آپ پر فرض ہے۔ امی جان! اُسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔ کاش یہ تھوڑی دیر پہلے اُن کے گھر پہنچ جاتے۔" فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اُس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

یوسیبیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹی! موت کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ اب تم ان کے لئے یہ دعا کیا کرو کہ خدا انہیں صبر اور ہمت دے۔"

تھوڑی دیر بعد نوکر کھانا لے کر آگیا اور وہ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ عاصم کھانے سے فارغ ہوتے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ اُسی کمرے میں سو گئیں۔

پچھلے پہر یوسیبیا نے فسطینہ کو جھنجوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا "بیٹی! اب صبح ہو رہی ہے، سفر کی تیاری کرو۔" فسطینہ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا "امی جان! ابھی بہت رات باقی ہے، انہوں نے کہا تھا کہ پچھلے پہر گھوڑے تیار کر کے ہمیں جگا دیں گے۔"

"بیٹی! میں نے ساتھ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔"

"اچھا! اٹھتی ہوں۔" فسطینہ نے انگڑائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

ماں نے پوچھا "بیٹی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں، امی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن ابھی میرا اٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا "فسطینہ!"

یہ عاصم کی آواز تھی فسطینہ نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ ایک رومی کی بجائے ایک عرب کے لباس میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے کہا "اس سے آگے میں رومی لباس میں سفر کرنا خطرناک سمجھتا ہوں۔ وہ نوکر مجھے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اُس نے یہ خیال کیا تھا کہ رومی فوج کا کوئی عرب دستہ یہاں پہنچ گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے تسلی دی ہے۔ گھوڑے تیار ہیں۔ آپ جلدی سے تیار ہو کر اصطبل میں آجائیں میں وہاں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔"

○

چند میل اور سفر کرنے کے بعد انہیں دمشق کے حسین مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فسطینہ اب اُس لڑکی سے مختلف نظر آتی تھی جسے عاصم نے انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ آلام و مصائب کے بادل چھٹ چکے تھے اور اُس کا سنجیدہ اور معصوم چہرہ، ایک کھلتے ہوئے پھول کی طرح شگفتہ تھا۔ لیکن یوسیبیا اب بھی مغموم اور پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اب اُسے پیچھا کرنے والوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دمشق کے متعلق طرح طرح کے

خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے اور وہ گردن جھکائے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

فسطینہ نے اپنا گھوڑا اُس کے قریب کرتے ہوئے کہا "امی جان! اب تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے اور وہاں ایرانی لشکر کی موجودگی میں ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "بیٹی! میں تمہارے نانا کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ خدا معلوم، وہ کس حال میں ہوں گے۔ فاتح لشکر جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو کسی پر رحم نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے سنجیدہ ہو کر کہا "امی جان! مجھے یقین ہے کہ ایران کے سپاہی ہمارے گھر کی حفاظت کر رہے ہوں گے وہ میرے باپ سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔"

"بیٹی! مجھے ڈر ہے کہ ان حالات میں تمہارے نانا کسی کو یہ بتانا بھی گوارا نہیں کریں گے کہ میں سین کا خسر ہوں اگر ایرانیوں نے دمشق کے باشندوں پر مظالم کئے تو انہیں اپنی جان بچانے کی فکر نہیں ہوگی۔ اور میں تمہارے باپ کے متعلق بھی پریشان ہوں۔ قسطنطنیہ کے لوگ شام میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں سننے کے بعد انہیں کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ اگر انہوں نے اُن پر کوئی اور سختی نہ کی تو بھی جنگ کے دوران میں اُن کا قید سے رہا ہونا ممکن نہیں۔"

فسطینہ کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی ماں کے ساتھ چلتی رہی اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر عاصم سے جا ملی۔

عاصم نے پوچھا "کیا بات ہے فسطینہ!"

فسطینہ قدرے توقف کے بعد بولی "امی جان میرے نانا کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ اور میں بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ جب فاتح لشکر کے سپاہی کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ جوان اور بوڑھے میں تمیز نہیں کیا کرتے۔"

عاصم نے کہا "تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کا نام تمہارے نانا کے لئے ایک ڈھال کا کام دے سکے گا۔"

"آپ میرے نانا کو نہیں جانتے وہ اپنی جان کے خوف سے روم کے دشمنوں کی پناہ لینا گوارا نہیں کریں گے اور میرے ابا وہاں یہ کہنے کے لئے موجود نہ ہوں گے کہ میں ایران کے شہنشاہ کا دوست ہوں اور یہ بوڑھا شخص میرا خسر ہے۔"

فسطینہ کے چہرے سے ایک الہڑ لڑکی کی شوخیاں رخصت ہو چکی تھیں اور وہ ایک بار پھر اپنی عمر سے بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "فسطینہ! ہمارا سفر ختم ہونے والا ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر کے اندر پاؤں رکھو تو میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر تمہارے قہقہے سنوں اور پھر تمہارے یہ معصوم قہقہے ہمیشہ کے لئے میرے کانوں میں گونجتے رہیں۔ دمشق سے کوسوں دور رہ کر بھی میرے لئے یہ تسکین بہت بڑا انعام ہوگی کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو۔ کاش! تمہارے اباجان بھی وہاں پہنچ چکے ہوں اور مجھے دمشق کو الوداع کہتے ہوئے یہ اطمینان ہو کہ تمہاری تمام مصیبتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

فسطینہ نے کہا "اگر میرے اباجان وہاں موجود ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو دمشق سے کوسوں دُور بھاگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ آپ انہیں احسان فراموش نہ پائیں گے۔"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "فسطینہ! جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمہارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ دمشق میں میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔"

فسطینہ نے کہا "ہمارا گھر مدائن میں ہے اور میں اباجان سے کہوں گی کہ وہ آپ کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دے کر وہاں بھیج دیں۔"

"نہیں! میرے لئے دمشق اور مدائن میں کوئی فرق نہ ہوگا۔"

"تو آپ کہاں جائیں گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اپنے ملک سے نکلا تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ مجھے فارس یا شام کے کسی اور تاجر کے ہاں نوکری مل جائے گی۔ میں کسی کی بھیڑیں چرانے کے لئے بھی تیار تھا۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ زندگی کی تلخیاں یہاں بھی میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کروں گا، جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا نہ ہو۔"

فسطینہ نے مسکرا کر کہا "اگر آپ بھیڑیں چرا کر خوش رہ سکتے ہیں تو میں اباجان سے کہوں گی کہ وہ شام کی تمام بھیڑ بکریاں اکٹھی کر کے آپ کے حوالے کر دیں۔ وہ آپ کو کوئی بہترین چراگاہ بھی دلوا سکیں گے۔ لیکن فرض کیجئے، اگر وہ بھی

قید سے رہا ہو کر وہاں نہ پہنچے ہوں اور خدانخواستہ میرے نانا پر کوئی مصیبت آگئی ہو اور جب ہم گھر میں پاؤں رکھیں تو آپ کو قہقہوں کی بجائے ہماری چیخیں سنائی دیں تو آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے حالات میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ سکوں گا۔"

فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "آپ بہت رحم دل ہیں۔ لیکن وہاں آپ ہماری کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور میں کبھی یہ گوارا نہ کروں گی کہ آپ ہمارے لئے کوئی اور خطرہ مول لیں — جب آپ اُس پہاڑی پر تنہا رہ گئے تھے اور پانچ آدمی آپ پر حملہ کرنے والے تھے تو میں اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی اور جب تک آپ واپس نہ آ گئے تھے، میں ہر سانس میں آپ کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھی۔ اب اگر دمشق کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں آپ سے درخواست کروں گی کہ آپ اپنی جان بچانے کی فکر کریں — لیکن میں یہ کبھی نہ سمجھ سکوں گی کہ ایک عرب جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ تھا، ہم پر اتنا مہربان کیوں تھا۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں چند دن پہلے اپنے عرب ہونے پر فخر کر سکتا تھا لیکن اب میرا کوئی وطن نہیں۔"

فسطینہ کچھ دیر عاصم کے ساتھ چلتی رہی۔ پھر اُس نے مڑ کر چند قدم دُور اپنی ماں کی طرف دیکھا اور گھوڑا روک کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ اپنے راستے کے دورویہ سرسبز باغات میں سے گزرتے ہوئے دمشق کی ایک مضافاتی بستی میں داخل ہوئے جہاں جگہ جگہ انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آس پاس کے درخت گِدھوں سے پٹے پڑے تھے اور بعض لاشیں جنھیں انہوں نے قابلِ توجہ سمجھا تھا صرف ہڈیوں کے ڈھانچے دکھائی دیتی تھیں۔ ایک مکان کے دروازے کے باہر دو لاشوں پر چند کتے اور گدھ زور آزمائی کر رہے تھے۔ عاصم نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا "اب آپ کو ذرا ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

فسطینہ چلائی "خدا کے لئے! یہاں سے نکلنے کی کوشش کیجئے۔ یہاں تعفن سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی — لیکن بستی کے دوسری طرف کے حالات بھی اس سے مختلف نہ تھے بلکہ یہاں سڑک کے آس پاس لاشوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہر لاش ایک نئی داستان بیان کر رہی

تھی۔ وہ قدم قدم پر دلخراش مناظر دیکھتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کے قریب پہنچے۔ باہر مسلح سپاہیوں کے دستے گشت کر رہے تھے۔ اور دروازے کے سامنے ایک درخت پر پانچ لاشیں لٹک رہی تھیں۔ سپاہیوں ایک گروہ نے کچھ فاصلے سے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور شور مچاتے ہوئے بھاگ کر اُن کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک آدمی نے جو اِس دستے کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ عاصم سے مخاطب ہو کر فارسی میں کہا "تم نے یہ قیمتی شکار کہاں سے حاصل کیا ہے ؟"

عاصم نے سر ہلاتے ہوئے عربی زبان میں جواب دیا "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔"

ایرانی افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں پہلی بار ایک عرب کی قید میں رومی عورتوں کو اس قدر مطمئن دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا تمہارے خیال میں یہ دو عورتیں ایک آدمی کی ضرورت سے زیادہ نہیں۔"

اُس کے ساتھی بھوکے درندوں کی طرح فسطینہ اور یوسیبیا کی طرف دیکھنے لگے۔

یوسیبیا نے غصے سے لال پیلی ہو کر کہا "بدتمیز! تم کیا بک رہے ہو۔ میں سین کی بیوی ہوں اور یہ میری بیٹی ہے"

ایرانی افسر یوسیبیا کے غصے سے زیادہ اُس کی فارسی زبان سے متاثر ہؤا اور بدحواس ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا پھر اُس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "سین کون ہے ؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "تم یہ سوال ایران کے شہنشاہ سے کر سکتے ہو۔ اور اگر یہاں مدائن کا کوئی باشندہ ہے تو وہ سین سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔"

ایک سپاہی نے افسر کے کان میں کچھ کہا اور اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

اُس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "معزز خاتون! مجھ سے بھول ہوئی۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آپ کے کسی ادنیٰ نوکر کے ساتھ بھی گستاخی نہیں کر سکتا ـــــ اگر اِس عرب نے آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے تو میں اس کی کھال اتروا دوں گا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "اِس عرب نے ہماری جان اور عزت بچائی ہے۔"

ایرانی افسر نے کہا "معاف کیجئے! جس سین کو ہم جانتے ہیں وہ تو شاید قسطنطنیہ میں ہیں آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟"

"ہمارے لئے تمہارے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارا راستہ چھوڑ دو۔"

"معاف کیجئے! اب آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں ؟"

"ہمارا مکان دروازے کے قریب ہے۔"

"اگر اجازت ہو تو میں وہاں تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

یوسیبیا نے فاتحانہ انداز سے عاصم اور فسطینہ کی طرف دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ایرانی افسر اور اُس کے چند سپاہی اُن کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر دروازے سے گزرتے ہی انہیں چند ایسے آدمی دکھائی دیئے جن کے لباس ایرانیوں کی بجائے عربوں سے ملتے تھے۔ یہ لوگ تین چیختی چلاتی عورتوں کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ دیر اپنے گھوڑے روک کر اُن کی جگر دوز چیخیں سُنتی رہیں۔ بالآخر یوسیبیا نے ایرانی افسر سے مخاطب ہو کر پوچھا "یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں ؟"

اُس نے جواب دیا "یہ حیرہ، نجد اور یمن کے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، اور ہمارے حلیف ہیں۔"

"تم اُن مظلوم عورتوں کی مدد نہیں کر سکتے ؟"

ایرانی افسر نے جواب دیا "جناب! ہمارے سپہ سالار کی طرف سے انہیں پوری آزادی ہے۔ اپنے سردار کے سوا یہ کسی کا حکم نہیں مانتے اور انہیں کوئی بات سمجھانے کے لئے مجھے ان کے سردار کو تلاش کرنا پڑے گا لیکن آپ کے لئے یہاں رُکنا مناسب نہیں، چلئے!"

یوسیبیا نے کچھ کہے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور عاصم اور فسطینہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ایک ڈیوڑھی کے سامنے رکے اور گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاصم نے تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور فسطینہ اور اُس کی ماں آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے بند دروازے پر دستک دینے لگیں۔ جب چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا تو یوسیبیا اضطراب کی حالت میں نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

اچانک اندر سے زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور یوسیبیا اور فسطینہ بھاری کواڑوں کو دھکیل کر اندر داخل ہوئیں۔ دروازہ کھولنے والا اپنے لباس سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر بائیں باغ میں بھاگتی ہوئی آگے نکل گئی۔

پہریدار انہیں چند آوازیں دینے کے بعد دروازے کی طرف متوجہ ہوا تو عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر تینوں گھوڑے اندر ہانک دیئے۔

پہریدار چلایا "تم کون ہو۔ تم اندر نہیں جا سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر یہ میتھوڈوسیس کا مکان ہے تو تم میرا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ آگے نہ جاؤ۔ یہ مکان ہمارے سردار کے قبضے میں ہے اور تمہارا شکار اب ایک شیر کی کچھار میں داخل ہو چکا ہے۔ اب تمہیں کسی اور گھر کا رُخ کرنا چاہیے۔"

پہریدار اپنی تلوار سونت کر عاصم کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آ گیا۔ اُس نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے اپنے مدِمقابل کی کلائی پکڑ لی۔ اور دوسرے ہاتھ کی ایک ہی ضرب سے اُسے زمین پر لٹا دیا۔ پھر چشمِ زدن میں نیچے پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور باغ سے مکان کی طرف بھاگنے لگا۔

اتنی دیر میں ایرانی افسر اور اُس کے ساتھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور پہریدار نے اُن کے تیور دیکھ کر اٹھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عاصم کو باغ میں چند قدم بھاگنے کے بعد اچانک نسوانی چیخیں سنائی دیں اور جب وہ سیب کے درختوں سے نکل کر ایک عالیشان عمارت کے قریب پہنچا تو یوسیبیا دہائی مچاتی واپس آ رہی تھی اور تین آدمی قہقہے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔

شراب کے نشے میں اُن کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ سب سے اگلے آدمی نے یوسیبیا کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور وہ دونوں مُنہ کے بل گر پڑے۔ عاصم نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ٹھہرو! تم نہیں جانتے کہ تمہیں ایران کے شہنشاہ کے سامنے اس گستاخی کا جواب دینا پڑے گا۔ تم شہنشاہ کے ایک ایسے دوست کا عتاب مول لے رہے ہو جس کے اشارے پر تمہارے سرداروں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔"

وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگے اور پیشتر اِس کے کہ وہ کوئی اور اقدام کر سکتے ایرانی سپاہی جو عاصم کے پیچھے آ رہے تھے انہیں اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔

عاصم نے آگے بڑھ کر یوسیبیا کو اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ اور وہ ہوش میں آتے ہی چلانے لگی "خدا کے لئے! میری بیٹی کو بچاؤ۔ وہ مکان کے اندر ہے۔"

عاصم پوری قوت سے مکان کی طرف بھاگا ایک کمرے سے فسطینہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اُس نے زور سے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور ہوا کے ایک تند و تیز جھونکے کی طرح اندر داخل ہوا۔ فسطینہ ایک دیو قامت آدمی کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی ——— وہ فسطینہ کو ایک طرف دھکیل کر عاصم کی طرف متوجہ ہوا لیکن اُس کے ہاتھ خالی تھے اور ہتھیار کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے تھے۔ عاصم اپنی تلوار پھینک کر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ اُس نے مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھائے لیکن نشے کی حالت میں اُس کی پیش نہ گئی۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے اُس کے منہ اور گردن پر چند مکے رسید کئے وہ تیور اکر فرش پر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ فسطینہ ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتی اور روتی ہوئی عاصم سے لپٹ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "خدا کے لئے! آپ یہاں سے نکل جائیں۔ آپ بھاگ جائیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ہمیں آپ کو بار بار خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت اور رسوائی ہے تو آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں فسطینہ میں بھاگنے کے لئے یہاں تک نہیں آیا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اور تمہارے مقدر میں ذلت و رسوائی نہیں ہے۔"

یوسیبیا اور ایرانی افسر کمرے میں داخل ہوئے اور فسطینہ عاصم کو چھوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ ایرانی افسر نے آگے بڑھ کر نیچے پڑے ہوئے آدمی کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یوسیبیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر آپ کا محافظ اس معزز آدمی کو قتل کر دیتا تو مسئلہ بہت خطرناک ہو جاتا۔"

یوسیبیا غصے سے کانپتے ہوئی بولی "تم اس وحشی کو ایک معزز آدمی سمجھتے ہو؟"

ایرانی افسر نے کہا "جناب! یہ حیرہ کے ایک معزز خاندان کا رئیس ہے اور لڑائی کے میدان میں بہت کم لوگ اس کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں، آج اگر یہ شراب سے مدہوش نہ ہوتا تو اِس کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

یوسیبیا فسطینہ سے مخاطب ہوئی "وہ لڑکی کون تھی، وہ کہاں گئی؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔"میں اُسے اچھی طرح نہیں پہچان سکی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یوحنا کی بہن تھی۔ میں نے اُسے پچھلے کمرے کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔"

یوسیبیا نے آگے بڑھ کر عقبی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔"دروازہ کھولو۔ تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتی ہوں۔ میں یوسیبیا ہوں۔"

ایک عورت دروازہ کھول کر باہر نکلی، اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔

"ہیلانہ!" یوسیبیا اور فسطینہ نے یک زبان ہو کر کہا۔ وہ چند ثانیے گردن جھکائے بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر فرش پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور گرے ہوئے آدمی پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ چلائی، "مجھے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے! مجھے انتقام لینے دو۔ تم نہیں جانتے یہ کتنا ظالم ہے۔ اُس نے میرے شوہر کو قتل کیا ہے۔ اور میں کل سے ....." ستم رسیدہ عورت کی آواز سسکیوں میں گم ہو کر رہ گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

عاصم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے سوال کیا۔"یہ آپ کی بہن ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔"یہ ہمارے ایک پڑوسی کی بیوی ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔"ہیلانہ! حوصلے سے کام لو۔ اور خدا کے لئے مجھے نانا جان کے متعلق بتاؤ۔"

"تمہارے نانا جان یہاں نہیں ہیں۔" ہیلانہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ دمشق والوں کو ایک بے گناہ آدمی کی جان لینے کی سزا ملی ہے۔ میرے خاوند نے انہیں بچانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بے بس تھا۔ اور کل اُس وحشی نے میری آنکھوں کے سامنے آپ کے بوڑھے نوکر کا گلا گھونٹ دیا۔"

یوسیبیا نے پوچھا۔"میرے باپ کو زندہ جلانے والے کون تھے؟"

"انہیں رومی سپاہی پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور ہمارا لشکر اور شہر کے سینکڑوں آدمیوں کا جلوس اُس کے پیچھے

جتا۔ اُن پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔"

یوسیبیا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔"تمہیں یقین ہے کہ میرے باپ کو زندہ جلا دیا گیا۔"

"ہاں! جب اُن کی چتا کو آگ لگائی گئی تھی تو میرا شوہر اور محلے کے کئی آدمی وہاں موجود تھے۔"

"اور محلے کے لوگوں نے اُن کی کوئی مدد نہ کی؟"

"ان کے سینکڑوں ہمدرد رو رہے تھے لیکن کلیسا کی عدالت کے فیصلے کے بعد کسی کو اُن کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ اور شہر کے عوام کی اکثریت بھی اُن کے خلاف مشتعل ہو چکی تھی۔"

یوسیبیا اور فسطینہ تھیوڈوسیس کی موت کی تفصیلات پوچھ رہی تھیں اور ایرانی افسر سریانی زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ مکان کے باہر اُس کے سپاہی تین عربوں کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔ ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے افسر سے کہا۔"جناب! اُن عربوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ وہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"انہیں پڑاؤ میں لے جاؤ، شراب کا نشہ اُترنے کے بعد اُن کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اُن کے سردار کو یہاں سے نکالو اور کم از کم چار آدمیوں کو پہرا دینے کے لئے یہاں چھوڑ دو۔"

سپاہی نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور تین آدمی بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، ایرانی افسر آگے بڑھ کر عرب سردار کو جھنجھوڑنے لگا اور اُس نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیں۔ ایرانی افسر کے اشارے پر سپاہیوں نے اس کے بازو پکڑ کر اُسے اٹھایا اور دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ اُس نے بدحواسی کی حالت میں چند قدم اُٹھائے اور پھر اچانک اپنے آپ کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن چار آدمیوں کے مقابلے میں اُس کی پیش نہ گئی اور وہ اُسے زبردستی کمرے سے باہر لے گئے۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے مخاطب ہو کر کہا۔"یہ عرب سخت منتقم مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ شخص دوبارہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں آپ کا گھر محفوظ نہیں۔ اس لئے جب تک آپ یہاں ہیں میرے سپاہی آپ کے دروازے پر پہرا دیں گے۔ میں سپہ سالار کو آپ کے متعلق اطلاع دینے جا رہا ہوں اور اگر انہوں نے اجازت دی تو میں بذاتِ خود آپ کی حفاظت کے لئے یہاں آ جاؤں گا۔ اگر سپہ سالار نے آپ کو کسی اور محفوظ

جگہ ٹھہرانا ضروری خیال نہ کیا تو میں اِس بات کا خیال رکھوں گا کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر اِس نوجوان کو اپنی جان عزیز ہے تو اِسے مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی لخمی یا تمیمی دستے کا آدمی ہوگا لیکن یہ تو کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے جواب دیا۔"اگر یہ نوجوان یروشلم سے دمشق تک ہمارا ساتھ نہ دیتا تو ہم اِس وقت رومیوں کی قید میں ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شہنشاہ ایران کی نظروں میں سین کی بیوی اور بیٹی کی کوئی قیمت ہے تو وہ اِس نوجوان کو عزت کے قابل سمجھیں گے۔ تم اپنے سپہ سالار سے کہو کہ جب تک مجھے اپنے خاوند کا حال معلوم نہیں ہوتا میں یہیں رہنا پسند کروں گی۔"

"بہت اچھا! میں فی الحال چار آدمی یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن تھوڑی دیر میں چند اور آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" افسر یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ دونوں ہیلانہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

باقی سارا دن خیریت سے گزر گیا۔ سہ پہر کے قریب دمشق فتح کرنے والے لشکر کا سپہ سالار بذاتِ خود اظہارِ ہمدردی کے لئے سین کی بیوی کے پاس آیا۔ اور پہریداروں کو، جو بیرونی دروازے کے قریب پائیں باغ میں ایک خیمہ نصب کر چکے تھے، ضروری ہدایات دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

باب ۱۷

رات کے وقت عاصم سلوتی مکان کے ایک سرے پر مہمان خانے کے ایک کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ لیکن تھکاوٹ کے باوجود اُس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ دن بھر اُس نے ہیلانہ کی زبان سے اہلِ دمشق پر ایرانی لشکر کے وحشیانہ مظالم کی داستانیں سُنی تھیں۔ اور اُسے یہ خوبصورت شہر اپنے وطن کے ریگ زاروں سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتا تھا۔ وہاں قبائل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے اور یہاں سلطنتوں کا تصادم تھا۔ دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے نعرے اور قہقہے اور آس پاس کے مکانوں سے مفتوح قوم کی چیخیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے دِل میں کہہ رہا تھا "کاش! میں وحشت اور بربریت کے اِس طوفان کو روک سکتا ــــ کاش! میں دمشق کے ہر گھر پر پیغام دے سکتا سمیرا! تم نے کہا تھا کہ رات کے مسافر کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ لیکن وہ صبح کب آئے گی؟۔ کیا ان تاریک بادلوں کے آغوش سے کوئی آفتاب نمودار ہو سکتا ہے؟" عاصم کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُسے انسانیت کا مستقبل اس کے ماضی اور حال سے زیادہ بھیانک نظر آتا تھا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا "کاش! فسطینہ کی دنیا سمیرا کی دنیا سے مختلف ہوتی۔" دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلنے کے بعد اُس کو نیند آ گئی۔ لیکن پچھلے پہر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ بیرونی دروازے کی طرف پہریداروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اُس نے تلوار اٹھائی اور ننگے پاؤں باہر نکل آیا پائیں باغ میں چند آدمی مشعلیں اُٹھائے مکان کا رُخ کر رہے تھے۔ عاصم درختوں کی آڑ لیتا ہوا چند قدم اُس طرف بڑھا لیکن پھر اچانک کچھ سوچ کر بھاگتا ہوا اُس کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا جہاں یوسیبیا اور اُس کی بچی سو رہی تھیں۔ مشعلوں کی روشنی میں اُسے آٹھ دس آدمی دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم سوچ رہا تھا "وہ آپ ہے

ہیں۔ پہریداروں نے اُن کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی ـــــ شاید اُن کا افسر بھی غداری کر رہا ہو۔ میں اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر میں ایک بار اُن کا مُنہ پھیر دوں تو بھی یہ معاملہ ختم نہ ہوگا۔ اگر یہ بھاگ گئے تو اور آ جائیں گے اور اُن کی تعداد زیادہ ہوگی ـــــ فسطینہ کہتی تھی کہ اگر ہمارے مقدر ہی میں ذلت اور رسوائی ہے تو تم ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن میں اپنی زندگی میں اُس کی ذلت و رسوائی نہیں دیکھوں گا۔ اور اِس کے بعد مجھے اِس بات سے کوئی سروکار نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میری آنکھیں اُسے سمیرا کی طرح مرتے ہوئے نہیں دیکھیں گی۔ وہ میری لاش روندے بغیر اُس کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میں انہیں تھوڑی دیر کے لئے روک سکوں تو سین کا کوئی وفادار دوست یہاں پہنچ جائے۔ آج ایرانی سپہ سالار بذاتِ خود اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آیا تھا ـــــ عاصم موت کے بھیانک چہرے پر اُمید کی روشنی تلاش کر رہا تھا۔ وہ مکان سے چند قدم دُور رُکے ایک دراز قامت آدمی نے دوسرے کے ہاتھ سے مشعل لینے کے بعد ان سب سے کچھ کہا اور وہ واپس چلے گئے۔ اجنبی تیزی سے آگے بڑھا اور عاصم دروازے کی محراب کے اندر سمٹنے لگا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم آگے نہیں جا سکتے۔“

اجنبی ٹھٹھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور میری آواز پر آن کی آن میں بیسیوں آدمی تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔“

عاصم نے جواب دیا۔ ”مجھے معلوم ہے لیکن تمہاری آواز حلق سے باہر نہیں نکل سکے گی۔“

اجنبی نے اطمینان سے کہا۔ ”تم عرب معلوم ہوتے ہو اور میں حیران ہوں کہ تم اِس گھر کی حفاظت کے لئے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو؟“

”اگر تم ایرانی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سین کی بیوی کا گھر ہے اور سین شہنشاہ کا دوست ہے۔“

”اور تم اُن کے محافظ ہو؟“

”تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا؟“

اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم بہت بہادر ہو اور بہت بیوقوف بھی۔ لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں بہت دُور سے آیا ہوں اور اب میرے لئے واپس قسطنطنیہ کا رُخ کرنا ممکن نہیں ـــــ میرا نام سین ہے۔“

عاصم سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ سین نے اپنے ہاتھ سے اُس کی تلوار ایک طرف ہٹا دی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو عاصم نے کہا۔ ”وہ اس وقت بہت خوفزدہ ہیں آپ انہیں آواز دیجئے۔“

سین چلایا۔ ”فسطینہ فسطینہ، بیٹی دروازہ کھولو میں آگیا ہوں۔“

فسطینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور ابّا جان، ابّا جان کہتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی۔

سین نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہیئے۔ پہریداروں نے مجھے تمہارے متعلق بتا دیا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اِس وقت دروازے پر کھڑے ہو گے۔ جاؤ اب آرام کرو۔“

عاصم مہمان خانے کی طرف چل دیا۔

○

اگلے دن دیر تک عاصم کو سین سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملا۔ وہ کبھی اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے کو دیکھتا اور کبھی پائیں باغ میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ مکان کے محافظ اُس کے ساتھ ادنیٰ خادموں کی طرح پیش آتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ اچانک فسطینہ اندر داخل ہوئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فسطینہ نے کہا۔ ”آج میں بہت دیر سوئی ہوں ـــــ امّی اور ابّا جان ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ وہ کھانے پر آپ کو بُلانا چاہتے تھے لیکن ہیلانہ نے کہا تھا کہ آپ کھانا کھا چکے ہیں۔ ہم صبح تک آپ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ ابّا جان اب سپہ سالار سے ملنے جا رہے ہیں۔ واپس آکر وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ امّی جان کہتی ہیں کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ ابھی انہوں نے ایک آدمی کو آپ کے لئے نیا لباس خریدنے بھیجا ہے۔“

عاصم نے کہا۔ ”مجھے نئے لباس کی ضرورت نہیں ـــــ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آپ کے ابا جان خیریت سے گھر پہنچ جائیں اور یہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔ اب دمشق کو خدا حافظ کہتے ہوئے میرے دل پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔“

فسطینہ نے جواب دیا۔ ”اب آپ کے میزبان میرے ابّا جان ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اُن کا کام ہے کہ آپ کب جا رہے ہیں؟ اور جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ آپ جس جگہ جا رہے ہیں وہ دمشق سے بہتر ہے

وہ آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے۔"

باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فسطینہ نے مُڑکر دیکھتے ہوئے کہا۔"ابا جان آرہے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔اور فسطینہ ایک طرف ہٹ گئی۔سین کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے ایک قدم کے فاصلے سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔"میں ایک ضروری کام سے باہر جارہا ہوں اور واپس آکر اطمینان سے تمہارے ساتھ باتیں کروں گا۔میری بیٹی کہتی ہے کہ تم بھاگ جاؤ گے اور میں اسے یہ اطمینان دلاچکا ہوں کہ تم اِس گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلو گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"نہیں!ہم اپنے محسنوں کو حکم نہیں دیا کرتے۔فسطینہ!میری غیر حاضری میں تمہیں اپنے مہمان کا خیال رکھنا چاہیئے۔"سین نے عاصم کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

شام کے وقت عاصم اپنے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ہیلانہ کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے سکونتی مکان سے نمودار ہوئی اور اُس کے قریب آکر بولی۔"لیجئے!یہ آپ کے کپڑے ہیں۔آپ انہیں جلدی پہن لیجئے۔فسطینہ کے ابا جان آپ کا انتظار کررہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔"کیا وہ نئے لباس کے بغیر کسی سے ملاقات نہیں کرتے؟"

ہیلانہ نے پریشان ہوکر جواب دیا۔"نہیں!انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کپڑے پہن کر ہی اُن کے پاس آئیں۔لیکن فسطینہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ لباس تبدیل کرلیں۔"

عاصم نے اُس سے گٹھڑی لے کر کمرے کے اندر پلنگ پر پھینک دی اور واپس آکر بولا۔"لباس تبدیل کرنے میں دیر ہوجائے گی۔میں پہلے اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ہیلانہ کچھ کہے بغیر اُس کے آگے آگے چل پڑی اور تھوڑی دیر بعد اُس نے سکونتی مکان کے ایک نیم وا دروازے کے سامنے رُکتے ہوئے کہا۔"آپ اندر تشریف لے جائیے!"

عاصم جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔کمرے میں دو مشعلیں جل رہی تھیں اور سین، یوسیبیا اور فسطینہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔سین نے اُسے دیکھتے ہی اپنے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"بیٹھ جاؤ!میری بیوی

بیٹی کی یہ خواہش تھی کہ میں اُن کی موجودگی میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔اور میں ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ایران کے تمام امراء کو یہاں بلاتا اور اُن کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ اعلان کرتا کہ یہ نوجوان اِس دُنیا میں میرا سب سے بڑا محسن ہے۔اور میں آج سے اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔میرے لئے سریانی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار ممکن نہیں۔لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فارسی نہیں جانتے۔"

عاصم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

سین نے کہا۔"میں علی الصباح ایک مہم پر جارہا ہوں۔لیکن دمشق چھوڑنے سے پہلے میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں۔دولت کی میرے پاس کمی نہیں۔فسطینہ اور اس کی والدہ تمہاری بدولت جو جواہرات بچالائی ہیں اُن پر تم سے زیادہ کسی کا حق نہیں، وہ تمہیں قبول کرنے پڑیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

سین نے کہا۔"تم غریب الوطن ہو اور میں تمہیں شام اور آرمینیا کے ہر شہر میں بہترین محل، زمین اور باغات دلوا سکتا ہوں۔اگر تم کسی طاقتور دشمن کے ہاتھوں تنگ آکر اپنے وطن سے نکلے ہو تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں ایک فاتح کی حیثیت سے وہاں بھیجوں گا اور تمیمی اور لخمی قبائل کا ایک ایسا لشکر تمہارے ساتھ ہوگا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوگی۔میں یمن کے گورنر کو بھی شہنشاہ کی طرف سے تمہاری اعانت کا حکم بھجوا سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"معاف کیجئے!میں محلات، زمین اور باغات کی تلاش میں یہاں نہیں آیا۔یہ درست ہے کہ میری زندگی کی تمام راحتیں میرے وطن کی خاک میں دفن ہوچکی ہیں لیکن میں وہاں اُس آگ کی چنگاریاں نہیں لے جاؤں گا جس کے شعلے میں نے دمشق میں دیکھے ہیں۔میرے ہم وطنوں کے لئے قدرت کی یہی سزا کچھ کم نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔"

سین نے کہا۔"نوجوان!میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں ورنہ عرب پر ایرانیوں کے حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔عرب کا بہترین علاقہ یمن ہے اور وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں ہے۔عراقِ عرب کے

قبائل ہمارے باجگذار ہیں اور باقی عرب ایک ایسا صحرا ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو لیکن اگر تم ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیرباد کہہ چکے ہو تو مجھے اپنا دوست سمجھو میں تمہیں یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ تمہارا کوئی وطن یا گھر نہیں۔ تم دمشق کے حالات سے بہت پریشان معلوم ہوتے ہو اور میں خود بھی ایرانی لشکر کے طرزِ عمل سے خوش نہیں ہوں لیکن یہ جنگ کا زمانہ ہے اور ایرانی لشکر فاتح کی حیثیت سے ماضی کی انہی روایات پر عمل کر رہا ہے، جو رومیوں نے قائم کی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن آپ تو اِس جنگ کے مخالف تھے۔"

"ہاں! اور میں اس مخالفت کی سزا بھگت چکا ہوں۔ میں قیصر کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ تم شہنشاہ ایران کو ناراض کر کے ایک بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔ ایران اور روم کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں جنگ سے باز رکھا جائے۔ کسریٰ شہنشاہ موریس کے قاتلوں کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اگر تم روم کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو قسطنطنیہ کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کرو جو پرویز کی رنجش دور کر سکتا ہو۔ مجھے خدشہ تھا کہ فوکاس براہ راست میری باتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔ اس لئے میں نے اُس سے ملاقات کرنے سے پہلے بااثر امراء کو ہم خیال بنانا ضروری سمجھا لیکن کسی نے فوکاس کو بتا دیا کہ میں سینیٹ کے ارکان کو مرعوب کر رہا ہوں اور مجھے قید کر لیا گیا۔ پھر مجھے قرص کے ایک قید خانے میں یہ اطلاع ملی کہ قسطنطنیہ میں انقلاب آچکا ہے۔ فوکاس قتل کر دیا گیا ہے اور نئے قیصر نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں قرص سے قسطنطنیہ پہنچا اور مجھے ایک قیدی کی بجائے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے نئے قیصر ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔ میں نے ہرقل کی طرف سے اپنے شہنشاہ کو دوستی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی اور میرا خیال تھا کہ خسرو پرویز ہرقل کی طرف سے دوستی کا پیغام سن کر خوش ہوگا اور یہ جنگ ختم ہو جائے گی لیکن یہ میری دوسری حماقت تھی۔ انطاکیہ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور اب اس طوفان کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ فوکاس نے جو آگ جلائی تھی وہ اب خطرناک شعلوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اب میں اگر اسے بجھانے کی کوشش بھی کروں تو مجھے اپنے ہاتھ جلانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں انطاکیہ سے یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ دمشق اُس شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں جسے میں دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ قابلِ عزت سمجھتا تھا۔ تھیوڈوسیس نے مجھے رومیوں اور شامیوں سے محبت کرنا سکھایا

تھا لیکن ان کے نزدیک اُسے آگ میں جلانے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ میرا خُسر تھا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

سین نے جواب دیا۔ "میں پرویز کا ایک سپاہی ہوں۔ اور میری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ میں نے ایک سپاہی کی حدود سے باہر پاؤں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنے شہنشاہ کا خادم ہوں اور میرے آقا کو صلح اور امن کا راستہ دکھانے والوں کی بجائے ایران کی فتوحات کے پرچم لہرانے والوں کی ضرورت ہے۔ میری وفاداریاں ایران کے لئے ہیں اور اگر حالات نے ایران کو بازنطینی سلطنت کا دشمن بنا دیا ہے تو میں اپنے حصے کی ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا ـــــ اب ایران کا لشکر قسطنطنیہ فتح کئے بغیر نہیں رکے گا اور بازنطینی مقبوضات کے عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ قسطنطنیہ جلد فتح ہو جائے کیونکہ یہ جنگ جتنا طول کھینچے گی اُسی قدر ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تم اہل دمشق کے حالات سے بہت متاثر ہو لیکن جنگ کے آئین ہم نے نہیں بنائے۔ روم اور ایران صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی شہر رومیوں کے قبضے میں آجائے تو وہاں کے عوام کے ساتھ اُن کا سلوک اِس سے بہتر نہیں ہوگا۔"

عاصم نے کہا۔ "میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ اگر فوکاس، شہنشاہ موریس کو قتل کر کے بازنطینی سلطنت پر قبضہ نہ کرتا تو ایران کو حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن اب جب کہ فوکاس قتل ہو چکا ہے اور نیا قیصر ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا خواہش مند ہے تو پرویز کے لئے اس جنگ کو جاری رکھنے کا کیا جواز ہے؟"

سین نے جواب دیا۔ "ہمارے شہنشاہ کے لئے جنگ جاری رکھنے کی سب سے بڑی وجہ اُن کی فتوحات ہیں۔ ایک شکست خوردہ فوج ہمیشہ صلح اور امن کی طرف راغب ہوتی ہے لیکن ایک فاتح لشکر کو ایک کامیابی ہمیشہ دوسری کامیابی کا راستہ دکھاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ روم اور ایران کبھی ایک دوسرے کے دوست نہ تھے۔ بعض حالات نے عارضی طور پر انہیں جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خسرو پرویز کو بہرام سے نپٹنے کے لئے شہنشاہ موریس کی اعانت کی ضرورت تھی اور موریس یہ محسوس کرتا تھا کہ بہرام کے مقابلے میں پرویز کو مدد دینا رومیوں کے لئے زیادہ سود مند ہوگا۔ بہرام سے انہیں یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ لڑے بغیر اپنی سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی رومیوں کے حوالے کر دے گا لیکن پرویز کے متعلق شہنشاہ موریس کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک

کمزور ہمسایہ ثابت ہوگا۔ پرویز نے رومیوں کی اعانت کے صلے میں آرمینیا کے بیشتر علاقے اُن کے حوالے کردیئے تھے لیکن اگر رومیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کسریٰ نے ہمیشہ کے لئے اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو اُن کی غلطی تھی۔ پرویز کو اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت تھی اور فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل سے اُسے یہ بہانہ مل گیا۔ اگر شہنشاہ موریس قتل نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ دو چار سال اور خیریت سے گزر جاتے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ایران اور روم کے جو تعلقات ہنگامی مصلحتوں کے تحت استوار ہوئے تھے وہ کسی دائمی امن کی ضمانت ہوسکتے ہیں۔ اگر آرمینیا میں ایرانی لشکر کو کسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تو ممکن ہے کہ پرویز اپنی تلوار نیام میں کرنے پر مجبور ہوجاتا لیکن اب رومیوں کے مقابلے میں اُسے پہلی بار اپنی قوت کا احساس ہوا ہے اور یہ احساس اس قدر شدید ہے کہ وہ صلح اور امن کے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن آپ ان سب باتوں کے باوجود اس جنگ کو پسند نہیں کرتے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "میری پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی ـــــ انطاکیہ میں شہنشاہ سے ملاقات کے بعد میرے لئے صرف دو راستے تھے ایک یہ کہ میں پوری قوت کے ساتھ اس جنگ کے خلاف اپنی آواز بلند کروں اور وہ مجھے بزدل، یا رومیوں کا طرف دار سمجھ کر کچل ڈالیں اور دوسرا یہ کہ میں اس حقیقت کا اعتراف کروں کہ اِس لڑائی کو روکنا اب میرے بس کی بات نہیں۔ صلح اور جنگ کے متعلق سوچنا ایک بادشاہ کا کام ہے۔ مجھے صرف اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیئے جو ایران کے ایک سپاہی کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتی ہیں ـــــ میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ مجھے خون بہانے میں کوئی لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے اُس آدمی کی نگاہوں سے گر جانا پسند نہیں جسے وقت آنے پر میں کوئی اچھا مشورہ دے سکتا ہوں۔ خسرو پرویز کبھی میرا دوست تھا اور میرے مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت اُس کے صلاح کار ایسے لوگ ہیں جنہیں میرے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ میری آخری اُمید یہی ہے کہ کسی دن میں اُس کا کھویا ہوا اعتماد حاصل کرسکوں گا۔ اور صلح و امن کے حق میں میری آواز شہنشاہ کے کانوں کو ناخوش گوار محسوس نہیں ہوگی۔ میری غیر حاضری میں بعض حاسدوں کو شہنشاہ کے کانوں میں زہر بھرنے کا موقع مل گیا تھا لیکن میں اُنہیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ شہنشاہ عنقریب یہاں پہنچ رہا ہے اور اس کے بعد شاید مجھے کسی محاذ پر بھیج دیا جائے۔ لیکن جب تک میں یہاں ہوں

تمہیں اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"دمشق پہنچنے سے پہلے میری بیوی اور بیٹی تمہاری پناہ میں تھیں اور اب تم میری پناہ میں ہو۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں صرف اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ہم دنیا کی ہر خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر میں تمہارے لئے کچھ نہ کرسکا تو مجھے ساری عمر افسوس رہے گا۔"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا بالآخر اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھے سر چھپانے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا سفر کہاں ختم ہوگا؟ مجھے ایران اور روم کی جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھ کو ایک غریب الدیار سمجھ کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو آپ مجھے احسان ناشناس نہیں پائیں گے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

سین نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دوں گا جو ایک باپ اپنے بیٹے یا ایک دوست اپنے دوست کو نہ دے سکے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے کمرے میں جاکر لباس تبدیل کرو اور پھر واپس آکر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

سین مسکرا رہا تھا اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس خوش وضع انسان کی نگاہیں سنگلاخ چٹانوں کو بھی موم بناسکتی ہیں وہ اپنے دل میں محبت اور اطاعت کی دھڑکنیں محسوس کرتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر جب وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا سین کی باتوں پر غور کر رہا تھا تو اُسے ایک الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ اُسے یہ توقع نہ تھی کہ ایران کا ایک جرنیل اُس سے اس درجہ بے تکلفی کے ساتھ پیش آئے گا۔ پھر اُسے سین کی گفتگو کے دوران میں یوسیبیا کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر بار بار یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہے اور سین کا مقصد اُس کی دلجوئی سے کہیں زیادہ اپنی بیوی کو مطمئن کرنا ہے۔

عاصم کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ زمانے کی گردش نے ایک جری انسان کو امن اور جنگ کے متعلق اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور کردیا ہے۔

چند دن بعد کسریٰ پرویز انطاکیہ سے دمشق پہنچ گیا اور ایران کے لشکر نے شام کے کئی اور شہروں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد لبنان پر یلغار کردی۔ لبنان کے ساحلی شہر دفاعی لحاظ سے خاصے مضبوط تھے اور سمندر کی طرف

سے اُن کے رسد و کمک کے راستے کھلے تھے لیکن رومیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی جگہ بھی جم کر مقابلہ نہ کرتے دمشق میں پرویز کی آمد کے بعد سین کی یہ پریشانی دور ہو چکی تھی کہ وہ شہنشاہ کی نگاہوں سے گر چکا ہے۔ اب وہ دربار میں اُن چند سرکردہ جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہوتا تھا جو جنگی امور کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ پرویز دمشق کے اُس عالیشان محل میں مقیم تھا جہاں فتح سے قبل رومی حاکم رہا کرتے تھے۔ سین صبح ہوتے ہی محل میں چلا جاتا اور غروب آفتاب تک وہاں مصروف رہتا۔ بعض اوقات وہ گھر آکر بھی کئی کئی گھنٹے مختلف محاذوں کے جنگی نقشے تیار کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

ان ایام میں عاصم کی حالت ایک ایسے انسان کی سی تھی جو کسی تیز رفتار ندی کے بھیانک گرداب سے نکلنے کے بعد کنارے کی چٹان کے دوسری طرف ایک بڑے دریا کی طغیانیوں کا مشاہدہ کر رہا ہو اور جسے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یکساں دشوار اور ہمت شکن محسوس ہوتا ہو۔ یہ چٹان سین کا گھر تھا جہاں پاؤں جمانے کے بعد وہ ماضی کے گرداب کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن اس سے آگے اُس کے مستقبل کی تمام منزلیں زیادہ بھیانک اور زیادہ حوصلہ شکن طوفان کے آغوش میں چھپی ہوئی تھیں۔

یہ گھر حال اور مستقبل کے درمیان ایک جزیرہ تھا جہاں اُس کی خواہش صرف زندہ رہنے تک محدود تھی۔ وہ علی الصباح اٹھتا۔ اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا، پائیں باغ میں ٹہلتا اور پھر جب اسے اپنے گرد و پیش سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی تو مہمان خانے کے ایک کمرے میں جا بیٹھتا۔ یوسیبیا اُس کے ساتھ حسب معمول انتہائی شفقت سے پیش آتی لیکن کبھی کبھی اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے دل پر جبر کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جنگ کے باعث جو اداسی دمشق کے در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی وہ کبھی کبھی اُس کے پُر وقار چہرے کو بھی مغموم بنا دیتی تھی ــــ نوکر جن کی تعداد اب سات تک پہنچ چکی تھی مختلف محاذوں پر ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں لاتے تھے۔ یوسیبیا بظاہر ان خبروں پر مسرت کا اظہار کرتی لیکن عاصم کو بارہا ایسا محسوس ہوتا کہ سین کی بیوی اپنے صحیح احساسات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ فسطینہ اُس سے مختلف تھی۔ اُسے اِس بات پر فخر تھا کہ وہ سین کی بیٹی ہے اور اُس کا باپ شہنشاہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اُسے ایران کا سب سے بڑا جرنیل اور پرویز کو ساری دنیا کا فاتح دیکھنا چاہتی تھی۔ رومی اور یونانی سپاہیوں کی تباہی اور اہل شام کی مظلومیت کے متعلق اُس کے تاثرت

ہی ماں سے قطعاً مختلف تھے۔ وہ بے حس یا سنگدل نہ تھی اور کبھی کبھی شامیوں کی مظلومیت کی داستانیں سُن کر اس کے شگفتہ چہرے پر غم کے بادل چھا جاتے تھے لیکن ایرانیوں کے مظالم سے شاکی ہونے کے باوجود اُسے یہ یقین تھا کہ رومی بلاوجہ اس جنگ کو طول دے کر اہل شام کے مصائب میں اضافہ کر رہے ہیں، وہ اکثر کہتی "قیصر یہ جانتا ہے کہ وہ ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُس کی افواج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہار نہیں مانتا۔ اگر وہ ہمارے شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لے تو یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ کاش! رومیوں کو کوئی یہ بات سمجھا سکتا کہ ایرانی قسطنطنیہ فتح کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ فسطینہ مختلف طریقوں سے عاصم کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی کہ ایران کے لشکر میں ایک بہادر سپاہی کے لئے شہرت اور ناموری کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ابا جان تمہارے لئے بہترین عہدہ حاصل کر سکتے ہیں اور تم کسی دن ایران کے شہنشاہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکو گے لیکن عاصم اُس کی باتوں کو ایک بچے کی دل لگی سمجھ کر گفتگو کا موضوع بدل دیتا۔

کچھ دنوں سے عاصم نے سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے فارسی زبان سیکھنی شروع کر دی تھی اور اُس کی درخواست پر سین فوج کے ایک عمر رسیدہ سپاہی کو اپنے گھر لے آیا تھا جس نے نوشیروان کے زمانے میں گرفتار ہونے کے بعد ایک رومی افسر کے غلام کی حیثیت سے اپنی جوانی کے ابتدائی سال قسطنطنیہ اور شام کے مختلف شہروں میں گزارے تھے۔

اس بوڑھے سپاہی کا نام فیروز تھا اور وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ سریانی، رومی اور یونانی زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ عاصم کو سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے کسی ساتھی اور فیروز کو بڑھاپے میں کسی قدردان کی ضرورت تھی چنانچہ وہ چند دن میں ایک دوسرے کے ساتھ خاصے بے تکلف ہو گئے فیروز درمیانے قد اور دوہرے جسم کا ایک تندرست اور توانا آدمی تھا۔ اُس کے بال سفید ہو چکے تھے لیکن چہرے پر ابھی تک جوانوں کی سی تازگی نظر آتی تھی۔ سین نے اُسے عاصم کو فارسی سکھانے کے علاوہ اُس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سونپ دی تھی اور وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی عاصم اور فیروز سیر و شکار کے بہانے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکل جاتے اور جب وہ تھک کر کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے تو فیروز اپنے بچپن یا جوانی کی کوئی دلچسپ داستان شروع کر دیتا۔

ایک رات عاصم فیروز سے باتیں کر رہا تھا۔ سین کا ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب آقا آپ کو یاد فرماتے ہیں۔"

عاصم کسی توقف کے بغیر اٹھا اور نوکر کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک خوبصورت قالین پر بیٹھا ایک نقشہ دیکھنے میں منہمک تھا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر ادب سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ سین نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عاصم! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شہنشاہ نے میرا مشورہ مان لیا ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی۔"

"نہیں" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس مرتبہ میں نے انہیں صلح کا مشورہ دینے کی حماقت نہیں کی۔ بلکہ اس بات پر زور دیا کہ ہمیں یروشلم پر چڑھائی کرنے سے پہلے لبنان کی چند اور بندرگاہوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے تاکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہو ـــــ ہمارے جرنیلوں کی اکثریت اس بات کی حامی تھی کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پر چڑھائی کر دینی چاہیئے۔ وہاں سے کل یہودیوں کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے بھی شہنشاہ پر زور دیا تھا کہ رومی افواج فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے یروشلم میں جمع ہو رہی ہیں اس لئے ہمیں حملے میں تاخیر کر کے انہیں مزید تیاری کا موقع نہیں دینا چاہیئے لیکن میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یروشلم کے محاصرے نے طول کھینچا تو اہل روم کو اپنی بحری قوت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اس لئے ہمیں یروشلم کا محاصرہ کرنے سے پہلے اُن کی کمک کے راستے بند کر دینے چاہئیں۔ آج ایک طویل بحث کے بعد شہنشاہ نے میری تجویز مان لی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مجھے قیساریہ کا محاصرہ کرنے والے لشکر کو کمک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ میں کل صبح یہاں سے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ چند دن تک شہنشاہ خود بھی لبنان کے محاذ پر پہنچ جائیں گے۔ اس جنگ کو ختم کرنے کی اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہم رومیوں کو اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیں کہ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اُن کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ بلا تاخیر ہتھیار ڈال دیں ـــــ میں علی الصباح فوج کے مستقر میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں سے محاذ پر روانہ ہو جاؤں گا اس لئے شاید تم سے دوبارہ ملاقات کا

موقع نہ ملے ـــــ میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو گے اور میری غیر حاضری میں دمشق چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کرو گے ـــــ یہ حکم نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، ایک ایسے شخص کی درخواست جو تمہیں اپنا بیٹا سمجھنے میں ایک راحت محسوس کرتا ہے۔ میری عمر کا انسان نئے ساتھی اور دوست تلاش نہیں کرتا لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم جیسے ہمیشہ سے میرے ساتھ ہو۔"

عاصم نے متأثر ہو کر کہا۔ "اِس گھر سے باہر میرے لئے کوئی جگہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

سین مسکرایا "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد عاصم اپنے بستر پر لیٹا اپنے دِل میں سین کی گفتگو دُہرا رہا تھا۔ اُسے اس بات کی کوئی خوشی نہ تھی کہ پرویز نے لبنان کی بندرگاہیں فتح کرنے کے متعلق سین کا مشورہ مان لیا ہے۔ تاہم یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے خیالات ایرانیوں کی فتح کے حق میں تھے اور اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سین محاذِ جنگ پر جا رہا تھا۔

باب ۱۸

عاصم کو سین کے گھر میں زندگی کی تمام آسائشیں میسر تھیں۔ ماضی کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔ وہ دنیا جسے عاصم اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے پردوں میں چھپتی جا رہی تھی۔

ابتدا میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں اُسے پریشان کیا کرتی تھیں اور وہ ہر نئے شہر یا قلعے پر ایرانیوں کی فتح یابی کی خبر سننے کے بعد اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیا کرتا تھا ـــــ لیکن اب وہ ان خبروں کا عادی ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کی بربریت کے خلاف اگر اُس کے دل میں کوئی نفرت تھی تو وہ سین سے عقیدت کے جذبات میں دب چکی تھی۔ تاہم جب وہ تنہائی کے لمحات میں اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچتا تو اُسے اِس قسم کے خیالات پریشان کرنے لگتے، میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟۔ اس گھر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں کب تک روم اور ایران کی جنگ سے بے تعلق رہ سکتا ہوں؟ یہ گھر اس دنیا میں میری آخری جائے پناہ ہے۔ سین نے اُس وقت میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جب میرا کوئی سہارا نہ تھا۔ کیا وفاداری کا یہ تقاضا نہیں کہ میں اُس کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھوں۔ وہ میدان جنگ میں میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا؟ اُس کی بیوی جو عیسائی ہونے کے باوجود صبح و شام اپنے شوہر کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے اور اُس کی بیٹی جس کا چہرہ ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں سُنکر دمک اُٹھتا ہے، میرے متعلق کیا سوچتی ہوں گی۔ اور یہ نوکر جنھیں فسطینہ میری بہادری کے قصّے سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے؟"

کبھی کبھی اُسے اِس گھر کی چار دیواری کے اندر ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگتی اور اُس کا جی چاہتا کہ وہ

بے بسی اور مجبوری کی زنجیریں توڑ کر کسی ایسے ویرانے کی طرف نکل جائے جہاں اُسے جاننے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن پھر کسی کے کسی گوشے سے فسطینہ کے معصوم قہقہے سنائی دیتے اور زندگی کے تلخ حقائق اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ایک دن فسطینہ بھاگتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور عاصم کو ایسا محسوس ہوا کہ کائنات کی ساری خوشیاں اور تمام قہقہے اُس کی آنکھوں میں سما گئے ہیں۔ وہ بولی "ابا جان کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے تین شہر اور فتح کر لئے ہیں۔ دیکھئے یہ اُن کا خط ہے۔ انہوں نے امی جان کو آپ کے متعلق بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ میں آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں ـــــ وہ لکھتے ہیں مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا ہے کہ میں ساری عمر اس کی نیکی کا بدلہ نہیں دے سکوں گا۔ میں واپس آکر اُسے کسی ایسے کام پر لگا دوں گا جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ میں نے شہنشاہ سے اُس کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ایسا نوجوان ہماری طرف سے انعام کا مستحق ہے۔ میں کسی دن موقع ملتے ہی اُسے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

عاصم کوئی جواب دینے کی بجائے اِس انجان لڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور وہ قدرے توقف کے بعد بولی "مجھے یقین تھا کہ ابا جان آپ کے لئے کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب آپ شہنشاہ کے سامنے پیش ہوں گے تو آپ کے لئے عزت اور شہرت کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی لشکر کے سالار بن جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کسی علاقے کا حاکم بنا دیا جائے۔"

عاصم مسکرایا۔ "اگر میں سالار یا حاکم بن جاؤں تو تم خوش ہو جاؤ گی؟"

"ہاں۔" اُس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا۔ "پھر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوگی کہ آپ جنگ میں حصّہ لینے سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آپ کو کسی کی بھبتیں چرانے کا خیال بھی نہ آئے گا۔"

فسطینہ ہنستی ہوئی واپس جا رہی تھی اور عاصم پہلی بار چند برس آگے ان دنوں کا تصوّر کر رہا تھا جب وہ کسریٰ کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے کسی بڑی مہم سے واپس آ رہا ہوگا اور کسی خوبصورت محل کے دروازے پر اس کمسن لڑکی کی بجائے ایک عورت اُس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوگی ـــــ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ حسین تصورات مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے ـــــ وہ اپنے دِل میں کہہ رہا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں پرویز کی فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کسی خوبصورت محل پر میرا انتظار کرنے والی عورت فسطینہ ہو۔ میں ایک عرب ہوں اور سین کی بیٹی کسی ایرانی شہزادے کی راہ دیکھنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ میں اُسے

اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہوں لیکن میری دنیا اُس کے لئے بہت تنگ ہے۔ اور اُس کی دنیا میں کسی دن میری حیثیت اُن ستاروں سے مختلف نہیں ہوگی جن کی ٹمٹماہٹ طلوع آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔"

پھر جب اپنی غریب الوطنی، کم مائگی اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹنے لگا تو اُس کے دل کی گہرائیوں میں وہ جذبۂ خود پسندی کروٹیں لینے لگا جو زندگی کے ہر امتحان میں ایک بدوی کا آخری سہارا تھا۔ اب وہ اپنے دل کو تسلی دے رہا تھا۔ میں اپنے ماضی کو واپس نہیں لا سکتا لیکن مجھے اپنے حال اور مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا کی راحتیں اُن لوگوں کا خراج ہیں جو تلوار کی نوک سے اپنا راستہ صاف کرتے ہیں اور میں اپنی تلوار پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ زندگی میں یہی میرا ایک ایسا دوست اور ساتھی ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا ــــ اسی نے میرے لئے سین کے گھر کا دروازہ کھولا ہے اور یہی مجھے آئندہ کے لئے اُس کی دوستی کا مستحق ثابت کر سکتی ہے۔ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کر کے میں ایران کے عالی نسب شہزادوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا ہوں۔ اگر یہ لوگ مجھے ایک بہادر آدمی سمجھتے ہیں تو میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

○

ایک دن عاصم فیروز کے ساتھ سیر کو نکلا اور دیر تک جبل البرز کی دلفریب وادیوں میں گھومتا رہا۔ شام کے قریب گھر پہنچتے ہی اُسے سین کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے ایک نوکر سے پوچھا "وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک!" اُس نے جواب دیا۔ عاصم کوئی اور سوال کئے بغیر آگے بڑھا اور اصطبل کے سامنے گھوڑے سے کود پڑا، ایک نوکر نے بھاگ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عاصم چند ثانیے اُس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے اور تھپکیاں دینے کے بعد زین اُتارنے لگا۔ اچانک اُسے ایک بلند قہقہہ سنائی دیا اور وہ مڑ کر پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ فسطینہ چند قدم دور ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی اور وہ اُس کی مسکراہٹوں کے جواب میں پوری قوت کے ساتھ ہنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عاصم کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر فسطینہ آگے بڑھی اور اس اجنبی نوجوان کے کھوکھلے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

فسطینہ نے قریب آکر کہا۔ "ابا جان آگئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی آپ کے متعلق پوچھا تھا، آپ نے بہت دیر لگائی ــــ" عاصم نے کہا۔ "میں ذرا دور نکل گیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

"اندر سو رہے ہیں۔"

"اور وہ کون ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "یہ ایرج ہے اور ایران کے ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مدائن میں اس کا گھر ہمارے گھر کے سامنے تھا۔ اس کا باپ ابا جان کا دوست تھا۔ یہ آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہے اور اب لبنان کے محاذ سے ابا جان کے ساتھ آیا ہے۔"

ایرج جو تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔

فسطینہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ عاصم ہیں اگر یہ ہماری مدد نہ کرتے تو آج شاید ہم یہاں نہ ہوتے۔"

عاصم نے ایرج کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے عاصم کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا بہت خوبصورت ہے۔"

ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آگیا۔ تاہم اُس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا خوبصورت بھی ہے اور شریف بھی اور عرب، گھوڑوں کے ظاہری حُسن کی بجائے اُن کی شرافت کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔"

ایرج نے گھور کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہم گھوڑے کی شرافت کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے سوار کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری ملاقات اِس گھر کی بجائے کسی اور جگہ ہوتی تو میں اپنے نوکروں سے کہتا کہ اس گھوڑے کو ایک اچھے سوار کی ضرورت ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اِس کی قیمت کیا ہے؟"

عاصم نے زین اتار کر نوکر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اِس کی قیمت ایک بہادر اور شریف دوست کی مسکراہٹ ہے۔"

فسطینہ جواب تک پریشانی کی حالت میں اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ ایرج سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ ہمارے گھر میں مہمان اپنے گھوڑے فروخت کرنے آتے ہیں؟"

ایرج کا غرور پریشانی میں تبدیل ہو رہا تھا اور اُس نے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے صرف مذاق کر رہا تھا فسطینہ! مجھے معلوم تھا کہ یہ عرب اپنے گھوڑے پر جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

نوکر گھوڑے کو اصطبل کے اندر لے گیا اور فسطینہ نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔"ابا جان! بہت تھکے ہوئے تھے جب وہ بیدار ہوں گے تو میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں گی۔"

فسطینہ وہاں سے چل پڑی اور ایرج اُس کے ساتھ ہو لیا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔"آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ایرج ایک انتہائی مغرور اور بدمزاج نوجوان ہے۔ اور اُس کا غرور بلاوجہ نہیں یہ ایران کے ایک انتہائی بااثر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اگر اُس کے دل میں سین کا احترام نہ ہوتا تو یہ تلخ کلامی آپ کے لئے انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی۔"

عاصم نے کہا۔"فیروز کیا تم بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے منہ پر طمانچہ کھا کر مسکرانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی؟"

فیروز نے جواب دیا۔"نہیں! میں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ کو ایک اژدہے کے منہ میں ہاتھ دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ کم از کم اُس وقت تک جب تک آپ کے بازوؤں میں اُس کے جبڑے چیرنے کی قوت نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ سین کی پناہ میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ایران میں بہت کم لوگ اُس سے زیادہ بااثر ہیں۔ وہ شہنشاہ کا دوست ہے اور اُس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ آج جب سینکڑوں ایرانی عیسائی ہونے کے شبہ میں موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ بڑے سے بڑا مجوسی پیشوا بھی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سین کی بیوی عیسائی ہے۔ لیکن یہی اُس کی ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کسی وقت بھی اُس کے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تم اِس بات پر حیران ہو کہ سین رزم اور ایران کی لڑائی کا مخالف ہونے کے باوجود خوشی سے محاذ پر چلا گیا تھا۔ لیکن میرے لئے یہ بات کوئی معما نہیں میں جانتا ہوں کہ آج اُس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنی بیوی کو شہنشاہ، امراء اور سب سے زیادہ مجوسی کاہنوں کے عتاب سے بچانا ہے۔ اگر تمہیں اُس سے کوئی ہمدردی ہے تو تمہاری کوشش بھی یہی ہونی چاہیئے کہ تمہاری وجہ سے اُس کا کوئی دوست دشمن نہ بن جائے اور ایرج ایک ایسا نوجوان ہے جس کی دشمنی اُس کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔"

عاصم نے فیروز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری وجہ سے سین کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

جب عاصم اور فیروز یہ باتیں کر رہے تھے۔ مکان کے کمرے میں یوسیبیا، ایرج اور اپنی بیٹی کی ناخوشگوار بحث سن رہی تھی۔

فسطینہ کہہ رہی تھی۔"مجھے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اُس آدمی کی توہین کریں گے۔ جس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری عزت بچائی ہے۔ اور آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ گھوڑے پر سواری کرنا نہیں جانتا۔؟"

اور ایرج اُسے مطمئن کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔"فسطینہ! میں اُس سے دل لگی کر رہا تھا اور ایک عرب کو اِس قدر حساس نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

یوسیبیا کچھ دیر اُن کی بحث سنتی رہی بالآخر اُس نے کہا۔"ایرج! وہ ایک غریب الوطن ہے لیکن ہمارا محسن ہے۔ کم از کم تمہیں ہماری خاطر اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے تھا۔"

ایرج نے کہا۔"مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اُسے اتنی اہمیت دیتی ہیں۔ بہرحال فسطینہ کو معلوم ہے کہ اُس نے میرے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی ـــــ اگر ابھی تک اُس کے دل میں کوئی رنجش ہے تو میں جانے سے پہلے اُسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یوسیبیا نے کہا۔"بیٹا! میں تمہاری شکر گزار ہوں اور اب فسطینہ کا گلہ بھی دور ہو جانا چاہیئے۔"

فسطینہ بولی۔"امی جان! مجھے کوئی گلہ نہیں۔"

سین کمرے میں داخل ہوا اور ایرج اور فسطینہ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ سین نے اپنی بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔"عاصم ابھی تک نہیں آیا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔"جی! وہ آ گیا ہے۔"

"اُسے یہیں بلا لو، بیٹی۔"

فسطینہ باہر نکل گئی اور سین نے ایرج کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔"ایرج! بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو۔"

ایرج بیٹھ گیا اور سین نے قدرے توقف کے بعد کہا۔"میں بہت دیر سویا ہوں، تم نے آرام نہیں کیا؟"

"جی! میں نے بھی تھوڑی دیر آرام کر لیا تھا۔"

سین نے کہا۔"میں نے تمہیں عاصم کے متعلق بتایا تھا؟"

"جی ہاں! اور میں ابھی اُس سے ملاقات بھی کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں ایسے آدمی کو ہماری فوج میں ہونا چاہیئے تھا"

"میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہے"۔ سین یہ کہہ کر یوسیبیا کی طرف متوجہ ہوا۔ "میرے خیال میں اب تک وہ فارسی میں کافی دسترس پیدا کر چکا ہوگا"۔

"ہاں! وہ بہت ذہین ہے اور اگر اُس کا لب و لہجہ درست ہو جائے تو کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرے گا، کہ وہ عرب ہے"۔

سین نے کہا "عربوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور میں نے کئی ایسے تاجر دیکھے ہیں جو متعدد زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہیں"۔

فسطینہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی لیکن عاصم تذبذب کی حالت میں دروازے کے باہر کھڑا رہا۔

سین نے فارسی میں کہا۔ "آؤ! عاصم ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔

وہ کمرے میں داخل ہوا اور سین کے اشارے پر ایرج کے قریب بیٹھ گیا۔

سین نے کہا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جنگی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے تمہارے مستقبل کے متعلق سوچوں گا اور تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جنگ اب ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہے۔ غزہ کے سوا بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے تمام قلعے ہمارے قبضے میں آ چکے ہیں اور اب ہماری فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئی ہیں، جہاں دشمن کا سب سے بڑا حصار یروشلم ہے۔ رومی اب اپنی تمام قوت وہاں جمع کر رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یروشلم میں شکست کھانے کے بعد وہ مشرق میں کسی اور محاذ پر ہمارا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے اور اس شہر پر قبضہ کرنے کی خواہش پوری ہونے کے بعد ہمارے شہنشاہ بھی شاید جنگ جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھیں۔ مجھے صرف ایک رات کے لئے گھر ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور کل میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں کچھ مدت اور یہاں ٹھہرنا پڑے تو تم اداس تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں"۔

فسطینہ کا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا اور یوسیبیا حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو کبھی ضرورت پڑے تو میں آپ کے خیمے پر پہرا دے سکوں"۔

سین نے جواب دیا۔ "تم اپنے دوستوں کے خیموں پر پہرا دینے کے لئے نہیں بلکہ دشمن کے قلعوں پر فتوحات کے پرچم لہرانے کے لئے پیدا ہوئے ہو ـــــ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن میں تمہارے شجاعت آزما کارناموں پر فخر کر سکوں گا۔ لیکن اگر تم جنگ سے نفرت کرتے ہو تو تمہیں محض میری خاطر فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں تم اچھی طرح سوچ لو"

"میں نے بہت سوچا ہے"۔ عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔

ایرج نے کہا۔ "تمہیں یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ لڑائی کے میدان میں عزت و ناموری کی طرف ہر نئے قدم کے ساتھ جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ میں آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہوں اور میں نے میدان میں گرنے والے بڑے بڑے سورماؤں کو پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترستے دیکھا ہے"۔

عاصم نے حقارت آمیز تبسم کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کو میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے، میں گرتے وقت آپ سے پانی نہیں مانگوں گا"۔

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! کہیں تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں آیا کہ اس گھر میں تمہاری ضرورت نہیں"؟

"نہیں"۔ عاصم نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کے بعد مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں"۔

سین سے کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد عاصم جب باہر نکلا تو وہ ایسا محسوس کرتا تھا کہ اُس کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا ہے۔

○

اگلے دن طلوعِ آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم سفر کی تیاری کر چکا تھا۔ نوکر اصطبل کے سامنے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ لیکن سین اور ایرج ابھی تک باہر نہیں نکلے تھے۔ عاصم کچھ دیر باغ میں ٹہلنے کے بعد بیٹھک کے کمرے میں چلا گیا۔ نوکر ناشتا لے آیا اور وہ کھانے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فسطینہ دبے پاؤں کمرے میں داخل

ہوئی اور وہ اپنے دِل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ بولی۔ "مجھ کو ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں گے۔ رات سوتے وقت میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں لیکن اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"فسطینہ!" عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والدین تمہارا یہاں آنا پسند نہیں کریں گے۔"

وہ مسکرائی۔ "ابا جان یہ جانتے ہیں کہ اُن کے بعد آپ سے بڑھ کر میرا اور کوئی محافظ نہیں ہو سکتا اور امی جان کو بھی معلوم ہے کہ میں آپ کو الوداع کہنے آئی ہوں۔ ابھی اُن سے میرا جھگڑا ہو گیا تھا وہ کہتی تھیں کہ آپ کو جنگ سے نفرت ہے اور آپ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے جنگ میں حصّہ لینے جا رہے ہیں۔"

"اور تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے کہا تھا کہ ایک بہادر انسان جنگ سے خائف نہیں ہو سکتا۔"

عاصم نے کہا۔ "تم واقعی اس سے خوش ہو کہ میں ایران کی فوج میں شامل ہو رہا ہوں؟ تمہاری والدہ عیسائی ہیں اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مذہب بھی اُن سے مختلف نہیں۔ مجھے ڈر ہے کل تم بھی مجھے ایک وحشی اور خونخوار انسان نہ سمجھنے لگو۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "میرے والد کسریٰ کے دوست ہیں۔ وہ ایران کے ایک نامور جرنیل ہیں اور میں فتوحات، شہرت اور عزت کے راستے میں اُن کا ساتھ دینے والوں کو وحشی یا خونخوار نہیں کہہ سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ جب آپ چلے جائیں گے تو دمشق کا شہر میرے لئے سونا ہو جائے گا لیکن میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ آپ اِس دنیا میں صرف میرے والد کے رفیق بن کر ہی کوئی قابلِ عزت مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب کوئی آپ کا ذکر کرے تو میں فخر سے سر اونچا کر سکوں۔ جب آپ فتوحات کے پرچم لہراتے ہوئے واپس آئیں تو میں آپ کے راستے میں پھول نچھاور کروں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوشی یہی ہو سکتی ہے کہ ایران میں کسریٰ اور میرے والد کے بعد آپ کا رتبہ سب سے بلند ہو اور میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ تم ایک عرب ہونے کے باوجود ایرج جیسے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عزت اور احترام کے حق دار ہو۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! مجھے عزت اور شہرت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم میری قبا پر خون کے چھینٹے دیکھ کر خوش ہو سکتی ہو تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ جنگ کے میدانوں میں میری سب سے بڑی تمنا یہی ہوا کرے گی کہ میں کسی دن تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ سکوں۔ لیکن اگر میرے لئے واپسی مقدر نہ ہوئی تو کوئی تمہیں یہ طعنہ نہیں دے سکے گا کہ میں ایک بزدل کی موت مرا تھا۔"

فسطینہ کی آنکھوں میں اچانک آنسو امڈ آئے اور اُس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں، نہیں، ایسا نہ کہیئے مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد واپس آئیں گے۔ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! تم سین کی بیٹی ہو اور چند سال بعد تمہیں میرے متعلق سوچتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہو گی۔ مجھے اس وقت بھی تمہارا یہاں آنا ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "آپ وعدہ کیجئے کہ جنگ کے میدان میں بلاوجہ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "فسطینہ! تمہیں میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا میں میری زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر تم مجھے اپنے ابا جان کی فتوحات میں شریک دیکھنا چاہتی ہو تو مجھے اُن تمام خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو ایک سپاہی کے حصّے میں آتے ہیں۔ جنگ کے میدانوں میں میرا خون دوسروں سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا جائے گا۔"

ہیلانہ اچانک دروازے کے سامنے نمودار ہوئی اور اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "فسطینہ تمہارے ابا جان تمہیں بلاتے ہیں۔"

فسطینہ جلدی سے باہر نکلی تو اُسے مکان کے وسطی دروازے کے سامنے اپنے والدین دکھائی دیئے وہ اُن کے قریب پہنچی تو سین نے بگڑ کر کہا۔ "فسطینہ! ہمارے گھر کے حالات دمشق کے راستے کی منزلوں سے مختلف ہیں۔ ایرج کیا خیال کرے گا؟ مجھے عاصم کے ساتھ تمہاری بے تکلفی پسند نہیں۔ تم اندر جاؤ!"

فسطینہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سین کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

سین نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ اب تم بچی نہیں ہو۔ مجھے

ذرتھا کہ عاصم ہمارے متعلق کیا خیال کرے گا۔"

فسطینہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے سین کی طرف دیکھا اور کہا "ابا جان مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ بُرا مانیں گے ورنہ میں وہاں نہ جاتی۔ اب آپ وعدہ کیجئے کہ اُسے میری غلطی کی سزا نہیں دیں گے۔"

"پگلی کہیں کی۔" سین نے یہ کہہ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور پھر اچانک باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد فسطینہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلی تو وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُس نے یوسیبیا کی طرف دیکھا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "امی جان! میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ اِس بے بسی کے عالم میں ہمارے در پر پڑا رہے۔ لیکن اگر وہ واپس نہ آیا تو میں بھی زندہ نہ رہوں گی آپ اُس کے لئے دعا کریں۔"

ماں نے بے اختیار اُسے سینے سے لگا لیا اور کہا "بیٹی! تم جانتی ہو کہ وہ مجھے ایک بیٹے کی طرح عزیز ہے۔"

لبنان کی گل پوش وادیوں میں خون کی ندیاں بہانے کے بعد ایرانی لشکر نے فلسطین کا رخ کیا اور اردن اور گلیلی کے علاقوں میں تباہی مچادی۔

اب ایران اور روم کی جنگ، آگ اور صلیب کے ایک فیصلہ کن معرکے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مقامی عیسائی اِس یقین کے ساتھ اپنے رومی آقاؤں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے کہ قدرت نوشیرواں کی طرح اُس کے پوتے کو بھی بیت المقدس سے دور رکھنے میں اُن کی مدد کرے گی۔ جو لوگ ایرانیوں کی پیش قدمی سے دہشت زدہ ہو کر اسکندریہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اُن کی جگہ شام اور لبنان سے بھاگنے والے وہ پادری اور راہب لے رہے تھے جن کے گرجوں اور خانقاہوں کو ایرانیوں نے آتش کدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ لوگ عوام کو مفتوحہ شہروں اور بستیوں کے لوگوں کی مظلومیت کی داستانیں سناتے تھے۔ اور اُن کے مُردہ حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے دینِ مسیح کی فتح و نصرت اور آتش پرست ایرانیوں کی تباہی اور بربادی کی بشارتیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایرانی اپنی عسکری برتری کے باوجود قدم قدم پر شدید مزاحمت سے دوچار ہو رہے تھے۔ گرجوں اور خانقاہوں میں اب روحانی برکات کی بجائے

تقسیم ہوتی تھیں اور ہزاروں راہب زندگی او رموت سے بے پروا ہو کر میدان میں آچکے تھے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایران کی لاتعداد فوج ارضِ مقدس کے شہروں اور بستیوں کو تباہ و ویران کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس جنگ میں فلسطین کے یہودی جو عیسائیوں کے ازلی دشمن تھے۔ من حیث القوم ایرانیوں کے حلیف بن چکے تھے۔ پرویز اُن کے نزدیک کوئی بیرونی حملہ آور نہ تھا بلکہ ایک ایسا مربی اور سرپرست تھا جسے قدرت نے انہیں نصرانیوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھیجا تھا۔ جب فاتح لشکر کسی قصبے یا شہر میں داخل ہوتا تھا تو جنگی قیدیوں اور نہتے عوام کو ٹھکانے لگانے کا کام اِس کینہ پرور قوم کے رضاکاروں کو سونپ دیا جاتا تھا جو برسوں سے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے کسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ ایرانی لشکر میں خونخوار یہودیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

اردن اور گلیلی کے علاقے فتح کرنے کے بعد پرویز کی فوجیں یروشلم کے گرد گھیرا ڈال رہی تھیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جانیں بچا کر بھاگنے والے انسانوں کے بعض قافلے غزہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے تھے اور بعض یروشلم میں پناہ لے رہے تھے۔

ایرانیوں، یہودیوں اور عراقِ عرب کے جنگجو قبائل کی متحدہ قوت کے سامنے پے در پے شکستیں کھانے کے باوجود یروشلم کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے متعلق عیسائیوں کا یقین متزلزل نہ ہوا تھا۔ چاروں طرف سے دشمن کی پیش قدمی کے باعث ان کی رسد اور کمک کے راستے مسدود ہو چکے تھے لیکن وہ مایوس نہ تھے۔ اُن کے بشپ اور راہب انہیں اس قسم کی تسلیاں دے رہے تھے کہ دشمن کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ جب وہ یروشلم پر حملہ کرے گا تو قدرت کی ان جانی اور ان دیکھی قوتیں حرکت میں آجائیں گی۔ فلاں راہب نے دینِ مسیح کی نصرت کے متعلق جو خواب دیکھے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ فلاں بزرگ نے جو پیش گوئی کی ہے وہ درست ثابت ہوگی۔ یروشلم کے بیشتر یہودی پہلے ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر ایران کے مفتوحہ علاقوں میں پناہ لے چکے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہیں فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی قوم کی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے تھے۔ جو عیسائی دوسرے شہروں سے فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے وہ اپنے ساتھ یہودیوں کے بے پناہ مظالم کی ان گنت داستانیں لائے تھے اور اب یروشلم میں یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا تھا جو انہوں نے اپنے عیسائی ہمسایوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔

گلیلی اور اردن کے چند یہودی جنھیں ایرانیوں نے جاسوسی کے لئے منتخب کیا تھا عیسائیوں کے بھیس میں یروشلم کے اندر داخل ہو چکے تھے اور مقامی لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک دن گلیلی کے کسی عیسائی پناہ گزین نے ایک یہودی جاسوس کو، جو نصرانی راہب کا لباس پہنے تھا، پہچان لیا۔ جاسوس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن عیسائی کی چیخیں سن کر چند آدمیوں نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑ کر مشتعل ہجوم کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جاسوس اپنے جرم کی سزا بھگت چکا تھا اور لوگ اُس کی لاش مسخ کر رہے تھے۔ اس کے بعد شام سے پہلے پہلے کئی لوگ جن میں سے اکثر بے گناہ تھے گرفتار کئے جا چکے تھے۔ عوام کو ایک اجنبی کے خلاف مشتعل اور پولیس کو پکڑ دھکڑ پر آمادہ کرنے کے لئے کسی انتہائی غیر ذمہ دار آدمی کا یہ نعرہ کافی سمجھ لیا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودی ہے اور پولیس اذیت رسانی کے ایسے طریقوں سے واقف تھی جو انتہائی معصوم آدمیوں کو بھی اقبالِ جرم پر مجبور کر دیتے تھے ـــــ جب ایک بے گناہ ناقابل برداشت جسمانی اذیتوں کے باعث جرم کا اقبال کرتا تو اُسے اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کے لئے مزید اذیتیں دی جاتیں۔ پھر اُس کی نشان دہی پر کئی اور بے گناہ آہنی شکنجوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ایرانیوں کی فتوحات کا سیل رواں ہر آن قریب آ رہا تھا اور یروشلم کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہ تھا۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے اپنے دو فرقے، نسطوری اور یعقوبی جنھیں کلیسا کا باغی خیال کیا جاتا تھا، مدتوں سے ایک انتہائی متعصب اور بے رحم اکثریت کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہے تھے۔ دائمی مصائب نے ان لوگوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کا بدترین دشمن بنا دیا تھا۔ جب تک رومی حکومت اور کلیسا کا دبدبہ قائم رہا یہ اقلیتی فرقے طوعاً و کرہاً ان کی وفاداری کا دم بھرتے رہے لیکن جب ایرانیوں کی فتح یقینی نظر آنے لگی تو یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے مستقبل کی ساری امیدیں کسریٰ سے وابستہ کر دیں۔

باب ۱۹

عاصم سین کی رفاقت میں فلسطین کے کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا۔ جنگ جس کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں ایک خلجان محسوس کیا کرتا تھا اب اُسے ایک کھیل محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسا کھیل جس سے اُس کی ابتدائی دلچسپی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کے جذبات سے خالی تھی۔ کسریٰ کی فتح یا قیصر کی شکست کی بجائے اُس کے لئے یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہم تھا کہ سین اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے اور وہ اُس کا دوست اور ساتھی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ عصبیتیں جنھیں وہ یثرب کی خاک میں دفن کر آیا تھا دوبارہ زندہ ہو رہی تھیں اور سین کے دوست اُسے اپنے دوست اور سین کے دشمن اُسے اپنے دشمن محسوس ہوتے تھے۔ سین ایران کی فتح کے لئے لڑ رہا تھا اور ضمیر کی دبی دبی سسکیوں کے باوجود یہ فتح عاصم کے لئے بھی ایک مقصدِ حیات بنتی جا رہی تھی۔

سین فرصت کے اوقات میں اُسے منظم لڑائی کے طور طریقے سکھایا کرتا تھا ـــــ اور عاصم اپنی خداداد ذہانت کے باعث اُس کی بلند ترین توقعات پوری کر رہا تھا ـــــ سین کو اگر عاصم کے متعلق کوئی بے اطمینانی تھی تو یہ کہ لڑائی کے میدان میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے اُس کا شوق بسا اوقات ضبط و نظم کے تقاضوں پر غالب آ جاتا تھا اپنے وطن میں عاصم نے صرف انتہائی محدود پیمانے پر وہ قبائلی لڑائیاں دیکھی تھیں جن میں فریقین کے پہلوانوں کی انفرادی شجاعت کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھا جاتا تھا لیکن دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں کے معرکوں میں ہزاروں انسانوں کا اجتماعی نظم و ضبط انفرادی شجاعت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

سین کو پانچ ہزار سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ وہ پرویز کے انتہائی ہوشیار جرنیلوں میں سے تھا اور عاصم کو ان

منظم جنگوں کے قواعد و ضوابط سکھانے کے لئے اُس سے بہتر اُستاد نہیں مل سکتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو اپنے پاس بٹھالیتا اور کوئی نقشہ کھول کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کبھی اُسے کسی گزشتہ لڑائی کے پلان کی خوبیاں اور خامیاں سمجھاتا اور کبھی آئندہ کے لئے صف بندی اور حملے کی مختلف تجاویز پر بحث شروع کر دیتا۔ عاصم کی فطری صلاحیتیں سین کی توقعات سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی تھیں اور چند ہفتوں میں اُسے پچاس سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ ان سواروں کے لئے یہ بات نئی تھی کہ اُن کا سالار ایک عرب تھا۔ اور ابتداء میں وہ یہی خیال کرتے تھے کہ اِس اجنبی کو کسی خدمت کے عوض نوازا گیا ہے۔ لیکن چند معرکوں کے بعد یہ دستہ ساری فوج میں ایک غیر معمولی شہرت و عزت حاصل کر چکا تھا اور اس کا ہر سپاہی اپنے سالار پر فخر کرتا تھا۔ عاصم کی نگاہوں میں ان پچاس سواروں کی حیثیت اپنے قبیلے کے آدمیوں کی سی تھی اور اس کی تمام دلچسپیاں انہیں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز، زیادہ بہادر، فرض شناس اور قابلِ اعتماد ثابت کرنے تک محدود تھیں۔ ایران کے سماج میں زیردستوں اور بالادستوں کا رشتہ بندوں اور آقاؤں کا رشتہ تھا اور فوج کے اندر بھی یہی حالت تھی۔ کہ افسر، جو عام طور پر طبقہ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے سپاہیوں کو غلاموں کی طرح حقیر سمجھتے تھے لیکن عاصم اپنے سپاہیوں کا غمگسار دوست اور دردمند ساتھی بن چکا تھا اور اپنے دل میں اُن کے لئے وہی شفقت محسوس کرتا تھا جو ایک عرب سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے آدمیوں کے لئے ہو سکتی تھی۔ اور یہ لوگ اُس کے اشارے پر جان دیتے تھے پھر جس طرح ایک سردار ہمیشہ اپنے قبیلے کی نگاہوں میں ممتاز رہنا پسند کرتا ہے۔ عاصم بھی اپنی ایک امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

لڑائی کے میدان میں سین کی نگاہیں ہمیشہ اُسے کسی ایسے مقام پر تلاش کرتی تھیں جہاں دشمن کا دباؤ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُس کے سپاہی سائے کی طرح، ہمیشہ اُس کے ساتھ لگے رہتے۔

لڑائی کے بعد جب اُس کے تھکے ہارے سپاہی کسی چٹان یا ریت کے ٹیلے پر سستاتے تو وہ بھی اُن کے پاس بیٹھ جاتا۔ وہ اُس کی موجودگی میں بے تکلفی سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے تھے اور وہ اُن کے ہر غم اور ہر خوشی میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ سین اِس بات پر خوش تھا کہ اُسنے عاصم کے افسردہ چہرے کے لئے مسکراہٹوں کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔

عرب قبائل کے رضاکار اور اُن کے سردار عاصم کی جرأت و ہمت کے معترف ہو چکے تھے۔ جب سے انہیں یہ

معلوم ہوا تھا کہ عاصم یثرب کے ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتا ہے وہ اُس سے اور بھی بے تکلف ہو گئے تھے۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو تیراندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی کے مقابلوں میں دعوت دیا کرتے تھے۔ اور وہ نامی گرامی پہلوانوں سے اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ چند ہی مہینوں میں عاصم کی مصروفیتوں میں اِس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے ماضی یا مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں، وہ اپنے سپاہیوں سے فراغت پاتا تو کسی عرب قبیلے کے رضاکاروں کی محفل میں جا بیٹھتا۔ تاہم ان تمام دلچسپیوں اور مصروفیتوں کے باوجود جب کبھی وہ اس جنگ میں یہودیوں کے کردار کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ شام اور فلسطین کے حالات یثرب کے حالات سے مختلف نہیں۔ وہاں یہودی اوس و خزرج کی دائمی نزاع میں اپنی بھلائی دیکھتے ہیں اور یہاں انہیں روم اور ایران کے شہنشاہوں کی زور آزمائی میں اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ یہودی جنگ کے میدان سے عام طور پر دُور رہتے تھے لیکن فتح کے بعد جب بے بس انسانوں پر قوت آزمائی کا موقع ملتا تو وہ سب سے آگے ہوتے تھے ——— کبھی کبھی اُن کی وطن دشمنی، شقاوت اور بربریت کے خلاف عاصم کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن یہ چیخیں جنگ کے ہنگاموں میں دب کر رہ جاتیں۔ وہ ایک ایسے تیز رفتار قافلے کے ساتھ شامل ہو چکا تھا جس کے مسافروں کو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی فرصت نہ تھی اور وہ ایک ایسا راستہ اختیار کر چکا تھا جس کی منزلیں خون میں ڈوبی ہوئی تھیں، اور یہودی اُس کی تمام نفرت و حقارت کے باوجود اُس کے ہم سفر بن چکے تھے۔ وہ ایک آندھی کے ساتھ اڑ رہا تھا ایک سیلاب کے ساتھ بہ رہا تھا اور اب کسی نئے راستے یا منزل کے متعلق سوچنا اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ لطیف اور نازک خیالات صرف اُس وقت پریشان کرتے جب اُسے رات کی تنہائیوں میں سوچنے کا موقع ملتا۔ لیکن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کا رُخ کرتے وقت وہ صرف ایک سپاہی رہ جاتا تھا۔ آئے دن اُس کے قدردانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت نے بعض لوگوں میں حسد و رقابت کے جذبات بھی بیدار کر دیئے ——— ایرج، سین کی فوج میں ایک ہزار سپاہیوں کا سالار ہونے کے باوجود عاصم کو اپنا حریف سمجھتا تھا——— اُس کے دل میں پہلی ملاقات کی تلخی ابھی تک باقی تھی۔ اور اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ عرب جس سے برابر کی سطح پر بات کرنے کے تصور ہی سے اُسے کراہت محسوس ہوتی تھی شہرت اور ناموری کے میدان میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ ——— ایرج نے عاصم کو ایک ایرانی دستے کا افسر بنانے کی مخالفت

کی تھی اور اُس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایرانی ایک عرب کی سرداری قبول نہیں کریں گے لیکن اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ایرانی، جنھیں اُس سے نفرت و حقارت سے پیش آنا چاہیئے تھا، اُس کے پجاری بن چکے ہیں۔

○

ایک دن پرویز کی فوجیں یروشلم سے چار منزلوں کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں کہ اچانک اُسے اطلاع ملی کہ غسانی قبائل کے ایک تازہ دم لشکر نے دفعتہً حملہ کر کے گلیلی کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اب یہ لوگ چند میل دُور ایرانی افواج کے عقب میں جمع ہو کر کسی بڑے حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

غسانی عرب عیسائی تھے اور رومیوں کے طاقتور حلیف خیال کئے جاتے تھے چنانچہ پرویز نے یروشلم پر حملہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھتے ہوئے کسی توقف کے بغیر سین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس مہم میں یمن اور عراق عرب کے رضاکار بھی شریک ہو گئے۔ اس لشکر میں ایرانیوں کے علاوہ دو ہزار عرب سوار لخم، تمیم اور دوسرے حلیف قبائل کی نمائندگی کرتے تھے۔ بنو بکر کے پانچ سو سواروں کے ایک قوی ہیکل سردار کا نام حابس تھا اور اُس سے عاصم کی ابتدائی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ روانگی کے وقت سین نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بذاتِ خود اِس مہم پر جانے کی بجائے، اپنے آدمیوں کی رہنمائی کے لئے کسی اور کو بھیج دو لیکن اُس نے جواب دیا "میرے قبیلے کے آدمی صرف میری موجودگی میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی سے پیچھے رہ جائیں"۔ پھر جب ایک شہر کے باہر کھلے میدان میں لڑائی شروع ہوئی تو حابس کے سپاہی پہلے ہلّے میں ہی دشمن کے قلب تک پہنچ چکے تھے۔ غسانی لشکر نے کچھ دور پیچھے ہٹنے کے بعد پوری قوت سے جوابی حملہ کیا اور اُس کے دائیں اور بائیں بازو کے سواروں نے آگے بڑھ کر حابس کے لئے پیچھے ہٹنے کا راستہ مسدود کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایرانیوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور غسانی دوبارہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن حابس کے جانباز ابھی تک اُن کے نرغے میں تھے۔ ایک شدید حملے کے بعد چند ایرانی اور عرب دستے دشمن کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھے لیکن اتنی دیر میں حابس کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی زخمی تھا اور بڑی مشکل سے گھوڑے پر اپنا

توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھی اپنی تلواروں اور نیزوں کی مدد سے دشمن کو پیچھے ہٹا رہے تھے۔ اچانک ایک غسانی کا نیزہ حابس کے گھوڑے کی گردن پر لگا۔ گھوڑا اُچھلا اور حابس ایک طرف لڑھک گیا۔ اس عرصہ میں عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ ایرانی لشکر کے چند اور دستے اس کی مدد کو پہنچ گئے اور انہوں نے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ عاصم نے گھوڑے سے کود کر گرے ہوئے سردار کو اٹھایا اور پلک جھپکتے میں اُسے زین پر ڈال کر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہو چکا تھا اور عاصم حابس کو ایک خیمے میں لٹا کر اُس کی ران کے زخم پر پٹی باندھ رہا تھا۔

ایک ساعت بعد جب حابس کو ہوش آیا تو سین، ایرج اور چند عرب سردار اُس کے گرد جمع تھے۔ اپنے تیمارداروں سے چند سوال کرنے کے بعد اُس نے پوچھا "اور وہ کون ہے جس نے میری جان بچائی ہے؟"

تمیمی رضاکاروں کے سردار نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تمہارا محسن یہ ہے"۔

حابس کچھ دیر بغور عاصم کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے احسانمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "نوجوان! میرے قریب آؤ"۔

عاصم آگے بڑھا اور حابس نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میں تمہارا شکر گزار ہوں"۔

ایرج نے کہا "تمہیں خودکشی کے لئے میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے بے معنی جوش سے کئی کارآمد آدمی مارے جا چکے ہیں"۔

حابس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور سین نے فوراً مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "وہ کارآمد آدمی اِس لئے مارے گئے کہ جب حملہ کرنے کی ضرورت تھی تم تذبذب کی حالت میں کھڑے تھے اگر تم بھی عاصم کی طرح فرض شناسی کا ثبوت دیتے تو اُن میں سے اکثر کی جانیں بچائی جا سکتی تھیں"۔

ایرج جسے ہر معاملے میں سین سے دلجوئی اور ناز برداری کی توقع تھی، اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور چند ثانیے بعد جب یہ لوگ جنگ کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے وہ اُن کی نگاہوں سے بچتا ہوا دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب سین اور دوسرے لوگ حابس کے خیمے سے جانے لگے تو حابس نے سین سے کہا۔

آپ تھوڑی دیر ٹھہریئے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سین رک گیا اور باقی لوگ خیمے سے باہر نکل گئے۔ حابس نے کہا۔ "مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ میں اپنی ہاتھ سے محروم ہونے کے بعد لڑنے کے قابل نہیں رہا لیکن لخمی اور تمیمی سرداروں نے میرے آدمیوں کو بزدلی کا طعنہ دیا تھا اور میں اُن پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تلوار اٹھائے بغیر بھی میں اپنے آدمیوں کو شیروں کی طرح لڑا سکتا ہوں۔ لیکن آئندہ کچھ عرصے کے لئے میں شاید گھوڑے پر سواری بھی نہ کر سکوں۔ اب میرے آدمیوں کو ایک اچھے راہنما کی ضرورت ہے اور یثرب کا یہ نوجوان، جس نے آج میری جان بچائی ہے، ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل ہے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ "آپ سے قبیلے سے آدمی اُس کی قیادت میں لڑنا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں! اُس نے میری جان بچائی ہے اور میرا ہر آدمی اُسے آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہوگا۔ میں نے سنا ہے کہ اپنے قبیلے سے اُس کا رشتہ کٹ چکا ہے اگر وہ پسند کرے تو میں اُسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کو تیار ہوں۔ میں اُسے اپنا بیٹا سمجھوں گا۔"

سین نے مضطرب سا ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "وہ ایک سپاہی ہے اور ایران کی فوج کے سوا اب اُس کا کوئی قبیلہ نہیں، میں اُسے رضامند کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنے ایرانی دستے کو چھوڑ کر شاید کوئی بڑے سے بڑا عہدہ قبول کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

حابس نے پُر امید ہو کر کہا۔ "کیا یہ ایرانی دستہ میرے آدمیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا؟"

سین نے جواب دیا۔ "یہ ہو سکتا ہے۔ اگر تم اس قدر مصر ہو تو وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ عرب صرف اچھے گھوڑے ہی کو پہچان سکتے ہیں۔"

حابس مسکرایا۔ "جناب! میں پہلے دن اُس کا گھوڑا دیکھ کر ہی اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

○

شام کے وقت ایرج، سین کے خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔ "جناب اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں کچھ

عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے، تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

"جناب! مجھے معلوم ہے کہ آپ عاصم کو بہت چاہتے ہیں۔ اور میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ دل کھول کر اُس کی نیکی کا بدلہ دیں لیکن وہ فوج کے نظم و ضبط کی اہمیت قطعاً محسوس نہیں کرتا۔"

سین نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اس نے کیا کیا ہے؟"

"جناب! فوج کے کسی چھوٹے یا بڑے عہدہ دار کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس قدر مانوس نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ عاصم دوسروں کے لئے ایک غلط مثال قائم کر رہا ہے۔ آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں اُس کے سپاہی گا رہے ہیں اور وہ اُن کے درمیان زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔"

"تمہیں سپاہیوں کا گانا پسند نہیں؟"

"جناب! مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ گا رہا ہے اور اُسے اس بات کا احساس تک نہیں کہ اس قسم کی بے تکلفی سے سپاہیوں کے دل سے اپنے سالار کا رعب اٹھ جاتا ہے۔"

سین نے جواب دیا۔ "ایک سالار کی کامیابی کا اندازہ اُس کے سپاہیوں کی جرأت اور فرض شناسی سے لگایا جاتا ہے اور ہماری فوج کا کوئی دستہ عاصم کے سپاہیوں سے زیادہ بہادر اور فرض شناس نہیں۔ وہ انہیں کوڑے سے ہانکنا پسند نہیں کرتا لیکن جہاں تک اپنے احکام کی تعمیل کرانے کا تعلق ہے فوج کا کوئی سالار اُس سے زیادہ کامیاب نہیں ——" ایرج نے پریشان ہو کر کہا۔ "جناب! ابھی میں اُن کے قریب سے گزر رہا تھا۔ لیکن میرا ادب یا احترام تو درکنار کسی نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی —— فوج کے دوسرے افسروں کو بھی یہ شکایت ہے کہ اُس کے سپاہی بہت گستاخ ہو گئے ہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ مجھے عربوں کے ساتھ اُس کے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں، وہ یوں بھی کسی ضبط و نظم کی پابندی نہیں کرتے لیکن سپاہیوں اور عہدہ داروں کے درمیان یہ بے تکلفی ایرانی فوج کی روایات کے منافی ہے۔"

سین نے تلخی کے لہجے میں کہا۔ "ایرج! تمہیں فوج میں ایک اہم عہدہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تم ایک بااثر باپ کے بیٹے ہو —— لیکن عاصم فطرتاً سپاہی ہے۔ میں نے اُس پر کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ گزشتہ لڑائیوں میں اپنے

آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کر چکا ہے۔

میں اُس سے تمہاری عداوت کی وجہ نہیں سمجھ سکا تاہم تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ عاصم اب تمہارے ماتحت نہیں رہے گا اور اُس کا طرزِ عمل ان افسروں کو پریشان نہیں کرے گا، جو اپنے سپاہیوں میں عزتِ نفس کے معمولی احساس کو بھی نظم و ضبط کے تقاضوں کے منافی سمجھتے ہیں۔ حابس اپنے قبیلے کے جانبازوں کی قیادت کے لئے اُس کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تک میں تذبذب میں تھا، میرا خیال تھا کہ میں واپس جا کر کسی اہم عہدے کے لئے شہنشاہ سے اُس کی سفارش کروں گا لیکن اُسے میری سرپرستی کی ضرورت نہیں، آئندہ اگر میرے کسی افسر کو عاصم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو اُسے حابس کے پاس جانا چاہیئے میں اُسے ایرانی نہیں بنا سکتا لیکن میں وہ دن دیکھ رہا ہوں، جب تم لوگ اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرو گے۔"

ایرج نے کھسیانا ہو کر کہا۔"جناب! میں اُس کا دشمن نہیں بلکہ اُس کی جرأت و ہمت کا معترف ہوں میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اُسے ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔"

سین نے کہا۔"ایرج! جاؤ، اب آرام کرو۔ عاصم کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ اُس کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے۔"

ایرج انتہائی پریشانی کی حالت میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے خیمے سے کچھ فاصلے پر اُسے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لوگ اُس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

پرویز کا لشکر یروشلم کا محاصرہ کر چکا تھا۔ چاروں طرف سے رسد و کمک کے راستے بند ہو چکے تھے تاہم شہر کے محافظ جس عزم و ثبات کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اِس سے قبل شام کے کسی اور شہر میں نہیں دیکھا گیا تھا گرجوں اور خانقاہوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں، خدا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں سے برکات حاصل کی جا رہی تھیں اور معجزات کا انتظار ہو رہا تھا۔ فریقین کے منجنیق ایک دوسرے پر پتھر برسا رہے تھے۔ ایرانیوں نے کئی بار دباؤں اور سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر حملہ کیا لیکن اوپر سے پتھروں، آتشیں تیروں اور کھولتے ہوئے تیل کے آگے اُن کی پیش نہ گئی۔ یروشلم کے محاذ پر پرویز کی موجودگی اُن کے حوصلے زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔ ہر دستے کا سالار

اور ہر قبیلے کا سردار شہنشاہِ ایران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا تھا۔

فرزندانِ صلیب کے لئے یروشلم کی حفاظت موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ شکست کی صورت میں انہیں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن رسد و کمک کے تمام راستے مسدود ہو جانے سے اُن کے حوصلے بتدریج پست ہو رہے تھے۔ پھر ایک دن ایرانی فوجیں پوری قوت کے ساتھ چاروں طرف سے یروشلم پر ٹوٹ پڑیں اور انہوں نے فصیل کے ایک حصّے پر قبضہ جمانے کے بعد وہ آہنی دروازہ کھول دیا جو ہلاکت و بربادی کے ایک سیلِ عظیم کو روکے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد فصیل کے ہر بُرج پر صلیب کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے اور ایرانی فوجیں مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وحشت اور بربریت کے عفریت انسانیت کے وجود سے تہذیب و اخلاق کا پیرہن نوچ رہے تھے۔ یہودی رضاکار، جنہیں مدت کے بعد اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا موقع ملا تھا، لوگوں کے گھروں، گرجوں اور خانقاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ یعقوبی اور نسطوری فرقوں کے عیسائی جو کلیسا کے باغی خیال کئے جاتے تھے۔ اب ایرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر اُن راہبوں اور پادریوں سے صدیوں کے مظالم کا انتقام لے رہے تھے جن کی قبائیں کبھی اُنکے خون سے داغدار تھیں۔ یروشلم میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گلیوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ اُن مقدس گرجوں اور خانقاہوں کو لوٹنے کے بعد مسمار کیا جا رہا تھا جہاں صدیوں سے مشرق و مغرب کی دولت جمع ہو رہی تھی۔ راہب اور پادری انہی آہنی شکنجوں میں کسے جا رہے تھے جنہیں وہ بدعقیدہ لوگوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ یروشلم میں دینِ مسیح کا سب سے بڑا پیشوا ذکریا گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ مقدس صلیب جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے جان دی تھی مجوسیوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔

○

یروشلم فتح ہونے تک عاصم صرف ایک سپاہی کے ذہن سے سوچتا تھا۔ محاصرے کے دوران میں وہ اپنی غیر معمولی جرأت سے باعث ایران کے سورماؤں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ آخری حملے کے وقت وہ

اُن جانبازوں کے ساتھ تھا جنہیں سب سے پہلے فصیل کے ایک حصّے پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی تھی لیکن اب وہ معرکہ، جس میں اُس کے سپاہیانہ جوہر پوری طرح بیدار تھے، ختم ہو چکا تھا اور ہار ماننے والے انسانوں کی مظلومیت اور بے بسی اُسے پریشان کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد فاتح لشکر کے سپاہی بے بس انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو عرب کے وحشی قبائل اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن عاصم کا دِل انتقام کے جذبات سے خالی تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی ترغیب کے باوجود وحشت و بربریت کے گھناؤنے کھیل میں حصّہ لینے کے لئے تیار نہ ہوا۔

قتلِ عام کی پہلی رات وہ چند گھنٹے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھرتا رہا۔ اور پھر آدھی رات کے قریب جب اُس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو شہر کے ایک دروازے سے باہر نکلا اور پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

راستے میں اُسے اُن سپاہیوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو چیختی چلاتی عورتوں کو گھروں سے نکال کر پڑاؤ کی طرف ہانک رہے تھے۔ عاصم کو یہ چیخیں تلواروں کی جھنکار سے زیادہ خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف بڑھا، چند آدمی جو عرب رضاکاروں کے خیموں اور گھوڑوں کی حفاظت پر متعین تھے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ لوگ کبھی اپنے ساتھیوں کے متعلق پوچھتے اور کبھی عاصم کے خالی ہاتھ واپس آنے پر حیرت کا اظہار کرتے۔ عاصم کا کوئی جواب انہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ اچانک پاس ہی ایک خیمے سے حابس کی آواز سنائی دی۔ "عاصم آگیا ہے؟"

"جی ہاں"۔ ایک سپاہی نے جواب دیا۔

"عاصم یہاں آؤ"، وہ بلند آواز میں چلّایا۔

عاصم خیمے کے اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک مشعل جل رہی تھی اور حابس ٹانگیں پھیلائے ایک چٹائی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا۔ "میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لخمی اور تمیمی رئیس اپنے خیموں میں دادِ عیش دے رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ کم از کم شراب کا ایک مشکیزہ ہی تم نے بھیج دیا ہوتا میں نے آج اُن سے مانگ کر پی ہے۔ وہ سب تمہاری بہادری کی تعریف کرتے تھے۔ اور مجھے یقین تھا کہ تم میرے لئے بہترین تحائف لاؤ گے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں آپ کے لئے یروشلم کی فتح کی خوشخبری کے سوا اور کچھ نہیں لایا۔"

حابس چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھتا رہا، بالآخر اُس نے کہا۔ "تم مذاق کر رہے ہو۔ میں یہ کیسے سکتا ہوں کہ تم یروشلم کی فتح کے بعد خالی ہاتھ واپس آئے ہو۔"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ فتح کے بعد وہاں خون، آنسوؤں اور چیخوں کے سوا کچھ نہ تھا۔"

"میرے آدمی کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی تمہاری طرح خالی ہاتھ واپس آگئے ہیں؟"

"نہیں! وہ ابھی تک وہیں ہیں اور جب وہ واپس آئیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ وہ زندگی مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے رہ گئے ہیں، لشکر کے شہر میں داخل ہوتے ہی وہ میرے حکم سے آزاد ہو گئے تھے۔"

"تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے عرب ہونے پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ بیٹھ جاؤ! تمہیں اِس وقت شراب کی ضرورت ہے۔ اور میرے مشکیزے میں ابھی چند گھونٹ باقی ہیں یہ لو۔"

حابس نے یہ کہہ کر چھوٹا سا مشکیزہ اٹھایا اور عاصم کو پیش کر دیا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور مشکیزہ پکڑ کر حابس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ مشکیزہ خالی کر کے ایک طرف پھینک چکا تھا تو حابس نے کہا۔ "سین کہتا تھا کہ تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ تم صرف ایک سالار کی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط برتتے ہو۔ آج میرا خیال تھا کہ تم یروشلم کے کسی عالیشان مکان پر قابض ہو گے۔ تمہارے سامنے شراب کے مشکے کھلے ہوں گے اور تمہارے پہلو میں وہ دوشیزائیں ہوں گی جن کے جسم دودھ کی طرح سفید ہوتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "سین درست کہتا تھا، میں نے مدّت کے بعد شراب کو ہاتھ لگایا ہے۔ جب میں گھر سے نکلا تھا تو میں نے باقی زندگی شراب نہ پینے کا عہد کیا تھا پھر جب میں شام کی حدود میں داخل ہوا تو میں نے یہ عہد کیا تھا کہ تلوار کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن میری تمام قسمیں ٹوٹ چکی ہیں اب مجھے اپنی کسی بات پر یقین نہیں رہا۔"

حابس نے کہا۔ "تم تنہائی محسوس کر رہے ہو اور تمہارا علاج یہ ہے کہ تمہیں دوبارہ شہر میں بھیج دیا جائے وہاں یسی عورتوں کی کمی نہیں جنہیں دیکھ کر تم ماضی کی تلخیاں بھول جاؤ۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں وہاں بے شمار لاشیں دیکھ آیا ہوں، اُن سب کا خون سمیرا کی طرح سُرخ تھا۔

اور جو زندہ تھیں اُن کی آہیں اور چیخیں مجھے سمیرا کی آہیں اور چیخیں محسوس ہوتی تھیں۔ کاش! شراب کا نشہ ماضی اور حال کی تمام تلخیوں کو میرے ذہن سے فراموش کر سکتا۔"

حابس نے سوال کیا۔ "سمیرا کون تھی؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ نے کسی ایسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے کی روشنی میں آپ کو اپنے بدترین دشمن دوست نظر آنے لگیں۔ جس کی مسکراہٹ آپ کی نفرت کو محبت سے بدل دے۔ جس کے ساتھ آپ کی وفاداری تمام خاندانی اور قبائلی وفاداریوں پر غالب آجائے۔ اور جس کی خاطر آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بزدلی اور غداری کے طعنے سننا گوارا کر لیں۔"

"نہیں" حابس نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میری رگوں میں ایک عرب کا خون ہے اور کوئی عرب کسی ایسی لڑکی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کی محبت اُس کی خاندانی اور قبائلی عصبیت پر غالب آجائے۔"

"تو پھر میں آپ کو یہ نہیں سمجھا سکوں گا کہ سمیرا کون تھی اور یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی کہ میں اِس وقت شہر سے کیوں بھاگ آیا ہوں۔"

حابس نے کہا۔ "تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تمہیں فتح کی خوشی میں حصّہ دار بننے سے نفرت ہے تو تم لڑائی میں کیوں شریک ہوئے تھے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"لیکن مجھے معلوم ہے۔ میں نے پہلے دن تمہیں لڑائی کے میدان میں دیکھا تھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ نوجوان ایک عرب کی طرح لڑتا ہے ـــــ عاصم تم ایک عرب ہو اور مرنا اور مارنا تمہاری سرشت میں ہے تمہاری رگوں میں وہ خون ہے جس کی گردش تلواروں کی روانی سے تیز ہوتی ہے۔ جنگ کے ہنگاموں کے بعد ایک عارضی سکون بعض سپاہیوں کو پریشان کر دیتا ہے لیکن تم بہت جلد ان باتوں کے عادی ہو جاؤ گے۔ آج تم عام لوگوں سے ممتاز رہنے کے شوق میں دشمن کے نیزوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہو، کل تم پر دیر کے جرنیلوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے اِس سے زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ ہمارا لشکر یروشلم جیسے کئی اور شہروں پر اپنے جھنڈے نصب کرے گا۔ میں نے یروشلم کی فتح کے بعد پہلی مرتبہ تمہیں شراب پیتے دیکھا

ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کسی اور شہر کی فتح کے بعد تمہارے پہلو میں کوئی حسین و جمیل لڑکی بھی دیکھ لوں گا۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے لیکن آج میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں اور اُس وقت تک کسی گوشے میں پڑا رہوں جب تک کوئی مجھے یہ پیغام نہ دے کہ وہ جنگ جس کی ہولناکیوں نے تمہیں شراب سے مدہوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا، ختم ہو چکی ہے اور اب اس زمین کو بے بس انسانوں کے خون اور آنسوؤں سے سیراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب طاقتوروں کے ہاتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر نہیں اٹھیں گے۔" عاصم یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" حابس نے سوال کیا۔

"میں کہیں شراب تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کے مشکیزے سے چند گھونٹ پینے کے بعد میری پیاس میں اضافہ ہو گیا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر پڑاؤ میں گھومنے کے بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔ سین بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ میں ابھی شہنشاہ سے مل کر آیا ہوں۔ میں نے اُن سے تمہاری کارگزاری کا ذکر کیا تھا وہ بہت خوش تھے، آج اُن کے سامنے میرے بعض دوستوں نے بھی تمہاری تعریف کی تھی۔ تم اُن خوش قسمت نوجوانوں میں سے ہو جنھیں انعام کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اب تمہیں دو چار دن کے اندر اندر شہنشاہ کی قدم بوسی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں شراب کے چند گھونٹ پینا چاہتا ہوں۔"

سین نے متعجب ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ صراحی بھری ہوئی ہے۔ جتنی چاہو پی سکتے ہو۔ قسم توڑنے کے لئے اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے؟"

عاصم نے سین کے سامنے بیٹھ کر پاس ہی سونے کی صراحی سے ایک پیالہ بھرا اور اُسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ جب وہ دوسری بار پیالہ بھرنے لگا تو سین نے کہا۔ "عاصم! یہ شراب بہت تیز ہے اور تم مدت کے بعد پی رہے ہو۔"

"میں مدہوش ہونا چاہتا ہوں۔" عاصم نے یہ کہہ کر آن کی آن میں دوسرا پیالہ بھی خالی کر دیا۔ سین اب قدرے مضطرب ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عاصم نے تیسری بار صراحی اٹھانے کی کوشش کی تو سین نے جلدی سے

آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔"نہیں۔ نہیں۔ تم اتنی شراب برداشت نہیں کر سکو گے۔"

"بہت اچھا۔" عاصم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔"میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔"

سین نے کہا۔"تمہاری ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اِس سے پہلے بھی پی چکے ہو۔"

"حابس کے مشکیزے میں صرف چند گھونٹ تھے ورنہ میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔

سین نے تالی بجائی اور دو پہریدار بھاگتے ہوئے خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ سین نے کہا۔"اسے اُٹھا کر اس کے خیمے میں لے جاؤ۔ لیکن نہیں اسے یہیں ایک طرف لٹا دو۔" پہریداروں نے حکم کی تعمیل کی اور سین انہیں رخصت کر کے عاصم کے قریب بیٹھ گیا۔

وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں بے ہوش نہیں ہوں، اگر یروشلم کی گلیوں کا خون شراب بن جاتا اور میں اُس کے اندر غوطے لگاتا تو بھی میں مدہوش نہ ہوتا۔"

اگلے دن عاصم گہری نیند سے بیدار ہوا تو سین وہاں نہ تھا۔ وہ اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا خیمے سے باہر نکلا اور پہریدار نے ادب سے اُسے سلام کرتے ہوئے کہا۔"آپ بہت دیر سوئے ہیں۔ آقا کا حکم تھا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"وہ علی الصباح شہر چلے گئے تھے۔ اگر حکم ہو تو آپ کے لئے کھانا منگوا لیا جائے۔"

"نہیں! اس وقت مجھے بھوک نہیں۔ میں ذرا گھومنے پھرنے جا رہا ہوں۔" عاصم یہ کہہ کر ایک طرف چل دیا۔

○

یروشلم میں تین دن قتل عام جاری رہا۔ اور تیسرے دن شہر میں بکھری ہوئی نوّے ہزار لاشوں کے تعفن نے فاتح لشکر کو پڑاؤ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس عرصے میں مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں قیدی عورتیں جنہیں غلام بنانے کے قابل سمجھا گیا تھا پڑاؤ میں منتقل کی جا چکی تھیں۔

اس کے بعد ایک ہفتہ فتح کا جشن منایا گیا، سرکردہ یہودی نذرانے پیش کرنے اور ایرانی اور عرب قبائل کے جانباز اپنی کارگزاری کے انعامات حاصل کرنے باری باری کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ عاصم کا نام ایک خوبصورت تلوار تھی جس کا دستہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا۔

جشن کے اختتام پر جنگی قیدیوں اور مالِ غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایک قافلہ مسلّح دستوں کی حفاظت میں ایران کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اور باقی لشکر نئے محاذوں کی طرف کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ طوفان، جس کی شدّت نے عاصم کو نڈھال کر دیا تھا، گزر چکا تھا اور اُس کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ ایک رات وہ حابس کے خیمے میں چند عرب سرداروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے مشہور شعرا کا کلام سنا رہے تھے۔ ایک ایرانی نوجوان خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔"سین آپ کو بلاتے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔

سین نے اُسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔"عاصم! میں نے تمہیں ایک اہم خبر سنانے کے لئے بلایا ہے مجھے ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"ہم کب جا رہے ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

"میں پرسوں روانہ ہو جاؤں گا لیکن تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اب کچھ عرصے کے لئے ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔" عاصم کا دل بیٹھ گیا اور کوشش کے باوجود اُس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"بیٹا! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں موجودہ حالات میں تمہارے لئے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ساتھ رہنا زیادہ سُود مند ہے۔ آج شہنشاہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ عرب قبائل کے رضاکار عام طور پر فوجی ضبط و نظم کی پروا نہیں کرتے۔ وہ جس قدر بہادر ہیں اُسی قدر خود سر بھی ہیں اور افریقہ میں ہمیں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں جن میں اُن لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کی ضرورت پڑے۔ مہران جسے افریقہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کی قیادت سونپی گئی ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے یثرب کے اِس نوجوان کے سوا اور کوئی

نظر نہیں آتا جسے عرب روٗسا متفقہ طور پر اپنا سالار تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اُن کے درمیان اگر کوئی اختلافات پیدا ہوں تو تمہاری آواز فوج کے ایرانی عہدہ داروں سے زیادہ موثر ثابت ہو سکے گی۔

عاصم! مجھے یقین ہے کہ اب تمہیں اپنے جوہر دکھانے کے بہترین مواقع ملیں گے۔ اگر میں تمہیں ساتھ لے جاؤں تو ایشیائے کوچک میں تمہیں صرف ایرانی عہدہ داروں یا اُن ترک قبائل کے سرداروں سے سابقہ پڑے گا جو ہمارے حلیف ہیں لیکن یہ لوگ تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی بجائے تمہارے حاسد بن جائیں گے۔ تم وہاں ایک اجنبی سمجھے جاؤ گے لیکن افریقہ کے محاذ پر لڑنے والے عربوں کے راہنما بن کر تم ایرانیوں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر سکو گے۔ کم از کم ہمارے جرنیلوں میں تمہیں کوئی اپنا رقیب خیال نہیں کرے گا۔

صبح مہران عرب روٗسا کو بلا کر یہ کہے گا کہ تمہیں متفق ہو کر کسی ایک کو اپنا سالارِ اعلیٰ بنا لینا چاہیئے اور مجھے یقین ہے کہ جب وہ کسی غیر جانبدار عرب کو تلاش کریں گے تو اُن کی نگاہیں لامحالہ تمہی پر مرکوز ہوں گی۔ اس کے بعد تمہیں میرے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عزت شہرت اور کامیابی کا کوئی راستہ ایسا نہ ہو گا جسے تم اپنی تلوار کی نوک سے نہیں کھول سکو گے۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "لیکن مجھے شہرت اور کامیابی کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ اور حابس کے آدمیوں کی راہنمائی بھی میں نے صرف اس لئے قبول کی تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو میں گزشتہ جنگوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے بزدل کہلانا زیادہ پسند کرتا۔"

"عاصم! ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے جُدا نہیں ہوئے، مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن قسطنطنیہ کے آس پاس تمہارا استقبال کروں گا۔ اور اس وقت جب تم افریقہ سے فتح کے پرچم اڑاتے، میرے پاس آؤ گے تو تمہیں یہ شکایت نہ ہو گی کہ میں نے تمہیں کوئی غلط راستہ بتایا تھا۔ میں کسی دن تمہیں کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے والوں کی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تنہا اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا اور طرح طرح کے خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سین مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو؟

ش! میں اسے یہ سمجھا سکتا کہ مجھے کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے کی تمنا نہیں۔ اگر تم یہاں نہ ہوتے تو مجھے روم اور ایران جنگوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ اس ویرانے میں مجھے اپنے لئے کسی راستے یا منزل کی تلاش نہ تھی۔ مجھے صرف تمہاری رفاقت کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ سب ایک خود فریبی تھی، میں سین کے اشارے پر جان دے سکتا ہوں، لیکن اُس کا رفیق یا دوست نہیں بن سکتا۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے گی تو میں سین کے ساتھ دمشق جاؤں گا۔ اور فسطینہ دلفریب مسکراہٹوں کے ساتھ میرا استقبال کرے گی لیکن اب شاید میں اُسے دوبارہ دیکھ بھی نہ سکوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں افریقہ کے محاذ سے زندہ واپس نہ آؤں۔ پھر چند سال بعد شاید اُسے میرا نام بھی یاد نہ رہے۔ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو وہ حادثات جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے تھے اُسے ایک خواب محسوس ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن اُس کے پاس جاؤں اور اُسے یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس ہو کہ میں اسے جانتی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سین اپنی بیٹی کے مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہو کہ ہمارے راستے آج ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں ——— جب وہ میرے متعلق پوچھے گی تو وہ یہ کہے گا: بیٹی! اب تمہیں اُس کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہم میں سے نہیں تھا ——— اُس نے تمہارے ساتھ ایک نیکی کی تھی اور میں اُس کا بدلہ دے چکا ہوں اب وہ اس قابل ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔" پھر وہ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا "کیا یہ ممکن نہیں کہ جب میں افریقہ کے محاذ پر سین کی بلند ترین توقعات پوری کرنے کے بعد واپس آؤں تو اُس کے گھر کا دروازہ میرے لئے کھلا ہو۔ اور جب میں فسطینہ سے یہ کہوں کہ میری جنگیں، میری فتوحات اور کامیابیاں سب تمہارے لئے تھیں تو وہ شرم و ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے فخر سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھے۔"

دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد عاصم کو نیند آ گئی۔

تیسرے روز علی الصباح دس ہزار سوار ایشیائے کوچک کی طرف کوچ کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ سین اپنے خیمہ سے نکلا اور اُس کے دوست، جو اُسے الوداع کہنے کے لئے باہر جمع تھے، یکے بعد دیگرے اُس سے مصافحہ کرنے لگے۔ جب عاصم کی باری آئی تو اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور کہا "میں راستہ میں دو دن کے لئے ٹھہروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ فسطینہ کا پہلا سوال تمہارے متعلق ہو گا، تم اُسے کوئی پیغام

دینا چاہتے ہو؟"

عاصم کے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے جواب دیا۔"میں اُسے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں کسریٰ کا سپاہی بن چکا ہوں اور اب مجھے کسی کی چیخیں پریشان نہیں کرتیں۔"

سین نے اچانک گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔"اگر حالات نے اجازت دی تو ممکن ہے کہ میں کچھ عرصہ تک فسطینہ اور اُس کی والدہ کو اپنے پاس بلالوں ورنہ انہیں مدائن بھجوانے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد تم ہمیں تلاش کر سکو گے۔ میں خود بھی تمہارے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے مصر کی مہم جلد ختم ہو جائے اور میں تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بلالوں۔"

ایرج اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے سین کے قریب کھڑا تھا۔ عاصم کی نگاہیں تھوڑی دیر کے لئے اُس کے مغرور چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سین نے قدرے توقف کے بعد آگے بڑھ کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی اور اُس پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پڑاؤ میں نقاروں کی صدائیں بلند ہوئیں اور دس ہزار سواروں کا لشکر چار قطاروں میں کسریٰ کی قیام گاہ کے آگے سے گزرنے لگا۔ شہنشاہ ایران فوج کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کشادہ سائبان کے نیچے کھڑا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ سونے کے ایک چوڑے آتش دان میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مجوسیوں کا بڑا کاہن بلند آواز میں دعا مانگ رہا تھا۔"اہرموزدہ خسرو پرویز کو جو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کا دیوتا ہے فتح دے ـــــ اہرموزدہ ہمارے دشمنوں کو تباہ کر ـــــ ہمارے لشکر کے لئے دمشق اور یروشلم کی طرح قسطنطنیہ کے دروازے بھی کھول دے۔"

اور خسرو پرویز کبھی سین کی قیادت میں کوچ کرنے والے سواروں اور کبھی پڑاؤ میں لشکر کے اُن خیموں کی سمت دیکھتا جو چاروں طرف حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کا مغرور چہرہ زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ آج زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے میرے سوا کوئی نہیں۔ آج ابنائے آدم کی تقدیر میرے

ہاتھ میں ہے۔

عاصم کسریٰ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیلے کے دامن میں کھڑا تھا۔ جب سین کا لشکر گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور نقاروں کی صدائیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سین کے ساتھ رفاقت کا زمانہ اُسے ایک خواب معلوم ہوتا تھا۔ ایک ایسا خواب جس کی کوئی تعبیر نہ تھی۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

حصہ سوم

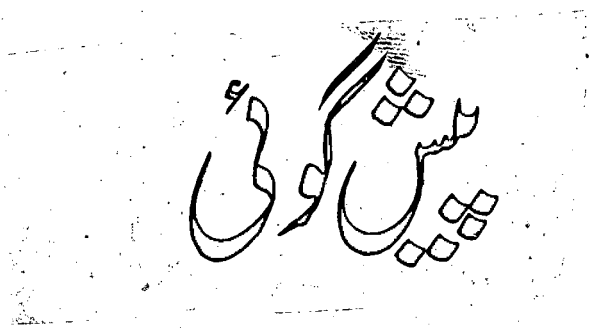

پیش گوئی

"ا ـ ل ـ م ـ رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں ـ اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد وہ چند سال کے اندر پھر غالب آجائیں گے ـ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی ـ اور اُس دن مسلمان اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر خوشیاں منائیں گے ـ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے ـ وہ غالب اور رحیم ہے ـ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

(الرّوم)

باب ۲۰

شام میں ایرانیوں کی فتوحات کے ساتھ آگ اور صلیب کا معرکہ ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکا تھا۔ بظاہر ایران اپنی تلوار کی نوک سے انسانی تاریخ کا ایک نیا ورق اُلٹ چکا تھا ـ مؤرخوں کی نگاہ میں بازنطینی سلطنت کی تباہی کے ظاہری اسباب مکمل ہو چکے تھے ـ لیکن کارکنانِ قضا و قدر کی نگاہیں روم اور ایران کی رزمگاہوں سے سینکڑوں کوس دُور اُس بے آب و گیاہ وادی کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں کفر اور اسلام کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

مکہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار، جن کے پاس ظاہری اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، شرک، جہالت اور گمراہی کی اندھی اور بہری قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے ـ یہ نور و ظلمت کا معرکہ تھا اور اس کے نتائج کے ساتھ اُن بے بس انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا جو صدیوں سے توہمات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جن کے نزدیک زمانے کی ہر کروٹ بے معنی تھی ـ

دینِ اسلام اُس ظلمتکدے کا چراغ تھا، جہاں انسانیت کا قافلہ تاریکی میں بھٹکنے کا عادی ہو چکا تھا۔ عربوں کے نزدیک اپنے مشرکانہ توہمات اور اپنی جاہلی عصبیتوں کے گھروندوں سے باہر زندگی کی کوئی نئی صورت قابلِ قبول نہ تھی ـ اور خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا نعرہ جو پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے بلند کیا تھا ان کے مشرکانہ عقائد اور ان کی جاہلی عصبیتوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ چنانچہ مشرکینِ مکہ جنہوں نے آج تک کسی اجتماعی نصب العین کے لئے اتحاد کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی ـ اسلام کے خلاف پورے عرب کے اتحاد کے متمنی تھے ـ وہ حق پرست جو توحید کے چراغ کی روشنی میں آنکھیں کھولنے کے بعد انہیں نئے راستے اور نئی

منزلیں دکھار ہے تھے اُن کے نزدیک بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مشرکینِ مکّہ کو اپنی پرانی روش اتنی عزیز تھی کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کی جماعت میں ایک کمزور عورت یا ایک بے بس غلام کا اضافہ بھی انہیں ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا تھا۔ عجم میں قیصر کے جرنیل جس قدر سلطنت روما پر ایرانیوں کی یلغار سے پریشان تھے۔ عرب کے اندر اُس سے کہیں زیادہ قبیلۂ قریش کے اکابر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں کے عزم و استقلال سے ہراساں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ روم پر ایران کی فتوحات کسریٰ پرویز کی عسکری قوت اور جنگی وسائل کی برتری کا نتیجہ تھیں اور قریش اپنی تعداد اور قوت کی برتری کے باوجود اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھے۔ اُن کا مقابلہ ایک ایسے بے سروسامان لشکر سے تھا جس کے امیر کے وجود میں وہ انسانیت کی تمام عظمتیں دیکھ چکے تھے۔ وہ اُس برگزیدہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس کی کوئی بات جھوٹی ثابت نہ ہوئی تھی۔ اہلِ مکّہ کے لئے یہ بات معمولی نہ تھی کہ اُن کی طاقت اور دبدبہ، اُن کی شرانگیزی اور ایذا رسانی کے باوجود محمدؐ عربی کے ایک ادنےٰ غلام کا ایمان بھی متزلزل نہ ہو سکا۔

وہ اسلام کی تعلیمات کو جھٹلانے کے باوجود نبی عربیؐ کی غیر معمولی شخصیت کے معترف تھے انہیں اس بات کا ملال تھا کہ عبدالمطّلب کا پوتا جس کی ہمہ گیر شخصیت قریش کی سب سے قیمتی پونجی ہو سکتی تھی اُن کے صدیوں پرانے معتقدات کے خلاف اعلانِ جنگ کر چکا ہے۔ مکّہ میں خدا کا پہلا گھر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر ہوا تھا جہالت اور گمراہی کے ادوار میں ایک بتکدے کی صورت اختیار کر چکا تھا تاہم کعبۃ اللہ سے عربوں کی عقیدت کا رشتہ اب بھی قائم تھا وہ ہر سال حج کے دنوں میں مکّہ آتے، کعبے کا طواف کرتے اپنے اپنے خاندان یا قبیلے کے بتوں کے سامنے نذریں پیش کرتے انہیں پوجتے اور اُن سے اپنے دشمنوں کے خلاف اعانت کے طلبگار ہوتے۔ اگر ایک بُت اُن کی خواہشوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا تو وہ کسی دوسرے بُت سے عبودیت کے رشتے استوار کر لیتے تھے۔ اُن کی بے راہ روی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی معیوب نہ سمجھتے تھے۔

قریش کعبے کے متولّی، نگراں اور محافظ تھے اور اس لحاظ سے ایران کے مجوسی کاہنوں کی طرح انہیں بھی عرب کے دوسرے قبائل پر ایک طرح کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی برتری حاصل تھی۔ حج اُن کے لئے آمدنی

کا ایک اہم ذریعہ تھا اور خانۂ کعبہ کے اندر جمع کئے جانے والے بتوں کے تقدس کا رعب قائم رکھنا وہ اپنا فرض خیال کرتے تھے لیکن پیغمبرِ اسلامؐ نے خدا کی توحید کا پرچم بلند کر کے قریش کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ بت پرستی کی حمایت اور اسلام کی مخالفت اُن کے نزدیک اپنی مذہبی رسوم کے تحفظ کے علاوہ ایک اہم اقتصادی مسئلہ بھی تھا۔ وہ اُن بتوں کے خلاف کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے جن کی بدولت انہیں ہر سال اپنے ہمسایہ قبائل سے ایک طرح کا خراج وصول ہوتا تھا۔ پھر مکّہ سے باہر بھی عرب قبائل کے چھوٹے اور بڑے حاجت رواؤں کے بُت اور ان کی پوجا کے آداب و رسوم سکھانے والے کاہن موجود تھے اور قریشِ مکّہ کی طرح ان کاہنوں کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ نئے دین کی روشنی مکّہ کی تاریک فضاؤں میں اجالا کرنے کے بعد اُن کی مسندوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ توحید کا نعرہ صرف قریش مکّہ کی بے راہ روی کے خلاف ہی نہیں بلکہ پورے عرب کی جہالت اور گمراہی کے خلاف ایک اعلان کے مترادف تھا۔ اُن کے کاہن، اُن کے سردار اور اُن کے شاعر اسلام کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر متحد اور منظم ہو رہے تھے توحید کا چراغ بجھانے کے لئے جو آندھی چند سال قبل مکّہ سے اٹھی تھی اُس کی بھیانک تاریکیاں بتدریج پورے عرب کو اپنے آغوش میں لے رہی تھیں۔

○

جب شام کی رزمگاہوں میں رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو رہے تھے۔ اہلِ مکّہ کے نزدیک دینِ اسلام کی مخالفت، وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اپنی مشرکانہ رسوم کے باعث وہ عیسائیوں کی بہ نسبت ایران کے مجوسیوں سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے روم و ایران کی جنگ میں اُن کی ساری ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کا مذہب اپنی حقیقی صورت میں دینِ اسلام سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا، اور اس کے باوجود کہ انہوں نے خدا کی توحید کے متعلق دینِ مسیحؑ کے بنیادی تصور کو ایک معمّا بنا دیا تھا۔ وحی، رسالت اور آخرت کے متعلق اُن کے عقائد عرب کے مشرکوں یا ایران کے مجوسیوں کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب تھے اس لئے ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی تباہی و بربادی کی داستانیں سنکر مسلمانوں کا آزردہ اور پریشان ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

جب شام سے کسریٰ کی فتوحات کی خبریں آتیں تو مشرکین مکہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے وہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اِس قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جس طرح مجوسیوں نے عیسائیوں پر شام کی زمین تنگ کردی ہے اِسی طرح ہم بھی تمہارے لئے عرب میں سانس لینا ناممکن بنادیں گے۔

ایرانیوں کی فتوحات پر مشرکین مکہ کے خوش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عراقِ عرب اور یمن کے بعض قبیلے کسریٰ کے حلیف بن کر اس جنگ میں شریک ہوچکے تھے اور اُن کے وحشیانہ کارناموں کی داستانیں عربوں کے نسلی غرور اور جاہلی عصبیتوں کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ ان حالات میں احکم الحاکمین نے اپنے برگزیدہ رسولؐ پر قرآن کی وہ آیات نازل کیں جن میں رومیوں کی فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

اگر یہ پیش گوئی صرف روم و ایران سے تعلق رکھتی تو شاید مشرکین مکہ اِس قدر دلچسپی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی فتح کا مژدہ سنایا گیا تھا اور یہ بات اُن کے لئے ناقابلِ یقین اور ناقابلِ برداشت تھی ناقابلِ یقین اس لئے کہ وہ اپنی عقل، سمجھ اور اپنے اندازوں کے مطابق دین اسلام کے لئے کامیابی کے تمام راستے بند کرچکے تھے۔ اور ناقابل برداشت اس لئے کہ مقہور و مجبور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اپنی مظلومیت، اپنی مجبوری اور بے سروسامانی کے باوجود اِس پیش گوئی کی صداقت پر ایمان لے آئی تھی۔ اِس حقیقت کے باوجود کہ قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آکر اُن کی ایک جماعت حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوچکی تھی۔

مسلمانوں کے پاس مشرکین مکہ کے اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا کہ تمہارے پاس کامیابی اور فتح کے وسائل کون سے ہیں۔ تاہم اُن میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت پر یقین نہ ہو۔ وہ اپنے ہادیٔ برحق کی نگاہوں سے اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور انہیں اِس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ اُن کے راستے میں آلام و مصائب کے کتنے پہاڑ کھڑے ہیں۔

مشرکین مکہ اُن کی "سادگی" اور "بے خبری" کا مذاق اڑاتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اِن بلاکشانِ محبت کی نگاہیں ظاہری اسباب کی سرحدوں سے آگے دیکھ رہی ہیں اور جس زمین کے کانٹوں سے اُن کے پاؤں چھلنی ہوئے ہیں اُس پر رحمت کے پھولوں کی بارش ہونے والی ہے۔ آج جس دین کی فتح کا تصوّر ایک مذاق معلوم ہوتا ہے، کل اُسی کی حمایت میں وہ جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ جس چراغ کو آج وہ بجھانا چاہتے ہیں

اُن کی روشنی سے عرب و عجم کے ظلمتکدے منوّر ہونے والے ہیں اور جس نازک پودے کو آج وہ جڑ سے کاٹنا چاہتے ہیں اُس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کریں گے ـــــ لیکن وہ کل ابھی دور تھی۔ اس وقت مشرکین مکہ اسلام کی مخالفت سے آگے کوئی بات سوچنے کو تیار نہ تھے۔

ایک دن امیہ بن خلف، عقبہ بن ابو معیط، عتبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، ابوسفیان اور مکہ کے چند اور رؤسائے قریش کے سب سے بڑے سردار ولید بن مغیرہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ مکہ کے عوام کی طرح ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع بھی پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی تعلیم تھی جو اُن کے مشرکانہ عقائد کی نفی کرتی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ بے فکرے عوام ہادیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور اُن پر ایمان لانے والوں کے خلاف اپنے شاعروں اور مسخروں کے طنز و استہزا پر بے اختیار قہقہے لگایا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ جن کے کندھوں پر قریش کی سیادت کا بوجھ تھا نسبتاً سنجیدگی کے ساتھ اپنے حال کے واقعات اور مستقبل کے مسائل پر غور کر رہے تھے۔

جاہلی غرور انہیں دین اسلام کے متعلق کھلے بندوں اُس خوف و اضطراب کے اظہار کی اجازت نہ دیتا تھا جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا اور وہ اسے کھوکھلے قہقہوں اور اداس مسکراہٹوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس ظاہری احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی کی زبان پر کوئی ایسی بات آجاتی کہ اُن کے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔

ولید بن مغیرہ کہہ رہا تھا۔ "اگر یہ بات درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے چند سال کے اندر اندر رومیوں کی فتح کے متعلق پیش گوئی کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ اُس کا جادو دیر تک نہیں چلے گا۔ اب تک ہم نے اپنے معبودوں کے خلاف عبدالمطلب کے پوتے کی باتیں برداشت کی ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب اُس پر ایمان لانے والے مکہ کے چوراہوں میں کھڑے ہوکر اُسے جھٹلائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ایرانی، اہل روم کو صفحۂ ہستی سے نابود کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ شام کے حالات سے مکہ کا کوئی اور آدمی ابوسفیان سے زیادہ باخبر نہیں۔ تم انطاکیہ، حلب، دمشق اور یروشلم کی تباہی کا حال سن چکے ہو۔ روم کے عیسائی بھیڑوں کا ریوڑ ہیں جنہیں ایران کے شیروں نے سمندر کی طرف ہانک دیا ہے۔ اور تم عنقریب سن لوگے کہ انہوں نے شام کی طرح مصر میں بھی رومیوں کے اقتدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ہمارے قریب وہ ملک جہاں رومیوں کو مغلوب ہونے کے بعد غالب

آنے کی بشارت دی گئی ہے شام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن یہ پیش گوئی کرتے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاید اِس حقیقت کا علم نہ تھا کہ کسریٰ کا لشکر شام پر مکمل فتح حاصل کر چکا ہے اور رومی صدیوں تک دوبارہ اِس طرف دیکھنے کی جرأت نہ کریں گے — لیکن کاش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ پیش گوئی کی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ جب چند سال بعد رومی مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے اور وہ یہ دیکھے گا کہ اب اُن کے دوبارہ اٹھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تو وہ اس پیش گوئی سے صاف انکار کر دے گا۔"

ابوجہل نے کہا "چچا! میں بذاتِ خود اِس بات کی تصدیق کر چکا ہوں۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واقعی یہ پیش گوئی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی مسلمان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں لیکن میں کم و بیش دس مسلمانوں سے اِس کی تصدیق کر چکا ہوں — مجھے اِس بات پر تعجب نہیں کہ عبدالمطّلب کے پوتے نے ایک ان ہونی بات کہی ہے لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ مجھے ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ملا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت میں ذرہ بھر شبہ ہو۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کے نبیؐ کو قرآن کی آیات میں یہ بشارت دی ہے اور قرآن کی کوئی آیت غلط نہیں ہو سکتی۔ اُبَی بن خلف نے ابوبکرؓ کے سامنے اِس آیت کا مذاق اڑایا تھا اور اُسے شرط بدنے کی دعوت دی تھی چنانچہ ابوبکرؓ نے یہ شرط مان لی ہے کہ اگر تین سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو وہ اُسے دس اونٹ دے گا ورنہ اُبَی بن خلف کو دس اونٹ دینے پڑیں گے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ایران کی فتح کو شکست میں تبدیل نہیں کر سکتی لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمان ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی سے کیوں مسرور ہیں۔ انہیں اِس سے کیا تعلق ہے کہ شام میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔"

ابوجہل نے جواب دیا "اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کئی باتیں مشترک ہیں۔ اور جب سے ہم نے انہیں یہ طعنے دینے شروع کئے ہیں کہ جس طرح شام کے عیسائی ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اس وقت سے انہیں ہماری طرح ایرانیوں سے بھی دشمنی ہو گئی ہے۔ مکّہ میں جب ایرانیوں کی کسی نئی فتح کی خبر آتی تھی تو مسلمانوں کا ردِّعمل دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اِسے اپنی شکست محسوس کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن

کے حوصلے قائم رکھنے کے لئے یہ پیش گوئی کی ہے — لیکن آپ سب اس بات پر حیران ہوں گے کہ اس پیش گوئی کے بعد مسلمان صرف رومیوں کے دوبارہ غالب آنے پر ہی نہیں بلکہ اپنی فتح کے متعلق بھی پُر اُمید ہو گئے ہیں۔ قرآن کی جو آیات میں نے سنی ہیں اُن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رومیوں کے فتح کے دن مسلمان بھی اپنی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اب آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو جس دشمن پر فتح حاصل کرنے کے متمنی ہیں وہ کون ہے۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ روم و ایران کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے مستقبل کے اُن خطرات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جو مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے باعث پیش آسکتے ہیں۔"

حاضرین اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور محفل پر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی طاری ہو گئی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا "میرا دانشمند، دور اندیش اور بہادر بھتیجا مسلمانوں کے مسئلے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اِس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر بات سننا اور اُسے جھٹلانا اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ دوسروں کے لئے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے دور رہیں اور ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی بات نہ سنیں۔ لیکن اِس کی اپنی یہ حالت ہے کہ علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اسے سب سے پہلے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ آج رات اُس پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے — مجھے ہمیشہ اِس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں اس پر بھی اُس کا جادو اثر نہ کر جائے۔"

ولید بن مغیرہ ہنس رہا تھا اور حاضرین شرارت آمیز مسکراہٹوں کے ساتھ اُس کے بھتیجے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل پاسِ ادب سے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا لیکن جب حاضرین کی مسکراہٹیں دبے دبے قہقہوں میں تبدیل ہونے لگیں تو وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ عرب کا سارا غرور اِس دراز قامت انسان کی نگاہوں میں آگیا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا "چچا! آپ میری باتیں مذاق نہ سمجھیں۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس کے ماننے والوں سے خوفزدہ نہیں ہوں — آپ کی طرح میری رگوں میں بھی ولید کا خون ہے۔ عبدالمطّلب کے پوتے کا جادو بنو ہاشم کے کمزور افراد پر چل سکتا ہے، مجھے متأثر نہیں کر سکتا۔ اگر قریش کے تمام خاندان، بلکہ پورے عرب کے قبائل بھی مسلمان ہو جائیں تو بھی میں تنہا اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہوں مجھے اِس بات پر فخر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُس پر ایمان لانے والوں کو سب سے

زیادہ اذیتیں میں نے پہنچائی ہیں۔ مجھے اِس بات پر بھی فخر ہے کہ اِس نئے دین کے باعث عرب میں قریش کے مستقبل کو جو خطرات پیش آسکتے ہیں اُن کی طرف سب سے پہلے میں نے توجہ دی ہے۔ آپ مجھے بے حمیت یا بے غیرت ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے۔

لیکن آج سردارانِ قریش میری بات غور سے سُن لیں۔ عرب میں ہماری اہمیت، ہمارا اقتدار اور ہماری عزت صرف اس لئے ہے کہ ہم کعبے کے متولّی ہیں۔ ہم کعبے کے اُن تین سو ساٹھ بتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں جن کے لیے دور دراز کے قبائل نذریں اور چڑھاوے لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ معبود ہیں جن کی بدولت اِس بے آب وگیاہ وادی کے باشندوں کو ایسی دولت اور عزت نصیب ہوئی ہے جو عرب کے کسی قبیلے کے حصّے میں نہیں آئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے ان معبودوں کا دشمن ہے ــــ اُس نے یہ کہا ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اب قریش کے کسی فرد کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر محمد (صلی اللہ و علیہ وسلم) کا بس چلا تو وہ ہمارے معبودوں پر ہاتھ ڈالنے سے دریغ کرے گا۔ اور تمہیں اس بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ جب اس نئے دین کے ہاتھوں ہمارے معبود شکست کھا جائیں گے۔ جب کعبہ ہمارے بتوں سے خالی ہو جائے گا تو عرب کے اندر قریش کی کوئی اہمیت باقی رہ جائے گی۔ آج مکہ عرب کا مذہبی، تجارتی اور سیاسی مرکز ہے لیکن جس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ارادے پورے ہو جائیں گے۔ یہ فاقہ کش چرواہوں کی ایک گمنام بستی ہوگی۔ پھر دور دراز کے لوگ یہاں حج کے لئے نہیں آیا کریں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمارے سینے پر ایک خنجر ہے اور ہمیں اُس وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خنجر ہمارے دل میں اتر جائے ــــ اُس نے صرف ہمارے اسلاف کے مذہب کے خلاف ہی بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کیا بلکہ عرب کی اُن تمام روایات کے خلاف آواز بلند کی ہے جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اُس کے نزدیک قریش اور دوسرے عربوں کے رتبے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے نزدیک حبشی غلام بھی ہماری ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اُس کے نزدیک انسان کی برتری اور عظمت کا راز اُس کے حسب و نسب میں نہیں بلکہ اعمال میں ہے۔ اُس کی نگاہ میں قریش کے عالی نسب سرداروں کے مقابلے میں ہمارے وہ حقیر لونڈی، غلام افضل ہیں جو اُس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں۔"

امیہ بن خلف نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! میں آپ کے بھتیجے کو قریش کی ننگی تلوار سمجھتا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمانوں سے اس قدر خائف ہے۔ کیا اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہ اُن میں سے کئی مکّہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف بھاگ رہے ہیں؟ کیا یہ ہمیں اتنا کمزور سمجھتا ہے کہ باقی چند آدمی ہیں بھاگنے کی بھی سکت نہیں ہمیں نگل جائیں گے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں مسلمانوں کا کوئی جاسوس موجود نہیں ورنہ ایسی باتیں سُن کر وہ شیر ہو جاتا۔" ابوجہل نے غصّے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا "اُمیّہ! جب کسی میدان میں ان لوگوں کا سامنا کرنے کا وقت آئے گا تو تم مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکو گے ــــ لیکن اگر دور اندیشی تمہارے نزدیک بزدلی کے مترادف ہے تو میں تمہارے منہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا ــــ میری بات غور سے سنو! ہمارا مقابلہ صرف گوشت خون اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسانوں کے ساتھ نہیں اگر یہ بات ہوتی تو تمہارا غلام بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جسے دہشت زدہ کرنے کے لئے تمہاری پیشانی کی ایک ہلکی سی شکن کافی ہونی چاہیئے تھی اس جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا۔ تم اُسے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے سارے جتن کر چکے ہو۔ تم اُسے جلتے ہوئے پتھروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر دیکھ چکے ہو۔ تم نے کوڑے مار مار کر اُس کا چمڑا ادھیڑنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جب تمہارے ہاتھ تھک جاتے تھے تو تم اُسے مارنے پیٹنے اور گھسیٹنے کے لئے مکّہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ جسم کی وہ کون سی اذیت ہے جو تم نے اُسے نہیں دی۔"

اُمیّہ بن خلف نے کہا "یہ میرا فرض ہے اور جب تک وہ ہار نہیں مانتا میں اُس کے ساتھ یہ سلوک جاری رکھوں گا۔ تمہیں میرے غلام کی حمایت میں زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں۔"

ابوجہل نے جواب دیا "تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں ایک مسلمان کی حمایت کر سکتا ہوں اور وہ بھی ایک غلام کی؟"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ابوجہل نے جواب دیا "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مکّہ کے اندر کوئی ایسا انقلاب آچکا ہے جو میری اور تمہاری نہیں، بلکہ ہم سب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر بنو ہاشم کا کوئی معزز آدمی اپنی خاندانی حمیت سے مجبور ہو کر عبدالمطّلب کے پوتے کی حمایت پر اُتر آئے تو یہ بات میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ ضعیف عورتیں

وہ کمزور اور بے بس غلام جنہیں کبھی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا ہمارے سامنے تن کر کھڑے ہو جائیں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ میں نے عمارؓ کی ماں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا لیکن جب میری برچھی اُس کے سینے کے پار ہو گئی تھی تو بھی وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔ میں اُس کی نگاہوں میں موت کا خوف دیکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے ناکامی ہوئی۔ میں نے زنیرہؓ کو مار مار کر اندھا کر دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُس کی کھال ادھیڑ ڈالوں تو بھی وہ اسلام سے تائب نہیں ہوگی ـــــ تم خباب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر دیکھ چکے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو جسمانی اذیتیں پہنچانے میں بھی تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کسی انتہائی کمزور اور بے بس مسلمان کو بھی اپنے اسلاف کے دین پر واپس نہیں لا سکے۔

اہلِ عرب نے آج تک کسی ایسے بے بس آدمی کی آقائی قبول نہیں کی تھی جس کے ہاتھ فتوحات اور کامرانیوں کے ظاہری اسباب سے خالی ہوں اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب عرب کی گلیوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اڑایا جائے گا۔ جب اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جائیں گے اور جب اُس کے لئے کعبے کے اندر داخل ہونا ناممکن بنا دیا جائے گا تو اُس کے پیرو مایوس اور بد دل ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور شاید اپنی بے بسی اور اپنے ساتھیوں کے آلام و مصائب کا احساس ہی اُسے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دے گا کہ مکّہ کی سنگلاخ زمین میں ایک نئے دین کا پودا برگ و بار نہیں لا سکتا۔ لیکن ہماری تمام تدبیروں کا اثر الٹا ہوا ہے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مرعوب نہیں کر سکے۔ ہم مسلمانوں کو یہ احساس دلانے سے قاصر رہے ہیں کہ تمہارا نبیؐ اُن وسائل سے محروم ہے جو ایک راہنما کی فتح و کامرانی کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔

میرے دوستو اور بزرگو! ہم اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی عزت کے لئے سینہ سپر ہوا کرتے تھے ہم اپنے گھروں، اپنے مال و دولت، اپنے چشموں اور اپنی چراگاہوں کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگایا کرتے تھے۔ ہم اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے اور انہیں لوٹنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔ ہم یہ ثابت کرنے کے لئے اپنا خون بہایا کرتے تھے کہ اس زمین پر ہم سے زیادہ کسی اور کو مغرور و متکبر ہونے کا حق نہیں ـــــ دنیا میں کسی کو ہمارے افعال، ہماری قبائلی رسوم اور ہمارے مذہبی عقائد پر نکتہ چینی کا حق نہ تھا۔ ہم صحرا کی آندھیوں کی طرح آزاد تھے

عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ہمیں زندگی کے نئے آداب سکھانا چاہتا ہے۔ وہ ہماری قبائلی زندگی تمام آزادیاں، تمام مسرتیں اور تمام راحتیں سلب کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیں مساوات کا درس دیتا ہے تاکہ ہمارا خاندانی غرور خاک میں مل جائے اور ہم دوسرے قبائل پر برتری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ وہ ہمیں صلح اور امن کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہماری تلوار زنگ آلود اور ہمارا خون سرد ہو جائے اور جب ہمارے حریف ہمیں مغلوب کرنا چاہیں تو ہمارے اندر مقابلے کی سکت نہ ہو۔ وہ صبر اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہم بھی اُس کی طرح تہی دست ہو جائیں۔ وہ ہمارے بتوں کو جھٹلا کر توحید کا درس دیتا ہے تاکہ ہم اُس کے ایک خدا پر ایمان لے آئیں اور اُسے اس ایک خدا کے نبیؐ کی حیثیت سے اپنا آقا مان لیں۔ اب تک ہم نے ان باتوں کو مذاق سے زیادہ وقعت نہیں دی لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ اِس صورتِ حال سے نبٹنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ ناکافی تھے۔"

عقبہ بن ربیعہ نے کہا "تم یہ تسلیم کر چکے ہو کہ تمہاری سختیاں مسلمانوں کو مرعوب یا بد دل نہیں کر سکتیں۔ تم اُن کی کھال اتار سکتے ہو لیکن اُن کی روح کی گہرائیوں سے محمدؐ کی اطاعت اور محبت کے جذبات خارج نہیں کر سکتے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اتنی دولت نہیں کہ وہ کسی کو لالچ دے سکے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں جس کے خوف یا احترام نے مفلوک الحال اور بے بس لوگوں کو اُس کی اطاعت پر مجبور کر دیا ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہیں زندگی کی وہ آسائشیں عطا نہیں کر سکتا جو تمہیں کعبے کے بتوں سے، اطاعت کے بدلے حاصل ہوتی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ محمدؐ کے پیرو اپنے دین کے معاملے میں تمہاری نسبت کہیں زیادہ مخلص ہیں۔ انہوں نے تمہاری ہیبت اور قوت کے باوجود تمہارے کئی آدمیوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا ہے اور تم اُن کی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود اُن میں سے ایک کو بھی واپس نہیں لا سکے؟"

عقبہ بن ابو معیط نے جواب دیا "آپ کے سوال کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک جادوگر ہے اور ہم اُس کے جادو کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکے۔"

ابوجہل نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کے جادو کا یہی توڑ ہے کہ ہم اُسے قتل کر دیں مجھے یقین ہے کہ اُس کی موت سے مسلمانوں کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گی اور ہمیں یہ زمانہ ایک خوب محسوس ہوگا۔" عتبہ بن ربیعہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ولید! مجھے معلوم نہیں کہ محمد سچا نبی ہے یا جادوگر ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ عبدالمطلب کا پوتا ہے اور اُس کا باپ عبداللہ ہم سب سے زیادہ شریف النفس تھا ـــــ اُسے قتل کرنا آسان نہیں۔ اگر تمہارا بھتیجا بنو ہاشم کو بے حمیت سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ اگر تم نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے ابوطالب کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چچا ہے اور بنو ہاشم پر اُس کا بہت اثر ہے۔ اگر ہم نے اُسے اپنا ہم خیال بنا لیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نبٹنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ اگر قریش کے رؤسا ابوطالب کے پاس کوئی وفد بھیجنے پر آمادہ ہوں تو میں اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن جہاں تک میرا بس چلے گا میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خون سے ہاتھ رنگنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

ولید نے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی تجویز سے پورا اتفاق ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سرداران قریش کی تائید کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے۔"

ابی بن خلف ہانپتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر بلند آواز میں کہا۔ بھائیو! آپ کو مبارک ہو میں ابوبکر (رض) سے دس کی بجائے سو اونٹ کی شرط بد آیا ہوں۔ ابوبکرؓ خود میرے پاس آیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ اپنے وعدے سے منحرف ہونے کے لئے کوئی بہانہ پیش کرے گا۔ لیکن اُس نے آتے ہی کہا کہ میں نے رسول اللہ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھے بغیر تم سے شرط بدی تھی ـــــ لیکن جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ چند سال سے مراد دس سال کا عرصہ ہے یعنی پیش گوئی کے مطابق رومی دس سال کے اندر اندر ایرانیوں پر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اس لئے تم شرط کی مدت تین سے بڑھا کر دس سال اور اونٹوں کی تعداد دس کی بجائے سو کر دو ـــــ میں نے شرط میں یہ ترمیم منظور کر لی ہے۔ اب میں تین کی بجائے دس سال کے بعد ابوبکرؓ سے شرط جیتنے کی خوشی میں آپ کے لئے ایک شاندار دعوت کا انتظام کروں گا۔"

ابوجہل نے کہا۔ "ابوبکرؓ کو اس بات کا یقین ہے کہ دس سال تک عرب میں کسی مسلمان کا وجود

باقی رہے گا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "بھائی! ابوبکرؓ تو یہ کہتا تھا کہ اسی پیش گوئی کے مطابق جہاں دس سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر فتح حاصل کریں گے وہاں مسلمانوں کو بھی ایک شاندار فتح حاصل ہوگی۔"

ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔ "شرط بدتے وقت تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "مجھے گواہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی، ابوبکرؓ بذاتِ خود جگہ جگہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں نے یہ شرط بدی ہے۔"

ابوسفیان نے کہا۔ "میری رائے میں ہمیں زیادہ جوش و خروش سے اس خبر کی تشہیر کرنی چاہیئے۔ تاکہ ابوبکرؓ کے لئے منحرف ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔"

ولید بن مغیرہ نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کام مشکل نہیں ہمیں صرف حج اور عکاظ کے میلے میں چند بار اعلان کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد یہ خبر پورے عرب میں مشہور ہو جائے گی۔"

ابوجہل نے بگڑ کر کہا۔ "سردارانِ قریش تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہم دس سال انگاروں پر لوٹ کر روم و ایران کی جنگ کے نتائج کا انتظار کریں گے؟ اور اس عرصہ میں عبدالمطلب کے پوتے کو ہمارے بھائیوں، دوستوں اور عزیزوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی اجازت ہوگی؟ کیا ہم اپنے معبودوں کی تضحیک برداشت کرتے رہیں گے۔ کیا ہم ایک ایسے دشمن کی سرگرمیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے جو اپنی فتح پر یقین رکھتا ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس دین کے باعث ہماری لونڈیاں اور غلام بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں؟ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو چند سال اور اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ اخوت و مساوات کا درس دے کر پورے عرب میں غلاموں، مفلسوں اور ناداروں کو ہمارے دوش بدوش کھڑا کر دے؟"

ایک رئیس نے کہا۔ "ہبل کی قسم! مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ ہم چند مسلمانوں کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ اُن کا حبشہ کی طرف فرار ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ انہیں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ کافی نہیں۔ لیکن ہشام کے بیٹے کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ ابھی تو ہم نے ابتدا بھی نہیں کی۔ اور مجھے

یقین ہے کہ جب ہم اِس مسئلے پر سنجیدہ ہوجائیں گے تو ان لوگوں کو روم و ایران کے مسائل کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملے گی۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست کروں گا اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مسئلہ صرف غلاموں اور ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا مسئلہ ہی نہیں۔ اب چند با اثر لوگ بھی اُن میں شامل ہو گئے ہیں جنہیں اُن کے خاندانوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ہمیں ان کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے انہیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر ہمیں اُن کے رشتہ داروں سے یہ اطمینان حاصل کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ ان کے خلاف ہمارا ساتھ دیں گے۔ ورنہ غیر جانبدار رہیں گے ـــــ مجھے یقین ہے کہ اپنے خاندانوں کی اعانت سے مایوس ہونے کے بعد اُن کے حوصلے زیادہ دیر قائم نہیں رہیں گے۔ پھر اگر تصادم کی صورت پیش آئی تو ہم انہیں ہر وقت کچل سکتے ہیں"۔

حاضرین مجلس نے اِس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

باب ۲۱

یروشلم کی فتح کے چند ماہ بعد غزّہ کے سوا شام کے تمام علاقے ایرانیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ رومی لشکر کے بیش تر دستے جو مختلف محاذوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، غزّہ کی محافظ فوج میں شامل ہو چکے تھے اور روم کا جنگی بیڑا سمندر کے راستے انہیں رسد و کمک پہنچا رہا تھا۔ قیصر کی فوج غیر متوقع عزم و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی اور اس اہم قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانیوں کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ لیکن جب پرویز نے اپنے لشکر کے ایک حصّے کو صحرائے سینا کے راستے وادیٔ نیل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تو روم کے جنگی بیڑے کو غزّہ کی بجائے اسکندریہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی۔ اسکندریہ مصر کا دروازہ تھا اور اپنی فوجی، سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے، انطاکیہ اور قسطنطنیہ کے سوا رومی سلطنت کا کوئی اور شہر اس کا ہم پلّہ نہ تھا۔ شام اور فلسطین سے بھاگنے والے ہزاروں متموّل اور با اثر لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور غزّہ کی محافظ فوج کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے بھی اپنے بال بچوں کو وہاں بھیج دیا تھا۔ بحری بیڑے کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد اہلِ غزّہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ایرانیوں نے چند پے در پے حملوں کے بعد شام کے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ایرانی فوجیں وادیٔ نیل کی اُن قدیم گزرگاہوں کو پامال کر رہی تھیں جن پر چل کر منف اور جیزہ کے اہرام میں ابدی نیند سونے والے فراعنہ کے لشکر بارہا شام و فلسطین کی بستیوں کو آگ اور خون کے جہنم زاروں میں جھونک چکے تھے۔

عاصم مقدمۃ الجیش کے عرب دستوں کے سالار کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ان بدخصلت انسانوں سے، جو صرف لوٹ مار اور قتل و غارت کے شوق میں ایرانیوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، کسی ضبط و نظم کی پابندی کروانا آسان نہ تھا۔ لیکن عاصم میں ایک فوجی راہنما کی تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اپنی جرأت اور بہادری کے باعث وہ کئی میدانوں میں داد و تحسین حاصل کر چکا تھا اور عرب موت کو کھیل سمجھنے والے راہنما کا حکم ماننا جانتے تھے۔ غزہ کی فتح کے بعد حابس کے علاوہ کئی اور رؤسا اس اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ اُن کے سپاہیوں کی قیادت اور دیکھ بھال کے لئے ایک فرض شناس راہنما اور ایک قابلِ اعتماد دوست موجود ہے۔

سین سے جدا ہونے کے بعد عاصم کی تمام دلچسپیاں اپنے آپ کو ایک کامیاب سپاہی ثابت کرنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اُس کے نزدیک اب صرف تلوار ہی ایک ایسی چیز تھی جس کی بدولت چاروں طرف سے دھتکارے ہوئے انسان کو کوئی عزت کی جگہ مل سکتی تھی۔ اور اب یہ سوال اُسے بہت کم پریشان کرتا تھا کہ روم و ایران کی یہ جنگ کن مقاصد کے تحت لڑی جا رہی ہے۔ آگ اور صلیب کے پرستاروں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ــــ ایک عرب کو زندہ رہنے کے لئے اپنے گھر اور اپنے قبیلے کی ضرورت تھی اور قدرت نے اُسے اس نعمت سے محروم کر دیا تھا۔ اب اُس کا قبیلہ وہ سپاہی تھے جو اُس کی کمان میں لڑ رہے تھے۔ انہی کے تعاون سے وہ کسریٰ کے جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا تھا اور انہی کی کامیابیاں اُس کے لئے اس نئے ماحول میں کوئی عزت کا مقام حاصل کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اپنے سپاہیوں کے لئے اُس کے دل میں وہی جذبات تھے جو ایک سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی وحشت و بربریت کے دل خراش مناظر دیکھ کر اُس کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن زندگی سے وابستہ رہنے کی خواہش اُن لطیف دھڑکنوں پر غالب آجاتی جو اُس کے نزدیک کبھی دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اہم تھیں۔

○

ایک شام کسریٰ کی فوج کے ہراول دستے بابلیون کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور

چند دن بعد یہ قدیم شہر، جس کے ایک ایک پتھر پر مصر کی عظمت رفتہ کی داستانیں نقش تھیں، فتح ہو چکا تھا۔ اور اُس کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے سپاہیوں کے نعرے اور مفتوحہ قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ بند مکانوں کے دروازے توڑے جا رہے تھے۔ اور وہ لوگ جنہیں غلامی کے قابل سمجھا جاتا تھا بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر شہر سے باہر قیدیوں کے کیمپ میں جمع کئے جا رہے تھے۔

ایک دن ایرانی فوج کے اعلیٰ عہدہ دار بابلیون کے شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں جمع ہو کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق سپہ سالار کے احکام کا انتظار کر رہے تھے۔ سپہ سالار، جس کی بلند ٹوپی بیش قیمت جواہرات سے مزین تھی، کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر کہا "شہنشاہ نے اسکندریہ کی طرف بلا تاخیر پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔ تم کل تک یہاں آرام کر سکتے ہو۔ پرسوں علی الصباح ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رومی اسکندریہ کو اپنا آخری حصار سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آمد سے پہلے ہی وہ بابلیون خالی کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ رومیوں کی جو فوجیں شام میں شکست کھا کر وہاں سے بھاگی تھیں وہ بھی اسکندریہ پہنچ چکی ہیں اور ہم انہیں مزید تیاریوں کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ ویسے بھی ہمیں بابلیون میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔ مصریوں نے صرف چند رومیوں کو اپنے گھروں میں چھپا رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم کل تک اُن سب کو گرفتار کر لیں گے۔ اس کے بعد اہل شہر کو مغلوب رکھنے کے لئے ہمارے چند دستے کافی ہوں گے۔ آئندہ آٹھ پہر تک بابلیون تمہارے رحم و کرم پر ہے لیکن دوپہر تک قباد کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج کو پڑاؤ میں جمع ہو جانا چاہیئے۔"

قباد ایک عمر رسیدہ جرنیل تھا اُس نے پریشان ہو کر کہا "جناب آپ کا مطلب ہے کہ میں اسکندریہ نہیں جاؤں گا؟"

"نہیں! شہنشاہ نے تمہیں بابلیون کی حکومت سنبھالنے کا حکم دیا ہے۔" یہ کہہ کر سپہ سالار ایک اور جرنیل کی طرف متوجہ ہوا "مہران! تمہیں ایک بڑی مہم سونپی گئی ہے۔ تم یہاں سے طِیبہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ جنوب میں مصر کی آخری حدود تک ایران کے جھنڈے گاڑ دیئے جائیں۔ دریائے نیل تمہاری راہنمائی کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ تم حبشہ کی سرحدیں عبور کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔"

مہران نے کہا "جناب! مجھے فخر ہے کہ میرے آقا نے مجھے اِس خدمت کا اہل سمجھا ہے۔"

سپہ سالار نے کہا "مجھے یقین ہے کہ مصر کے لوگ راستے میں کسی جگہ مزاحمت نہیں کریں گے تاہم تمہیں ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو اِس انتہائی گرم علاقے میں ایک طویل سفر کی کلفتیں برداشت کر سکتے ہوں۔ اس لئے عرب قبائل کے رضاکار تمہارے ساتھ جائیں گے۔ چند ماہ قبل مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ لوگ جو صرف لوٹ مار کے لئے ہمارے ساتھ آئے ہیں کسی کٹھن اور صبر آزما مہم میں بھی کام آسکتے ہیں۔ لیکن ہمیں عاصم کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اِس نے ضبط و نظم کے معاملے میں اِن لوگوں کو ایرانی سپاہیوں کے لئے بھی ایک نمونہ بنا دیا ہے۔ اگر تم بھی سین کی طرح اِس نوجوان کی ناز برداری کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس مہم میں تمہارے لئے بہترین ساتھی ہوگا۔ میں عاصم کو بھی اس مہم کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کروں گا۔"

سپہ سالار نے باقی جرنیلوں کو بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہدایات دیں اور مجلس برخاست ہوگئی۔

○

غروب آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم بابلیون کی ایک کشادہ گلی سے گزر رہا تھا۔ سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں باقی شہر کی طرح یہاں بھی لوٹ مار کر رہی تھیں۔ اچانک ایک عرب نے پیچھے سے آواز دی اور عاصم مُڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ عرب تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اُس کے قریب پہنچا اور اُس نے کہا "میں دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ پڑاؤ سے معلوم ہوا کہ آپ قیدیوں کے کیمپ دیکھنے گئے ہیں۔ وہاں سے پتا چلا آپ شہر کی طرف آگئے ہیں۔ ہمارے چند اور آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کسی مکان کا دروازہ بند کئے سو رہے ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

عرب نے کہا "سپہ سالار کا آدمی یہ حکم لے کر آیا تھا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ ہولیا۔ کچھ فاصلے پر چند آدمی ایک مکان کے بند دروازے کے

سامنے شور مچا رہے تھے۔

عرب نے کہا "جناب! یہ یہودی ہیں اور خاصی دیر سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے، یہاں سے گزرتے ہوئے، اُن سے کہا تھا کہ تم دروازے پر زور آزمائی کرنے کی بجائے دیوار پھاند کر اندر کیوں نہیں چلے جاتے تو انہوں نے کہا کہ یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ دروازہ توڑنے کے بعد بھی مکان کے اندر پاؤں رکھنے سے پہلے اس بات کا اطمینان ضرور چاہیں گے کہ وہاں نہتے مصریوں کے سوا اور کوئی نہیں۔"

اچانک ساتھ والے مکان سے ایک قوی ہیکل ایرانی کندھے پر شہتیر اٹھائے نکلا اور یہودی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ چند نوجوان ایرانی کے ساتھ شامل ہوگئے اور شہتیر کو سہارا دے کر، بھاگتے ہوئے، دروازے کی طرف بڑھے۔ مضبوط دروازہ شہتیر کی پہلی ہی ضرب سے ٹوٹ گیا اور یہ لوگ ایرانی کے پیچھے، خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے، اندر داخل ہوئے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ چیختے چلاتے الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگنے لگے سب سے آخر میں ایرانی اپنی تلوار پر ایک دراز قامت رومی نوجوان کے وار روکتا ہوا باہر نکلا۔

عاصم اور اُس کا ساتھی یہ دلچسپ تماشا دیکھنے کے لئے رک گئے۔ خوش وضع رومی نوجوان کا ایک بازو گلے سے بندھا ہوا تھا اور سر پر خون آلود پٹیاں بھی اُس کے زخمی ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔ تاہم اُس کے تیور یہ بتا رہے تھے کہ وہ موت سے پہلے ہار نہیں مانے گا۔

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! میں نے بہت کم رومیوں کو اس طرح لڑتے دیکھا ہے۔ یہ ایرانی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں آگے بڑھوں۔"

عاصم نے جواب دیا "نہیں، تم یہیں کھڑے رہو۔"

قوی ہیکل ایرانی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد وہ چلانے لگا "بزدلو! کیا دیکھتے ہو؟ یہ اکیلا ہے۔ تم بھیڑوں کی طرح کیوں بھاگ رہے ہو؟"

چند یہودی نوجوانوں نے آگے بڑھ کر رومی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے اچانک دائیں طرف حملہ کر کے دو آدمیوں کو زخمی کر دیا اور پھر بائیں طرف ٹوٹ پڑا۔ اب یہودی کئی گز دُور ہٹ کر لڑنے

کی بجائے صرف شور مچانے پر اکتفا کر رہے تھے ـــــ ایرانی انہیں گالیاں دیتا ہوا دوبارہ اپنے حریف کے سامنے آگیا لیکن انتہائی جوش و خروش کی حالت میں چند وار کرنے کے بعد وہ دوبارہ پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا "اب یہ بیوقوف مارا جائے گا۔ اگر یہ سب یہودی قتل ہو جاتے تو میرے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ ہوتی لیکن یہ ایرانی ہے اور میری موجودگی میں اس کا ایک رومی کے ہاتھوں مارا جانا مناسب نہیں۔"

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! مجھے اجازت دیجئے۔"

"نہیں! تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" عاصم نے یہ کہہ کر تلوار نکال لی۔

اتنی دیر میں رومی نے پے در پے چند وار کئے اور ایرانی اپنے بازو پر زخم کھانے کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگتا ہوا پیٹھ کے بل گر پڑا۔ رومی نے اُس پر فیصلہ کُن ضرب لگانے کے لئے تلوار بلند کی لیکن عاصم بجلی کی سی تیزی سے کود کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ رومی کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ عاصم پر چند وار کرنے کے بعد اُس کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے کہا "تم بہادر معلوم ہوتے ہو لیکن زخمی ہو اگر ہتھیار پھینک دو تو ممکن ہے کہ میں تمہاری جان بچا سکوں۔"

رومی نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ تم مجھے قتل کرنے سے پہلے خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو، لیکن تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو گی۔"

"میری یہ خواہش نہ تھی کہ جنگ کے بعد کوئی میرے ہاتھوں مارا جائے لیکن تم بہت بدقسمت ہو۔" عاصم نے یہ کہہ کر پے در پے چند وار کئے اور رومی، جس کی قوتِ مدافعت ہر لحظہ جواب دے رہی تھی، اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا دروازے میں پہنچ گیا۔ اچانک اُسے دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ ٹوٹے ہوئے کواڑ پر گر پڑا۔

عاصم نے اُس کے سینے پر اپنی تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا "تم جیسے نوجوان کو موت سے اتنی محبت نہیں ہونی چاہیئے۔"

اچانک صحن سے نسوانی چیخیں بلند ہوئیں "مجھے چھوڑ دیجئے، ابا جان! مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں اُس کے

ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔ ابا جان! خدا کے لئے۔"

عاصم نے نگاہ اٹھائی سامنے ایک نوجوان لڑکی ایک عمر رسیدہ شخص کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی نگاہیں عمر رسیدہ آدمی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ فرمس تھا۔ نوجوان لڑکی، جس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا، اچانک اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر آگے بڑھی اور اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ لیکن عاصم نے بائیں ہاتھ سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ رومی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے دوبارہ اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر رکھ دی اور فرمس کی طرف دیکھ کر چلایا "فرمس! میں عاصم ہوں، وہ غریب الوطن، جسے تم نے اپنی سرائے میں پناہ دی تھی۔ اب باتوں کا وقت نہیں، اگر تم اس نوجوان کی جان بچانا چاہتے ہو تو اسے سمجھاؤ کہ یہ بے حس و حرکت یہیں پڑا رہے ورنہ اُن لوگوں کے اندر آجانے کے بعد میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

عاصم کا ساتھی بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا اور اُس نے پوچھا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم دروازے کے باہر کھڑے رہو اور کسی کو مکان کے قریب نہ آنے دو ـــ یہ لوگ ہماری پناہ میں ہیں۔" عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو گلی میں ایک اور تماشا ہو رہا تھا ـــــ ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے یہودیوں کا مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا، گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا۔ "اندر مت جاؤ! یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔ بھاگو! فوج کو اطلاع دو! جلدی کرو، ورنہ وہ بیوقوف جو اکیلا اندر چلا گیا ہے مارا جائے گا۔ خدا کے لئے جلدی کرو۔ تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

قوی ہیکل ایرانی دانت پیستا ہوا اُٹھا اور آگے بڑھ کر عمر رسیدہ یہودی کو چند تھپڑ رسید کر دیئے پھر اُس کی ڈاڑھی پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا "بزدل آدمی! تم شور مچانے کی بجائے انہیں آگے بڑھنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے؟"

عاصم نے آگے بڑھ کر کہا "یہ لوگ ایرانیوں کا خون اپنے خون سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتے۔ تمہیں ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ میں یہاں آنکلا ورنہ اُس رومی کی تلوار تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکی تھی۔" اُس نے زبردستی ایک بے بس مصری کے گھر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بہرحال وہ اپنے کئے کی سزا پا

چکا ہے۔ اب ہمیں تمہارے زخم کی فکر کرنی چاہیئے۔ عاصم نے آگے بڑھ کر ایک یہودی کی کمر سے ریشمی پٹکا کھولا اور اُسے پھاڑ کر ایرانی کے بازو پر پٹی باندھ دی۔

ایرانی نے کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آئندہ میں کبھی یہودیوں کا اعتبار نہیں کروں گا۔ یہ لوگ حرص مُردوں کی لاشیں مسخ کر سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "میں بہت تھکا ہوا ہوں اور میرا خیال ہے کہ پڑاؤ میں جانے کی بجائے اسی مکان میں آرام کر لوں۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو کسی اور گھر کا راستہ دکھا دیں۔"

"جناب! آپ اندر جا کر اطمینان سے آرام کریں۔ میں ان سے نبٹ لوں گا۔" یہ کہہ کر ایرانی یہودیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم سب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سپاہیوں کو بلاتا ہوں وہ تمہارے سر کاٹ کر دریائے نیل میں پھینک دیں گے۔"

یہودی ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکنے لگے لیکن چند نوجوان تذبذب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

ایرانی بلند آواز میں چلایا۔ "اہرموزدہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ بھاگ جاؤ!" آن کی آن میں گلی خالی ہو گئی۔

عاصم نے کہا۔ "اب تمہیں چاہیئے کہ سیدھے پڑاؤ میں جا کر اپنا زخم کسی طبیب کو دکھاؤ مجھے ڈر ہے کہ رومی کی تلوار زہر آلود نہ ہو۔ تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔"

زہر کا لفظ سن کر ایرانی کسی توقف کے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور عاصم اپنے ساتھی کو دروازے پر موجود رہنے کی تاکید کر کے مکان کے اندر داخل ہوا۔

رومی جسے فرمس نے نئی صورت حال سے باخبر کر دیا تھا ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور نوجوان لڑکی اُس کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

عاصم نے فرمس سے کہا۔ "وہ سب جا چکے ہیں، لیکن اب آپ کے لئے کسی کمرے کے اندر چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ممکن ہے سپاہیوں کی کوئی اور ٹولی یہاں پہنچ جائے۔"

رومی نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ چاروں مکان کے ایک کمرے میں کھڑے تھے۔ فرمس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں، نوجوان لڑکی سسکیاں لے رہی تھی اور رومی پریشانی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عاصم نے فرمس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا۔"

فرمس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور اُس نے جواب دیا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی ہمیں غلامی کی ذلت یا موت سے نہیں بچا سکتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ہماری آئندہ ملاقات ان حالات میں ہوگی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوتے وقت بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ میری بیٹی انطونیہ ہے اور یہ نوجوان میرا داماد ہے اس کا نام کلاڈیوس ہے۔"

"آپ کی بیوی؟" عاصم نے سوال کیا۔

"وہ مر چکی ہے۔"

"کب؟"

"چھ مہینے ہوئے۔ میں تم سے کئی سوال کرنے چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ہم کب تک زندہ ہیں اور تم کس حد تک ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "سر دست آپ کو کوئی خطرہ نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں میرا ساتھی اس مکان پر پہرا دے گا اگر مجھے کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو چند اور عرب سپاہی اس مکان کی حفاظت کے لئے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ اپنے داماد کا لباس تبدیل کرا سکیں تو بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ گھر کا کچھ سامان اٹھا کر صحن میں پھینک دیجئے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ مکان لُٹ چکا ہے۔"

عاصم وہاں سے چل پڑا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد کچھ سوچ کر رُکا اور انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں تمہارے شوہر کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

فرمس نے کہا۔ "آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔ آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قدرت کو ہماری تباہی منظور نہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں، میں بہت جلد آجاؤں گا۔" عاصم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے سامنے اُس کا ساتھی پریشانی کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔

اُس نے کہا۔ "جناب! آپ نے بہت دیر لگائی اور میں اِس بات پر حیران ہوں کہ آپ ایک رومی کو پناہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "یہ رومی اُس شخص کا داماد ہے جس نے مجھے انتہائی بے کسی کی حالت میں سہارا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کے اُس جرنیل کا بھی محسن ہے جسے قسطنطنیہ پر ایران کی فتح کا پرچم گاڑنے کی مہم سونپی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اِس گھر کی حفاظت کر کے شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کر لیں۔ میری غیر حاضری میں تم یہاں پہرا دو گے۔ تمہیں دروازے کی بجائے صحن کے اندر کھڑے رہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اوّل تو رات کے وقت مکان کا ٹوٹا ہوا دروازہ دیکھ کر ہی کوئی لوٹ مار کی نیت سے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر ان لوگوں کو کوئی خطرہ پیش آیا بھی تو حملہ کرنے والوں کو دھمکانے کے لئے تمہارا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ اندر تمہارے چند معزز ساتھی آرام کر رہے ہیں۔ اگر مجھے راستے میں کوئی اور قابلِ اعتماد ساتھی مل گئے تو انہیں اِس گلی میں پہرا دینے کے لئے بھیج دوں گا۔"

○

قریباً ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ فرمس، انطونیہ اور کلاڈیوس مکان کے تاریک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کلاڈیوس نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "آپ کو یقین ہے وہ ہماری مدد کرے گا؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "کلاڈیوس تم اطمینان رکھو، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی ہمیں بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ یثرب کا باشندہ ہے اور آپ کو غریب الوطنی کی حالت میں ملا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اچانک ایرانی فوج میں اس قدر اثر و رسوخ کا مالک بن گیا ہو کہیں ہم اپنے آپ کو دھوکا تو نہیں دے رہے؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "موجودہ حالات میں خود فریبی کو بھی میں قدرت کا انعام سمجھتا ہوں ــــ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت نے اسے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

انطونیہ نے کہا۔ "بہت دیر ہو گئی وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر اچانک صحن میں چند آدمیوں کی چاپ اور آوازیں سنائی دیں۔

کلاڈیوس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے قدرت ہمیں زیادہ دیر خود فریبی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ اپنی زندگی میں انطونیہ کی بے بسی کا تماشا نہیں دیکھوں گا۔"

کلاڈیوس اپنی تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن فرمس نے اس کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! حوصلے سے کام لو، مجھے یقین ہے کہ اب قدرت ہمارے ساتھ مذاق نہیں کرے گی۔"

باہر سے عاصم کی آواز سنائی دی۔ "میں عاصم ہوں۔ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ دروازہ کھول دیجئے!"

فرمس نے دروازہ کھول دیا۔ عاصم کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ ایک آدمی ٹوکرا اٹھائے اس کے ساتھ تھا۔ اور سات مسلح سپاہی چند قدم پیچھے کھڑے تھے۔ فرمس پریشانی، خوف اور اضطراب کی حالت میں باہر نکلا اور عاصم نے مشعل اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کو تاریکی میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی آج رات یہیں رہیں گے، انھیں صحن میں آرام کرنے کے لیے صرف ایک کشادہ چٹائی کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے کہا۔ "میں اپنا بہترین قالین دے سکتا ہوں۔ آیئے!" وہ کمرے میں داخل ہوئے فرمس نے مشعل سے چراغ روشن کیا اور پھر دوسرے کمرے میں جا کر ایک بھاری قالین نکال لایا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تم یہ قالین لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بیرونی دروازے کے

سامنے بٹھا دو میں ابھی آتا ہوں۔" نوکر نے ٹوکرا نیچے رکھ کر قالین اٹھا لیا اور عاصم نے فرمس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اس ٹوکرے میں آپ کے کھانے کا سامان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تینوں بھوکے ہیں۔ پہلے اطمینان سے کھا لیجئے۔ اس کے بعد ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے۔" لیکن یہ تینوں کھانے کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے انتہائی بے چارگی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عاصم نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ دیکھئے! میں سپہ سالار سے وعدہ لے چکا ہوں کہ یہ گھر محفوظ رہے گا اور جس آدمی کو بابلیون کا حاکم بنایا گیا ہے اس سے بھی میں آپ کی حفاظت کا وعدہ لے آیا ہوں۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آپ ایرانی فوج کے ایک جرنیل اور شہنشاہ کے بہت گہرے دوست کے محسن ہیں۔ آپ نے جس معزز خاتون کو دمشق پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی وہ اس جرنیل کی بیوی تھی۔ وہ کسی اور محاذ پر جا چکا ہے اگر آج وہ یہاں ہوتا تو شاید ایرانی فوج کے بڑے بڑے سردار آپ کو سلام کرنے آتے۔"

فرمس کے چہرے سے اچانک مایوسی کے بادل چھٹ گئے اور وہ پرامید ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن چند ثانیے بعد اس کے چہرے پر دوبارہ اضطراب کے آثار ظاہر ہونے لگے — اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا آپ کلاڈیوس کے متعلق بھی مجھے اطمینان دلا سکتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "کلاڈیوس ایک رومی ہے اور میرے لیے اس کے حق میں کچھ کہنا آسان بات نہ تھی — تاہم ایک شرط پر میں نے اس کی جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" کلاڈیوس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں نے پہلی بار اپنی خدمات کا صلہ مانگا ہے اور وہ یہ کہ مجھے ایک قابلِ اعتماد رومی کو غلام بنانے کی اجازت دی جائے۔"

کلاڈیوس نے سراپا احتجاج بن کر کہا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری غلامی کو موت سے بہتر سمجھوں گا۔"

"مجھے صرف اس بات کا یقین تھا کہ تم اگر اپنے لیے نہیں تو کم از کم فرمس اور اس کی بیٹی کے لیے زندہ

رہنا پسند کرو گے۔ میرے لیے تمہاری جان بچانے کی واحد صورت یہی تھی اور میں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنا دوست اور بھائی سمجھوں گا۔ شہنشاہ کی فوجیں پرسوں اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گی اور مجھے اسی جنوب کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا ہے۔ اگر بابلیون تمہارے لیے محفوظ ہوتا تو میں صرف یہ وعدہ لے کر تمہیں یہاں چھوڑ جاتا کہ تم میری غیر حاضری میں بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اب تمہاری جان بچانے کی یہی ایک صورت ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تمہاری حفاظت کرتا رہوں — ممکن ہے کسی دن ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ اپنے وطن جا سکو اور میں ایرانی فوج میں اپنی شہرت کو داغدار کیے بغیر تمہاری مدد کر سکوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گا تو آپ غلطی پر ہیں میں ایک رومی ہوں اور کسی قیمت پر اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔"

عاصم نے جھنجلا کر کہا۔ "مجھے کسی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تمہارے تعاون کی ضرورت نہیں۔ ایران اور روم کی جنگ اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مصر میں اسکندریہ کے سوا تمہاری فوجیں کسی اور مقام پر معمولی مزاحمت بھی نہیں کر سکیں گی۔ میں صرف تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تم ایران کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہو بلکہ صرف اس لیے کہ تم میرے ایک محسن کے داماد ہو اور مجھے اپنے دوست کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں۔ تمہیں مجھ سے صرف یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری کسی حرکت سے مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے نادم نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ تم سب کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مصر کی حدود سے نکل سکتے ہو، تو میں اسی وقت تمہارے لیے گھوڑے مہیا کر سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ بعد میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تمہارے لیے سمندر تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ مصر میں اسکندریہ تمہارا آخری حصار ہے لیکن ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ رومیوں نے یہ شہر بھی خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان حالات میں تمہیں جوش کی بجائے صبر اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

کلاڈیوس اب جواب دینے کی بجائے کبھی فرمس اور کبھی انطونیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فرمس نے کہا۔ "کلاڈیوس! خدا نے ہماری اعانت کے لیے ایک فرشتہ بھیجا ہے ہمیں یہ ثابت نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم ناشکر گزار ہیں۔"

کلاڈیوس نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر آپ ان کی عزت بچانے کا وعدہ کرتے ہیں تو مجھے آپ کی غلامی منظور ہے۔"

عاصم نے کلاڈیوس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میں موجودہ حالت میں تمہاری جان بچانے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں سوچ سکتا۔ میں اس بات کی کوشش کر چکا ہوں کہ تمہارے گلے میں آہنی طوق نہ ڈالا جائے لیکن سپہ سالار نے میری یہ درخواست قبول نہیں کی۔ تاہم میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو بوجھ تم اپنی گردن پر محسوس کرو گے وہ مجھے اپنے دل پر محسوس ہو گا۔ تمہارے اطمینان کے لیے میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ فرمس کی بیٹی میری بہن ہے۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "ایک غلام کو اپنے طوق کا بوجھ اٹھانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور انطونیہ کی عزت بچانے کے لیے تو میں پہاڑ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

عاصم کو اچانک ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس خوش وضع نوجوان کو ایک مدت سے جانتا ہے۔ اس نے کہا۔ "اب تمہارے مستقبل کے متعلق سوچنا میرا کام ہے۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ میں ذرا اپنے ساتھیوں کو دیکھ آؤں۔"

فرمس نے کہا۔ "نہیں! ہمارے میزبان کو ہمارے ساتھ کھانا چاہیئے۔"

عاصم رک گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ چاروں دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

باب ۲۲

کلاڈیوس اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا اور رومی سینٹ کے ایک بااثر رکن کا بیٹا تھا۔ جن ایام میں ایرانی لشکر شام کے شمالی علاقوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا وہ روم کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے حمص میں متعین تھا۔ حمص کی لڑائی میں زخمی ہونے کے بعد اس نے اپنے چند شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قیساریہ کا رخ کیا لیکن راستے میں اس کی صحت بگڑ گئی اور قیساریہ کے حاکم نے اسے لڑائی میں حصہ لینے کے ناقابل سمجھتے ہوئے کسی زیادہ محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چند دن بعد اسکندریہ سے دو جہاز رسد کا سامان لے کر قیساریہ پہنچے اور کلاڈیوس کے ساتھیوں نے اسے سخت بخار کی حالت میں ایک جہاز پر سوار کرا دیا۔ جہاز کا کپتان کلاڈیوس کو جانتا تھا اور اس نے سفر کے دوران میں اس کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ راستے کی بندرگاہوں سے کئی اور لوگ جو مختلف شہروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ ان جہازوں پر سوار ہوتے گئے۔ چنانچہ جب یہ جہاز غزہ پہنچے تو ان پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

غزہ میں پناہ گزینوں کا ہجوم راستے کی دوسری بندرگاہوں سے کہیں زیادہ تھا اور ان میں زیادہ تعداد ان رومی عورتوں اور بچوں کی تھی جو شام اور فلسطین کے مخدوش حالات کے پیش نظر اسکندریہ یا قبرص پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔

غزہ کے حاکم نے تمام جہاز روک لیے اور حکم دیا کہ وہ لوگ جو خشکی کے راستے سفر کر سکتے ہیں۔ رومی عورتوں اور بچوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔

کلاڈیوس کا بخار اتر چکا تھا لیکن ابھی اس میں خشکی کے راستے سفر کرنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم جب دوسرے آدمی جہاز سے اترنے لگے تو اس نے ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جہاز کے کپتان نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا: "عورتوں اور بچوں کا مسئلہ مجھ سے زیادہ اہم ہے اگر میں خشکی کے راستے سفر نہ کر سکا تو یہاں ٹھہر کر کسی اور جہاز کا انتظار کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں دو چار دن آرام کرنے کے بعد جنگ میں شریک ہونے کے قابل ہو جاؤں۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "اگر آپ مصر ہیں تو میں بندرگاہ کے ناظم سے کہوں گا کہ وہ آپ کو شہر کے حاکم کے پاس پہنچا دے۔ مجھے یقین ہے کہ غزہ کا حاکم آپ کو ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

بندرگاہ کا ناظم ایک سائبان کے نیچے بیٹھا مسافروں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ وہ باری باری پیش ہونے والے مسافروں سے چند سوال کرتا اور اس کے بعد جن خوش قسمت عورتوں، بچوں یا بوڑھوں کو جہاز پر سوار ہونے کی اجازت مل جاتی وہ دوسرے امیدواروں سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بعض مسافر انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ سائبان میں گھس جاتے اور ناظم کی میز کے گرد اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ سپاہی انھیں دھکے دے کر پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتے۔ کلاڈیوس جس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی تھی۔ جہاز سے اتر کر کپتان سے باتیں کرتا ہوا سائبان کے اندر داخل ہوا تو بندرگاہ کا ناظم اسے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھا اور اس سے بغلگیر ہو کر چلایا: "کلاڈیوس! تم یہاں کب آئے؟ خدا کی قسم میں آج بھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ یہ زخمی ہیں اور انھیں کسی اچھے تیماردار کی ضرورت ہے۔"

ناظم نے جواب دیا: "مجھ سے بہتر کلاڈیوس کا تیماردار اور کون ہو سکتا ہے؟"

کلاڈیوس نے کہا: "میرا زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے اور بخار بھی اتر گیا ہے۔ مجھے تازہ دم ہونے کے لیے صرف دو تین دن آرام کی ضرورت ہے۔"

جہاز کے کپتان نے کہا: "یہ میرے اصرار کے باوجود جہاز سے اتر پڑے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ابھی

چند دن اور یہ گھوڑے پر سواری کے قابل نہیں ہوں گے۔"

ناظم نے کلاڈیوس سے پوچھا: "آپ قیساریہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں! میں حمص میں زخمی ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اب سوچ رہا ہوں کہ اگر میری حالت ذرا بہتر ہو جائے تو میں اسکندریہ کا رُخ کرنے کی بجائے دمشق پہنچ جاؤں۔"

ناظم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ دمشق کا محاصرہ ہو چکا ہے اور اب ہمارا کوئی سپاہی شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

یہ خبر کلاڈیوس کے لیے غیر متوقع نہ تھی تاہم اس کا اثر اتنا شدید تھا کہ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

ناظم کے اشارے سے سپاہیوں نے دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں اور وہ بیٹھ گئے۔

ناظم نے کہا: "آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں اور شاید اس وقت بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ موجودہ حالات میں آپ کا اسکندریہ پہنچنا بہتر ہوگا۔ ممکن ہے کہ کچھ عرصہ تک اسکندریہ ہمارا آخری حصار بن جائے۔ غزہ اب ان گنت پناہ گزینوں کی درمیانی منزل بن چکا ہے اور ہمارے لیے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنا اشد ضروری ہے ورنہ فوج کے حصے کی تمام غذائی رسد یہ کھا جائیں گے۔ ہر روز پناہ گزینوں کے نئے قافلے یہاں پہنچ رہے ہیں اگر اسکندریہ کا بحری بیڑا فوراً حرکت میں آ جائے تو ہمارا مسئلہ آسان ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں پہنچ کر اپنے چچا کو اس طرف متوجہ کر سکیں گے۔ ہم نے قبرص کے امیر البحر سے بھی اعانت کی درخواست کی ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کے نزدیک شاید پناہ گزینوں کا مسئلہ زیادہ اہم نہ ہو۔"

سائبان کے گرد جمع ہونے والے لوگ پھر ایک بار بے چینی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ سپاہی انھیں ڈرا دھمکا کر دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک ایک خوبصورت لڑکی اپنا راستہ روکنے والے سپاہی سے کترا کر سائبان کے اندر داخل ہوئی اور اس نے سراپا التجا بن کر ناظم سے کہا: "جناب! خدا کے لیے میری والدہ پر رحم کیجیے وہ بیمار ہیں۔ ہم کئی دن سے یہاں پڑے ہیں اگر وہ یہاں پہنچ کر

کر بیمار نہ ہو جاتیں تو ہم کبھی کے بابلیون یا اسکندریہ پہنچ گئے ہوتے۔"

ناظم نے تلملا کر کہا۔" یہ لڑکی پاگل ہے۔ میں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے رومیوں کے سوا کسی کو جہاز پر جگہ دینے کی اجازت نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔" کیا آپ کے نزدیک رومیوں کے سوا کسی کی جان اور آبرو کی قیمت نہیں؟"

ناظم نے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" اسے لے جاؤ۔ میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور اب اگر یہ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرے تو اسے دھکے دے کر بندرگاہ کے احاطے سے باہر نکال دو۔"

ایک سپاہی آگے بڑھا لیکن کلاڈیوس نے اٹھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔" ٹھہرو!" پھر وہ ناظم کی طرف متوجہ ہوا۔" شاید تم یہ نہیں جانتے کہ ایرانی ایسی لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

ناظم نے کہا۔" میں جانتا ہوں اور یقین کیجئے کہ مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ یہ چوتھی بار سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر مجھ سے ٹکرا چکی ہے لیکن میں غزہ کے حاکم کی ہدایات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ رومیوں کے سوا کسی کو سرکاری جہازوں پر سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔" دیکھئے! مجھے جہاز پر سفر کرنے کا حق ہے اور میں اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ جہاز کا کپتان میری جگہ دو عورتیں سوار کرنے پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام رومی عورتیں اور بچے جو یہاں موجود ہیں دو جہازوں پر سوار نہیں ہو سکیں گے انہیں غزہ سے نکالنے کے لیے کئی جہازوں کی ضرورت ہے اور میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے چچا کو ضرور جہاز بھیجنے پر مجبور کر سکوں گا ــــ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ وعدہ غزہ کے حاکم کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوگا۔"

ناظم نے کہا۔" اگر آپ ہماری اتنی مدد کر سکتے ہیں تو پھر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ بھی یہاں ٹھہرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔"

کلاڈیوس نے لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ باہر بخار کی حالت میں لیٹی ہوئی ہے۔"

ناظم نے کہا۔" جاؤ اُسے لے آؤ!"

یہ بڑی بڑی سیاہ اور چمکدار آنکھوں، لمبی گردن اور تیکھے نقوش والی لڑکی فرمس کی بیٹی انطونیہ تھی اور ایک ساعت بعد کلاڈیوس اس کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ انطونیہ اس سے کہہ رہی تھی۔" ہم تین ہفتوں سے غزہ میں دھکے کھا رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی ہمارے گھوڑے فوجی ضرورت کے لیے ضبط کر لیے گئے تھے۔ پچھلے ہفتے ہمارا نوکر ایک اونٹ خرید لایا اور ہم نے خشکی کے راستے ایک قافلے کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا لیکن میری والدہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ آج ہم چاروں طرف سے مایوس ہو چکے تھے کہ قدرت نے آپ کو بھیج دیا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔" مجھے افسوس ہے کہ آپ کے نوکر کو جہاز میں جگہ نہ مل سکی۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر وہ خشکی کے راستے کسی قافلے کے ساتھ نہ جا سکا تو میں واپسی پر اسے غزہ میں تلاش کر کے آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

انطونیہ نے پوچھا۔" آپ واپس آئیں گے؟"

"ہاں! میں نے بندرگاہ کے ناظم سے وعدہ کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو نکالنے کے لیے اسکندریہ سے مزید جہاز لانے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ بہت رحمدل ہیں۔" لڑکی نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انطونیہ کی ماں نے جو ان کے قریب لیٹی ہوئی تھی پانی مانگا اور کلاڈیوس بھاگ کر لکڑی کا ایک کٹورا بھر لایا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پانی پلانے کے بعد پوچھا۔

انطونیہ کی ماں نے جواب دیا۔" میں ٹھیک ہوں بیٹا! خدا تمہارا بھلا کرے۔"

چند دن سفر کے دوران میں کلاڈیوس اور انطونیہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور ایک دن جب ان کا جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو رہا تھا۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش! یہ سفر اتنی جلدی ختم نہ ہوتا۔ انطونیہ کی ماں کے لیے پالکی کا انتظام کرنے کے بعد کلاڈیوس ان کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ انطونیہ کے ماموں بطلیموس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بطلیموس اسکندریہ کا ایک خوشحال تاجر تھا اس نے کلاڈیوس کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا۔" میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں ــــ اگر موقع ملا تو پھر کسی وقت حاضر

ہوجاؤں گا۔"

بطلیموس نے کہا۔" تو پھر آپ شام کا کھانا میرے ساتھ ضرور کھائیں ؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔" اگر میں یہاں ٹھہر سکا تو ضرور آؤں گا لیکن ممکن ہے کہ چچا جان غزہ سے پناہ گزینوں کو نکالنے کی مہم مجھے سونپ دیں اور میں آج ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤں۔"

انطونیہ نے بطلیموس سے مخاطب ہوکر کہا۔" ماموں جان! مجھے یقین ہے کہ غزہ سے دوبارہ واپس آنے تک یہ ہمارے گھر کا راستہ بھول چکے ہوں گے۔"

" نہیں انطونیہ" بطلیموس نے جواب دیا۔" یہ ہمیں شکریہ کا موقعہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔"

انطونیہ، جو اپنی ماں کے بستر کے قریب بیٹھی بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کلاڈیوس نے اٹھ کر مصافحے کے لیے بطلیموس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے کہا۔" نہیں، جناب! میں دروازے تک آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

" نہیں، نہیں، تکلف کی ضرورت نہیں آپ مریضہ کے پاس تشریف رکھیئے!" کلاڈیوس نے یہ کہہ کر بطلیموس سے مصافحہ کیا اور اسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

انطونیہ صحن میں کھڑی تھی۔ کلاڈیوس اس کے قریب پہنچ کر رکا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد بولا۔ "انطونیہ! میں اس گھر کا راستہ نہیں بھولوں گا۔"

انطونیہ نے کہا۔" میں مرتے دم تک آپ کا انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

" خدا حافظ! انطونیہ۔" کلاڈیوس یہ کہہ کر آگے بڑھا، رکا اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

گھر کی عورتیں چند قدم دور کھڑی انطونیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ان گنت سوالات تھے لیکن انطونیہ ان کی طرف توجہ دینے کی بجائے کمرے میں چلی گئی۔

بطلیموس جو مریضہ سے باتیں کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد انطونیہ سے مخاطب ہوکر بولا۔" بیٹی!

میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔" انطونیہ کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ان واقعات کے چند ہفتے بعد فرمس، بابلیون سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا تو اس کی بیوی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ نیک دل شوہر کی نگاہوں کے سامنے آٹھ پہر موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کر دیا۔ چند دن بعد، فرمس نے اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون جانے کا ارادہ کیا لیکن بطلیموس کے اصرار پر وہ ایک ہفتہ اور اس کے ہاں ٹھہرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس عرصہ میں اسکندریہ کے کئی جہاز غزہ سے پناہ گزینوں کو لے کر واپس آچکے تھے لیکن انطونیہ کو کلاڈیوس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ ماں کی موت کے صدمے کے باعث وہ زندگی کی بیشتر دلچسپیوں سے کنارہ کش ہوچکی تھی لیکن کلاڈیوس کو بھول جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بطلیموس کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے تھے کہ کلاڈیوس ایک رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔ تاہم انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی وہ اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ کلاڈیوس کسی دن اس کی تلاش میں آئے گا۔

کوئی دروازے پر دستک دیتا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتیں۔ کوئی غزہ سے آنے والے زخمیوں اور پناہ گزینوں کا ذکر چھیڑتا تو وہ اس کے منہ سے کلاڈیوس کا ذکر سننے کے لیے بیتاب ہوجاتی۔ اسکندریہ چھوڑنے سے ایک دن قبل وہ بطلیموس کی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ اپنی ماں کی قبر دیکھ کر واپس آرہی تھی ایک کشادہ بازار سے گلی میں داخل ہوتے وقت اسے بطلیموس کا حبشی غلام دکھائی دیا جو چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔

بطلیموس کی بیوی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے پوچھا۔" تم کہاں جارہے ہو۔ اور اتنے بدحواس کیوں ہو؟"

غلام نے جواب دیا۔" جناب! میں آقا کو دکان سے بلانے جارہا ہوں، ایک رومی ان سے

ملنا چاہتا ہے۔"

انطونیہ نے بے چین ہو کر پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

"میں اسے اندر بٹھا آیا ہوں۔" غلام نے جواب دیا۔

"ابّا جان گھر پر ہیں؟"

"نہیں وہ ابھی باہر نکلے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دکان پر ہوں گے۔"

غلام یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ اور بطلیموس کی بیوی نے کہا: "بیٹی مبارک ہو۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئیگا اب چلو!"

انطونیہ ان کے ساتھ چل پڑی۔ مہمانوں کا کمرہ ڈیوڑھی سے ملا ہوا تھا لیکن انطونیہ کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ تذبذب کی حالت میں دوسری عورتوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بطلیموس کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں سے کھسک گئیں۔ پھر وہ انطونیہ کی طرف متوجہ ہوئی "بیٹی! تم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہو، جاؤ!"

انطونیہ چہرے پر شرم و حیا کی سرخیاں لیے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہاں کلاڈیوس کی بجائے ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا وہ ان گنت لمحے جو انطونیہ کے دماغ میں گونج رہے تھے یکایک خاموش ہو گئے۔

"آپ عزّہ سے آئے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں!" رومی نے اٹھ کر جواب دیا۔

"آپ کو کلاڈیوس نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں!"

"وہ یہاں نہیں آئیں گے؟"

"وہ ضرور آئیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ان دنوں عزّہ میں جمع ہونے والے پناہ گزینوں اور زخمیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور جب تک انھیں وہاں سے نکال نہیں لیا جاتا کلاڈیوس واپس نہیں آسکے گا اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ انطونیہ ہیں۔ کلاڈیوس نے مجھے آپ کے لیے ایک ضروری پیغام دیا ہے وہ کہتے تھے کہیں آپ یہ سمجھ نہ لیں کہ میں آپ کے گھر کا راستہ بھول چکا ہوں۔ وہ یہ بھی پوچھتے تھے کہ آپ کی والدہ

کی صحت کیسی ہے؟"

انطونیہ نے پُرامید ہو کر پوچھا۔ "آپ واپس عزّہ جائیں گے؟"

"جی ہاں! میں آج ہی کسی جہاز پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

آپ کلاڈیوس کے پاس میری طرف سے یہ پیغام لے جائیں کہ میری والدہ وفات پا چکی ہیں میرے والد یہاں پہنچ گئے ہیں اور میں ان کے ساتھ بابلیون جا رہی ہوں۔"

رومی نے پوچھا: "کیا میں انھیں یہ پیغام بھی دے سکتا ہوں کہ آپ اُن سے خفا نہیں ہیں؟"

"کس بات پر؟"

ان کا خیال تھا کہ شاید آپ ان کی معذرت قبول نہ کریں۔"

"آپ انھیں یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں ان سے خفا نہیں ہوں۔" انطونیہ یہ کہہ کر مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

رومی نے کہا۔ "میں بطلیموس کی وساطت سے آپ کو اُن کا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ آپ کا نوکر انھیں بلانے گیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجئے۔ یہاں مجھے بہت سے کام ہیں۔"

انطونیہ نے پوچھا: "آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں! میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔" رومی یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

چند دن بعد فرمس اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون پہنچ گیا۔ کئی سال ایک منفعت بخش کاروبار سے اُس نے جو سرمایہ جمع کیا تھا وہ عمر بھر کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ لیکن وہ بیکار بیٹھنے کا عادی نہ تھا۔ اس نے دریائے نیل کے کنارے ایک سرائے خرید لی اور اپنا پرانا دھندا شروع کر دیا۔

فلسطین کی طرح مصر میں بھی یہ عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر ایرانی لشکر نے یروشلم کا رُخ کیا تو اسے

عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یروشلم میں شکست کھانے کے بعد اُن لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے جو آخری وقت قدرت کے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب عزہ میں بھی رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو گئے تو شام اور فلسطین کی طرح وادیٔ نیل کے شہروں اور بستیوں میں بھی موت کے بھیانک سائے دکھائی دینے لگے۔

بابلیون پہنچنے کے بعد کلاڈیوس کے متعلق انطونیہ کو آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ عزہ سے اچانک یروشلم کے محاذ پر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد کئی ماہ تک اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

ایک اتوار کی صبح وہ اپنے باپ کے ساتھ گرجے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی اور چند ثانیے بعد نوکر بھاگتا ہوا اندر آیا اس نے فرمس کو اطلاع دی کہ ایک رومی افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام کلاڈیوس بتاتا ہے ـــ ایک ثانیہ کے لیے کائنات کی تمام مسرتیں سمٹ کر انطونیہ کے چہرے پر آ گئیں۔ فرمس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کلاڈیوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے واپس آیا اور یہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھ گئے ـــ انطونیہ تصوّر میں پہروں اس سے گلے اور شکوے کیا کرتی تھی لیکن اب اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ماضی اور حال کے درمیان سارے خلاء پُر ہو چکے تھے۔

فرمس نے کہا "آپ کو میرے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم مدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

انطونیہ کے اصرار پر میں چار مرتبہ اپنا نوکر اسکندریہ بھیج چکا ہوں لیکن وہاں بھی آپ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "مجھے عزہ سے کمک کے ساتھ یروشلم کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن شہر سے چند کوس دور دشمن کی ایک فوج نے گھیرے میں لے لیا اور ہم شدید نقصان اٹھانے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے میں ان چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھا جنہیں دشمن نے غلامی کے قابل سمجھ کر قتل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ چند ماہ اردن کے ایک قلعے میں قید رہنے کے بعد میں جنگی قیدیوں کے ایک قافلے کے ساتھ

ایران کی طرف روانہ ہوا۔ میں دشمن کی غلامی سے بچنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ چند رومی اور شامی نوجوان میرے ساتھ مل گئے۔ کئی ہفتے سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک رات شدید آندھی کے باعث فرار ہونے کا موقعہ مل گیا۔ میرے ساتھ بائیس ۲۲ آدمی تھے۔ لیکن چار، رات کی تاریکی میں، ہم سے بچھڑ گئے۔ صبح کے وقت ہمارے سامنے ایک لق و دق صحرا تھا۔ آندھی سے اڑتی ہوئی ریت میں ہمارے پاؤں کے نشان مٹتے جا رہے تھے اور ہمیں یہ اطمینان تھا کہ اگر دشمن سواروں نے ہمارا پیچھا کیا تو بھی ان کے لیے ہمارا کھوج لگانا آسان نہیں ہوگا۔ دوپہر تک ہمارے تین ساتھی مارے پیاس کے دم توڑ چکے تھے اور باقی جان کنی کے عالم میں تھے اور ہماری یہ حالت تھی کہ اگر دشمن کے سوار آ جاتے تو ہم پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتے۔ تیسرے پہر ہم ایک بلند ٹیلے کے سائے میں لیٹے تھے۔ آندھی تھم چکی تھی لیکن ہمیں اپنی موت سے زیادہ کسی بات کا یقین نہ تھا۔ ایک شامی نوجوان جسے ہم اپنا راہنما تسلیم کر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھنے لگا اور میں بھی گرتا سنبھلتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف تنگ وادی میں خانہ بدوش عربوں کا ایک قافلہ دکھائی دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم سب ایک ٹھنڈے اور میٹھے چشمے کا پانی پی رہے تھے۔ یہ خانہ بدوش عیسائی تھے اور ان کا سردار ایک رحم دل آدمی تھا۔ ہم چار دن اُس کے مہمان رہے۔ اس کے بعد ہمارا سفر انتہائی ناخوشگوار تھا۔ راستے کے آباد علاقوں کے شہروں میں ایرانیوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ہم چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قیام کرتے تھے۔ اور ان بستیوں میں داخل ہونے سے پہلے ہم اپنے شامی راہنما کو بھیج کر دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق اطمینان کر لیتے تھے۔ غسانی قبائل کے لوگ ہمارے حال پر بہت مہربان تھے اور ان کے بعض سردار ہمارے بیمار ساتھیوں کو اگلی منزل تک پہنچانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے بھی مہیا کر دیتے تھے۔ فلسطین کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ دشمن عزہ پر قابض ہو چکا ہے۔ اس لیے میرے وہ ساتھی جو شام اور فلسطین کے باشندے تھے۔ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں دو مصری اور سات رومی سپاہیوں کے ہمراہ صحرائے سینا عبور کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ انطونیہ آپ کے متعلق بہت پریشان تھی۔"

کلاڈیوس نے انطونیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "مجھے آپ کی والدہ کی وفات کی اطلاع مل گئی تھی۔ مجھے اس کا بہت دُکھ ہے۔"

فرمس نے پوچھا "آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "میں انھیں مستقر پر چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں انھیں یہاں بلا لیتا ہوں۔ آپ سب ہمارے مہمان ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "نہیں! وہ تھکے ہوئے ہیں اور اب سو رہے ہوں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

انطونیہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "ہمیں کسی تاخیر کے بغیر اسکندریہ پہنچنا چاہیئے تھا لیکن میں اپنے ساتھیوں کو مجبور کر کے یہاں لے آیا ہوں ـــــ میرے لیے یہاں پہنچنا زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے والد میری باتوں سے کیا تاثر لیں گے لیکن خدا گواہ ہے کہ جب میں صحرا میں پیاس سے تڑپ رہا تھا ـــــ اور میری نگاہوں کے سامنے موت کے سوا کچھ نہ تھا تو اس وقت بھی میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اگر قدرت مجھے چند گھڑیاں زندہ رہنے کی مہلت دے اور میرے پرنگ جائیں تو میں سیدھا بابلیون پہنچ کر تمہارا گھر تلاش کروں گا اور تم سے کہوں گا کہ قید کی حالت میں میرے تمام پسینے تمہارے متعلق تھے۔ میں تمہارے ابا جان سے کہوں گا کہ میں ایک شکست خوردہ فوج کا سپاہی ہوں۔ ایک ایسی قوم کا فرد ہوں جس کا سارا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ میں اپنے حال سے نادم اور مستقبل سے مایوس ہوں لیکن اگر میں عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہاں آتا تو بھی آپ کے سامنے دوزانو ہو کر یہ التجا کرتا کہ ... میں آپ کی بیٹی کے لیے دنیا کی ہر نعمت اور ہر راحت ٹھکرانے کو تیار ہوں۔"

انطونیہ آنکھوں میں مسرت کے آنسو اور چہرے پر حیا کی سرخیاں لیے وہاں سے اُٹھی اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کلاڈیوس، فرمس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ نہ کر سکا اس نے کہا۔ "اگر میری یہ

...ت آپ کے نزدیک گستاخی ہے تو آپ میرے لئے بدترین سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ میں اپنے نام و نسب کا ...غرور اس گھر کی چار دیواری سے باہر چھوڑ آیا ہوں۔ امن کے زمانے میں، میں اس گفتگو کے لئے کسی مناسب ...وقت کا انتظار کرتا اور میری کوشش یہی ہوتی کہ آپ مجھے اچھی طرح پرکھ لیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری بجائے ...میرے والد یا چچا کی طرف سے کوئی ایلچی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ اس طوفانی دور ...کی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں زیادہ سے زیادہ دو دن اور یہاں ٹھہر سکوں گا۔ اگر آپ اس وقت ...مجھے کوئی جواب نہیں دے سکتے تو میں آج شام یا کل صبح حاضر ہو جاؤں گا۔"

فرمس کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے مُڑ کر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ ادھر آؤ!" انطونیہ جھجکتی شرماتی کواڑ کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔

فرمس نے کہا۔ "بیٹی! یہ نوجوان تم سے شادی کی درخواست لے کر آیا ہے اور میں تمہارے چہرے سے اس درخواست کا جواب پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اب تک تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں، اور تم ایک دوسرے کو کس حد تک جانتے ہو ـــــ تاہم میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلاڈیوس روم کی سینیٹ کے ایک معزز رکن کا بیٹا اور اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا ہے اور تمہارا باپ صرف بابلیون میں ایک معمولی سرائے کا مالک ہے۔"

کلاڈیوس نے احتجاج کیا۔ "جناب! میں نے اپنے باپ یا چچا کا ذکر نہیں کیا۔ میں صرف اپنے خلوص پر بھروسا کر کے یہاں آیا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔ "میں تمہارے خلوص پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ تم کم از کم اپنے چچا سے اجازت حاصل کر لو۔"

کلاڈیوس نے پر امید ہو کر کہا۔ "اگر آپ نے میری درخواست قبول کر لی ہے تو اپنے چچا سے اجازت حاصل کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

فرمس نے شفقت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری درخواست میری اکلوتی بیٹی

کی ان گنت دعاؤں کا جواب ہے۔ مجھے صرف یہ اندیشہ تھا کہ انطونیہ نے کہیں تمہاری شرافت اور ہمدردی سے متاثر ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق غلط امیدیں قائم نہ کر لی ہوں ــــ لیکن تم میری توقع سے زیادہ شریف اور انطونیہ میری امیدوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوئی ہے اور میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں میں آج شام سے پہلے پہلے انطونیہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینے کو تیار ہوں لیکن تم بھی شاید یہ پسند نہ کرو گے کہ ہم پر ایک عالی نسب رومی کو بہکانے یا ورغلانے کا الزام عائد کیا جائے۔ اِس لئے مناسب یہی ہے، کہ تم کم از کم اپنے چچا کو اپنا ہم خیال ضرور بنا لو۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔"میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

تیسرے دن کلاڈیوس اسکندریہ کا رُخ کر رہا تھا، انطونیہ کے ساتھ رفاقت کے تصوّر سے اُسے اپنے مستقبل کی تمام منزلیں دلکش دکھائی دیتی تھیں لیکن اُس کے دِل کی گہرائیوں میں ایک خلش ابھی تک موجود تھی۔ انتہائی کیف و سرور کی حالت میں اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مہیب تاریکیاں جو اُس نے شام اور فلسطین میں دیکھی تھیں اُس کے ہمراہ بھاگ رہی ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہتا۔"کلاڈیوس تم جیسے ہزاروں نوجوان اور انطونیہ جیسی ہزاروں لڑکیاں جنگ کے طوفان کی نذر ہو چکی ہیں اور اب یہ طوفان وادیٔ نیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تم اُس سلطنت کے سپاہی ہو جس کا مستقبل ہر لحظہ تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم انطونیہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنانے کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتے؟" اور پھر جب اِس قسم کے خیالات اُسے ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ محسوس ہونے لگتے تو وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کرتا۔ نہیں! میں غلطی پر نہیں ہوں۔ ایک بے بس انسان اگر ان غیر یقینی حالات میں زندگی سے مسرت کے چند مہینے، چند دن یا چند لمحے چھین لے تو یہ غلطی نہیں۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ مصر کے کسی میدان میں ہم ایرانیوں کے سیلاب کا رُخ بدل دیں۔ انطونیہ کی محبت مجھے ایک سپاہی کے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے منع نہیں کرے گی بلکہ اب مجھے اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے جان دیتے ہوئے بھی تکلیف محسوس نہیں ہوگی جس کے ایک گوشے میں انطونیہ کا خاندان آباد ہے۔

چند دن بعد انطونیہ مکان کے صحن میں بیٹھی شام کی خوشگوار ہوا کا لطف اٹھا رہی تھی۔ فرمس ابھی تک

رانے سے واپس نہ آیا تھا۔ دروازے پر کسی نے دستک دی نوکر جو دروازے کے قریب بیٹھا تھا اُٹھ کر آگے ا، اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ انطونیہ جو دروازے کے باہر ذرا سی آہٹ پا کر بے چین ہو جایا کرتی تھی چند نے انتظار کرنے کے بعد اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیم وا دروازے کے قریب جا پہنچی۔ سامنے کلاڈیوس گھوڑے باگ تھامے کھڑا تھا اور نوکر اس سے کہہ رہا تھا۔"جناب! میں آپ کو جانتا ہوں، لیکن آقا اِس وقت گھر پر نہیں اس لئے آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں۔"

کلاڈیوس انطونیہ کو دیکھ چکا تھا اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"بہت اچھا تم میرا گھوڑا اندر لے جاؤ میں یہیں دہلیز پر بیٹھ کر تمہارے آقا کا انتظار کرتا ہوں۔"

انطونیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔"یہ بہت بیوقوف ہے۔"

نوکر نے پریشان ہو کر انطونیہ کی طرف دیکھا اور پھر کلاڈیوس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی۔

کلاڈیوس اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔

کلاڈیوس نے کہا۔"انطونیہ میں اپنی زندگی کی اہم ترین مہم میں کامیاب ہو کر واپس آیا ہوں۔ میرے چچا نے صرف شادی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ میرے والدین کو مطمئن کرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا خط بھی لکھ دیا ہے۔"

انطونیہ جو مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی، بالآخر اُس نے کہا۔"آپ نے اپنے چچا کو یہ تو نہیں بتایا ہوگا کہ وہ غریب لڑکی جسے آپ نے اپنی خدمت کے قابل سمجھا ہے، ایک سرائے کے مالک کی بیٹی ہے۔"

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"نہیں! میں نے اپنے چچا سے یہ کہا تھا کہ فرمس کی حسین بیٹی کی آنکھیں آسمان کے ستاروں سے زیادہ روشن ہیں اور وہ چیتھڑوں میں ملبوس ہو کر بھی قسطنطنیہ کی شہزادیوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے۔ میری چچی نے تمہارے خدوخال، قدوقامت اور صحت کے متعلق ان گنت سوال کئے تھے، اور میرا پہلا اور آخری جواب یہ تھا کہ انطونیہ وہ سب کچھ ہے جس کی میں تمنا کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے چچا سے تمہارے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے بطلیموس کو بال بچوں سمیت ایک رات کھانے پر بلایا تھا، اس دعوت میں اسکندریہ کے چند مقامی معززین بھی شریک تھے اور چچا جان نے اُن کے سامنے ہمارے رشتے

کا اعلان کیا تھا۔

انطونیہ کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں، اُس نے کہا۔ "کلاڈیوس مجھے خوف محسوس ہوتا ہے"

"مجھ سے؟" اُس نے سوال کیا

"نہیں! آپ سے نہیں۔ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔ سچ سچ بتائیے، آپ کسی دن مجھ سے خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کسی دن یہ تو نہیں سوچنے لگیں گے کہ آپ کا فیصلہ غلط تھا"

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں آتا؟"

وہ بولی۔ "جب آپ میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے لئے توہمات بھی حقیقت بن جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو مجھے انتہائی قابل یقین باتیں بھی خواب و خیال محسوس ہونے لگتی ہیں۔ کاش! آپ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہ سکتے۔ میں ابھی آپ کی آمد سے پہلے یہ سوچ رہی تھی کہ شاید آپ کسی اور محاذ پر جا چکے ہیں"

کلاڈیوس تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اُس نے کہا۔ "اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے دور رہنا پسند نہ کروں، کاش! ہم کسی ایسے دور افتادہ جزیرے میں پیدا ہوتے جو ایران و روم کی جنگ کے اثرات سے محفوظ ہوتا لیکن ہم وقت کے طوفانوں کے سامنے بے بس ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم زیادہ سے زیادہ یہ تمنا کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ کسی دن ختم ہو جائے گی اور پھر زمانے کی ہر کروٹ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوگی"

انطونیہ نے کہا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے"

کلاڈیوس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "تمہارا خیال درست ہے، انطونیہ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دشمن وادیٔ نیل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ شمال مشرقی سرحد کے سپہ سالار نے دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے تمام شہروں سے کمک مانگی ہے۔ مجھے اسکندریہ پہنچتے ہی وہاں سے روانہ ہونے والے چند دستوں کی کمان سونپی گئی تھی۔ اور میں یہ وعدہ کر کے دو دن پہلے وہاں سے روانہ ہوا تھا کہ بابلیون سے ہو کر محاذ پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو میں باقی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے جدا ہونا پسند نہیں کروں گا"

انطونیہ نے کہا۔ "تو میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے انطونیہ میں محاذِ جنگ سے فارغ ہوتے ہی یہاں پہنچوں گا اور پھر شادی کے معاملہ میں ایک دن کی تاخیر بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی"

انطونیہ نے کہا۔ "اب آپ ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے؟"

"ہاں اگر تمہارے والد نے کوئی اعتراض نہ کیا تو ایک ہفتہ کے لئے میں اس گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنا بھی پسند نہ کروں گا"

انطونیہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہی، پھر اُس نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر کل بابلیون کے باشندے ہمیں شوہر اور بیوی کی حیثیت میں دیکھیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔؟"

کلاڈیوس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "نہیں بلکہ یہ میرے اُن ناقابلِ یقین سپنوں کی تعبیر ہوگی جو میں نے اپنے سفر کے دوران میں دیکھے ہیں لیکن میں تمہارے والد سے ایسی درخواست کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا"

"آپ کو درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں انہیں سمجھا سکوں گی کہ میرے لئے ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کا انتظار کرنا زیادہ آسان ہوگا"

"لیکن میں جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہا ہوں اور ممکن ہے کہ میں زندہ واپس نہ آ سکوں یا مجھے قیدی بنا لیا جائے۔ اور تمہیں تمام عمر یہ پتا نہ چلے کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں"

انطونیہ نے جواب دیا۔ "ان حالات میں میرے لئے یہ مسئلہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ میں وقت کے بے رحم ہاتھوں سے مسرت کی چند گھڑیاں چھیننا چاہتی ہوں۔ اگر مستقبل مجھے کچھ اور نہ دے سکا تو بھی ان سات دنوں کی یاد میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا ہوگی، کم از کم میں اپنے دل کو یہ تسلی دے سکوں گی کہ ان ایام میں آپ صرف میرے لئے تھے۔ لیکن میں ایسی باتیں کیوں سوچوں کیا قدرت نے آپ کو ایرانیوں کی قید سے نکال کر یہاں نہیں بھیجا تھا اور یہ ایک معجزہ نہیں تھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آئندہ بھی آپ کی سلامتی کے لئے میری دعائیں رائگاں نہیں جائیں گی۔ میں اپنے دل میں یہ خیال تک نہیں آنے دوں گی کہ آپ

جنگ سے واپس نہ آئیں گے۔ اور ہمیں خوشی کی چند گھڑیاں عطا کرنے کے بعد خدا کی رحمت کے خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

انطونیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ کلاڈیوس کو سمجھانے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

فرمس مکان میں داخل ہوا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کلاڈیوس سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ کے آنسو گواہی دے رہے ہیں کہ آپ اپنے چچا سے مایوس ہو کر آئے ہیں۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "نہیں! میں مایوس ہو کر نہیں آیا، انطونیہ صرف اِس بات سے پریشان ہے کہ میں ایک ہفتہ یہاں ٹھہر کر محاذِ جنگ پر چلا جاؤں گا۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم یہاں آنے کی بجائے اسکندریہ سے سیدھے محاذ پر چلے جاؤ گے۔"

"میں اپنے چچا کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔"

انطونیہ نے کہا۔ "ابا جان! ان کی خواہش ہے کہ کل ہماری شادی ہو جائے۔ اور آپ کی بیٹی کے پاس تشکر کے آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں۔ نہیں! نہیں! میں جھوٹ نہیں بولوں گی یہ میری اپنی خواہش ہے۔ یہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ ایک سپاہی کا جنگ سے زندہ واپس آنا یقینی نہیں ہوتا۔"

فرمس نے کہا۔ "عورتیں رونے یا ہنسنے کے لئے ہمیشہ ناموزوں وقت منتخب کرتی ہیں، اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم ایک دوسرے کے لئے ہو اور اگر کلاڈیوس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میرے لئے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہاری شادی کس وقت اور کن حالات میں ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک ہفتہ کے بعد محاذِ جنگ پر جا رہا ہے تو میں ایک لمحہ ضائع کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

اگلے روز بابلیون کے ایک کشادہ گرجے کے اندر، چند مقامی معززین اور رومی افسروں کی موجودگی میں کلاڈیوس اور انطونیہ کی شادی کی رسوم ادا کی گئیں۔ اور چھٹے روز کلاڈیوس نے اپنی بیوی کو الوداع کہہ کر میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ پھر چند دن بعد محاذِ جنگ سے رومی سپاہ کی شکست اور پسپائی کی خبر آئی۔ اور اِس کے بعد بابلیون

کے پریشان حال باشندے قریباً ہر روز اس قسم کی اطلاعات سننے لگے کہ آج ایرانیوں نے مصر کے فلاں قلعے یا فلاں شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور آج رومیوں نے فلاں مقام سے پسپا ہو کر فلاں مقام پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

ایک شام فرمس انتہائی پریشانی کی حالت میں گھر پہنچا اور اُس نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "آج خبر آئی ہے کہ ایرانی پلیبس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور ہمارے سپہ سالار نے بابلیون میں بچے کھچے رومی سپاہیوں کے علاوہ چند مقامی دستوں کو بھی وہاں بلا لیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر رومیوں نے دوسرے شہروں کی طرح پلیبس کو بھی لڑے بغیر خالی کر دیا تو بابلیون تک دشمن کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ رومیوں نے ابھی سے اپنے بچوں کو اسکندریہ بھیجنا شروع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے دریا کی تمام کشتیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رومی بابلیون کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں اگر خدانخواستہ پلیبس میں شکست ہوئی تو وہ بابلیون کی طرف پسپا ہونے کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں گے ——— ان حالات میں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہیں اسکندریہ پہنچا دیا جائے۔ میں ابھی ایک رومن افسر سے مل کر آیا ہوں اور اُس نے مجھے ایک کشتی میں جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے اب تمہیں سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔"

انطونیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "نہیں! ابا جان، یہ کبھی نہیں ہو سکتا ——— کلاڈیوس ضرور یہاں آئے گا اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ ابا جان! میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ ممکن ہے کہ وہ زخمی حالت میں یہاں پہنچے اور اُسے میری ضرورت ہو۔ وہ بابلیون کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس نے اِس جگہ ہمارے لئے کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہ یقیناً ہمیں یہ پیغام بھیجے گا کہ ہم اسکندریہ چلے جائیں۔ لیکن جب تک اُس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ یہاں آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔"

فرمس کو انطونیہ کے الفاظ سے زیادہ اُس کے آنسو متاثر کر رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "بیٹی! میں نے صرف ایک مشورہ دیا تھا۔ تمہیں مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرے توہمات غلط ثابت ہوں۔"

چند دن بعد بابلیون میں کہرام مچا ہوا تھا کہ رومی لشکر پلیبس میں بھی شکست کھا چکا ہے اور فرمس قدیمے

تلخ لہجے میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔"تم نے اُس دن میرا کہنا نہ مانا۔ کاش! میں تمہارے آنسوؤں سے متاثر نہ ہوتا اور تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کشتی میں ڈال دیتا۔ اب تمام کشتیاں جا چکی ہیں اور ہمارے لئے اسکندریہ پہنچنے کی صرف یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم خشکی کے راستے گھوڑوں پر سفر کریں۔ انطونیہ! اب سوچنے کا وقت نہیں رومی اب بابلیون نہیں آئیں گے۔ وہ شکست کھانے کے بعد اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ بابلیون کا حاکم بھی فرار ہو چکا ہے۔ اور مقامی فوج ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اب ہمارے لئے آخری موقع ہے ممکن ہے کل تک ہمارے لئے خشکی کے راستے بھی بند ہو جائیں۔"

انطونیہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔"ابا جان! آپ جائیں لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ میں کلاڈیوس کا انتظار کروں گی۔"

فرمس نے جھنجھلا کر کہا۔"بیوقوف لڑکی! معلوم ہے کہ دشمن تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ کیا تمہارے شوہر نے تمہیں شام اور فلسطین کے مفتوحہ شہروں کی داستانیں نہیں سنائیں؟ تمہارے آنسو صرف تمہارے باپ کو بیوقوف بنا سکتے ہیں، دشمن کی سرشت نہیں بدل سکتے۔ اگر تمہیں اب بھی یہ خیال ہے کہ کلاڈیوس یہاں آئے گا تو اُسے اطلاع دینے کے لئے میں اپنا نوکر یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

"ابا جان! میں صرف آج کا دن اُس کا انتظار کرنا چاہتی ہوں اگر وہ نہ آیا تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن....."

"لیکن کیا؟" فرمس نے تلخ ہو کر پوچھا۔

"وہ ضرور آئے گا، ابا جان!"

اچانک صحن میں آہٹ سنائی دی، انطونیہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی، سامنے کلاڈیوس گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور اُس کا لباس خون میں تربتر تھا۔

انطونیہ چند ثانیے سکتے کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتی رہی، اور پھر چیخیں مارتی ہوئی آگے بڑھی۔ کلاڈیوس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چند قدم اٹھائے لیکن اچانک منہ کے بل گر پڑا۔

کچھ دیر بعد کلاڈیوس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے کے اندر بستر پر لیٹا ہوا تھا اور انطونیہ، فرمس

بابلیون کا ایک طبیب اُس کے گرد کھڑے تھے۔

کلاڈیوس کے بائیں بازو کا زخم خاصا گہرا تھا۔ طبیب نے اُسے کسی تاخیر کے بغیر گرم لوہے سے بھرنے کا مشورہ دیا۔

تین دن بعد جب کلاڈیوس شدید بخار کی حالت میں کراہ رہا تھا خسرو پرویز کے لشکر کے ہراول دستے بابلیون کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اور فرمس انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔"انطونیہ! قدرت نے تمہارے شوہر کو بھیج دیا ہے لیکن اب ہم اسکندریہ نہیں جا سکیں گے۔ کاش! وہ سواری کے قابل ہوتا۔"

دس دن بعد کلاڈیوس ابھی اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوا تھا کہ کسریٰ کے سپاہی شہر پر فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔

انطونیہ کے باپ اور شوہر کے سامنے مستقبل کی جو تصویر تھی وہ موت سے زیادہ بھیانک تھی لیکن انطونیہ اب بھی کسی معجزے پر یقین رکھتی تھی ـــــ اور قدرت کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا تھا کہ عین اُس وقت جب کہ موت اپنی انتہائی بھیانک صورت میں ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، ایرانی لشکر کا ایک سالار جسے عام حالات میں اُن کا قاتل ہونا چاہیئے تھا ان کا دوست اور محافظ ثابت ہوا۔

عاصم، فرمس کے نزدیک ایک بہادر اور احسان شناس عرب تھا، کلاڈیوس کے لئے ایک معمّا تھا۔ لیکن انطونیہ کی نگاہوں میں وہ آسمان کے اُن ان گنت فرشتوں میں سے ایک تھا جنہیں قدرت بے بس نسانوں کی دستگیری کے لئے بھیجتی ہے۔